

ملکئبہ جدید

میری لائبریری

الہارون

بادشاہوں کے بادشاہ
ہارون الرشید کے حالات

عمر ابو النصر

دو روپے چار آنے

الهارون

مسلمان حکمرانوں میں جو شہرت ہارون الرشید ، اس کے
 عہد اور اس عہد کی شخصیتوں کو حاصل ہے ، اس
 کی مثال کہیں نہیں ملتی ۔ جہاں ہارون الف لیلی کی
 رنگین داستان کا درخشاں کردار ہے وہاں تدبر ، اولوالعزمی ،
 علم دوستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے تاریخِ عالم
 کا سنہری باب ہے ۔ مشرقی اور مغربی تاریخ دان ہمیشہ
 سے اس بلند شان شہنشاہ کے بارے میں رطب اللسان رہے
 ہیں ۔ لیکن آردو میں ہارون الرشید اور اس کے عہد
 کی جامع تاریخ آج تک نہیں لکھی گئی ۔ عمر ابوالنصر
 کی یہ تصنیف بیان اور ترقیب کے لحاظ سے الف لیلی
 کی طرح دلچسپ ہے اور اپنے مواد کی صحت اور نظر کی
 دور رسی کے لحاظ سے تاریخ نویسی کا نیا معیار قائم
 کرتی ہے ۔ آخر میں شیخ محمد اسماعیل پانی پٹی صاحب نے
 بیسیوں کتابوں کی مدد سے ایک اختتامیہ مرتب کیا ہے
 جس سے یہ کتاب کسی دوسری کتاب کی محتاج نہیں
 رہتی ۔

الہارون

ہارون الرشید بن محمدی

البرامکہ

عمر ابوالنصر

ترجمہ :- شیخ محمد احمد پانی پتی

انتساب :- شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

مکتبہ جدید، انارکلی، لاہور

مجلہ حقوق محفوظ

میری لائبریری ڈولین : پہلی مرتبہ - ۱۹۶۰ء

طابع : اشرف پریس لاہور

ناشر : رشید احمد چوہدری، مکتبہ جدید، لاہور

ترتیب

	عرض شریک : محمد احمد ، ۷
	عربی حیار ، ۹
۲۱	خلافت کی مختصر تاریخ ،
۲۵	ہادی بن ہدی ،
۳۳	ہادی کی تخت نشینی ،
۳۸	ہادی بن ہدی ،
۵۱	ہادی کی تخت نشینی ،
۵۵	برامکو
۶۵	سیاسی حالات ،
۷۶	نہال برامکو ،
۹۰	جعفر کا قتل ،
۱۰۳	جعفر کی شان و شوکت ،
۱۱۱	برامکو پر مظالم ،
۱۲۸	ہادی الرشید کا ترمین قیام ،
۱۳۴	دولت عباسیہ اور بیزنطینی سلطنت ،
۱۴۳	مغربی رومی سلطنت ،
۱۴۸	امین و نامرئی کی موی ہادی ،

- ۱۵۴ خراسان میں بغاوت ،
- ۱۶۴ ہارون کی وفات ،
- ۱۷۱ امین کی خلافت ،
- ۱۸۷ ہارون الرشید کے اخلاق و عادات ،
- ۱۹۸ ہارون الرشید کے حمد کا بغداد ،
- ۲۰۳ ہارون الرشید کا حمد حکومت ،
- ۲۱۸ تخت نشینی حکم کے اہم تاریخی واقعات ،
- ۲۲۱ مآخذ ،
- ۲۲۵ (اختیار یہ ، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ،
- ۲۲۸ سلطنت ہارون الرشید کی وسعت اور عظمت
- ۲۵۶ حیات اور سوانح کا مختصر جائزہ
- ۲۷۱ باقیات ہارونی
- ۲۷۷ مجدد ہارونی کے صاحبانِ علم و فضل
- ۲۷۸ ہارون الرشید کی بے تعلیمی اور رسد اداری
- ۲۸۴ دور ہارونی میں سلطنت کی خوش حالی اور انتظامِ ملکی و مالی
- ۲۹۰ ہارون الرشید کی حکمرانی طاقت
- ۲۹۷ ہارون الرشید کے ہم عصر سلاطین
- ۳۰۵ ہارون الرشید کے بارے میں برعین اور مصنفینِ عالم کی کچھ تحریرات
- ۳۱۷ مآخذ جن سے اختصار مرتب کرنے میں مدد ملی گئی۔ (۳۱۷)

عرضِ مترجم

موجودہ دور کے عربی مصنفین میں بیروت کے مشہور ناشر، عراب الناصر کو خالص اہمیت حاصل ہے۔ یہ شخص اعلیٰ پائے کا ادیب، بلند پایہ مؤرخ اور بہت سی قابلِ قدر کتابوں کا مصنف ہے۔

حال کے عربی مرتبین میں عراب الناصر بھی بظہار ان شتات کے ہے جنہوں نے وقت کی اس سب سے بڑی ضرورت کا احساس کیا کہ مسلمانوں کو ان کے قابلِ فخر اسلام کے شاندار کارناموں سے بذریعہ تصنیف و تالیف واقف کرانا چاہیے تاکہ وہ ان کی زندگیوں سے سبق حاصل کر کے اپنے خصائل و اطوار میں درستی اور اپنی تمدنی شائستگی میں ترقی کر سکیں۔

اس غرض کے لئے عراب الناصر نے متعدد کتابیں تالیف کیں جو حضرت سید الکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابہ کبار، بزرگانِ سلف اور نامور شامانِ اسلام کی سائناتِ حیات پر مشتمل تھیں۔ یہ کتابیں اس نے یورپین ماخذوں اور عربی تاریخوں سے انداز و انتخاب کر کے نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ سپردِ قلم کی ہیں۔ اہلِ ہادون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا اندوڑ ترجمہ فارسی کرام کے سلسلے میں کیا جا رہا ہے۔

خدمتِ مکران اور تدوینِ احادیث کے بعد جتنی زبردست کوشش اور سعی مسلمانوں

نے اپنی تاریخ کو محفوظ کرنے اور اپنے اسلام کے علمی، ادبی، سیاسی اور اخلاقی کارناموں کو مدون کرنے میں کی، اتنی آج تک دنیا کی کسی قدیم یا جدید قوم نے نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ ایسا عمیرۃ العقول کا رنار ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ سادہ جیسے تیرہ سو سال کے عرصے میں مسلمانوں نے بلا مبالغہ لاکھوں کتابیں تاریخ اسلام اور اکابرین اسلام کے حالات میں مرتب کیں اور عظیم الشان ذخیرہ قیامت تک دنیا کو اسلام کے عمدہ ذرائع کی یاد دلانا رہے گا۔

مؤرخین اسلام نے جو کتابیں لکھیں۔ ان کو انھوں نے انتہائی عرق ریزی، کمال محنت اور بڑی تحقیق و تلاش کے بعد مدون کیا اور اس بات کی پوری کوشش کی کہ تاریخ اسلام کا کوئی پہلو کسی لحاظ سے قلم نہ ذرہ جیسے۔ آج یورپ و امریکہ، مصر و شام، ایران و عراق اور پاکستان و ہندوستان میں جس قدر کتابیں تاریخ اسلام کے متعلق لکھی جا رہی ہیں ان سب کی بنیاد و اساس تمام نودی عربی کتب ہیں جو ابتدائی دور میں پہلے اسلام نے لکھی۔ اسی لئے ہماری شاعری کا مجدد و اعظم کتب ہے،

مؤرخ ہیں جو آج تحقیق دلائے

تخص کے ہیں جن کے آئیں فرائے

جنھوں نے ہیں عالم کے ذکر کھنگلائے

نہیں کے طبق سر میر حیاں ڈالے

عرب ہیں نے دل ان کے جا کر ابلے

عرب ہی سے وہ بہرے سیکھے تراے

جہاں تک مؤرخین اسلام کی کاوشوں کا تعلق ہے کوئی شخص ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

تاہم اس سلسلہ میں بعض امر ایسے ہیں جو محلی نظر میں ۔

جس وقت ہمارے بزرگوں نے باتوں میں نظم و سنجال کر کتابوں کا بنار لگانے شروع کئے ۔ اس وقت دنیا تصنیف کے نام سے نام آشنائے محض تھی ۔

ترقی کا جس دم خیال اسی کو آیا

اک اندمیرا تھا بلی سکوں میں چھایا

ہر اک قوم پر تھا تنزل کا سایا

بلندی سے تھا جس نے سب کو گرایا

روح عیش جو میں آج گردوں کے تارے

دھندلکے میں پستی کے پہاڑ تھے ملے

ذوہ وور وورہ تھا جبرانیوں کا

ذیر بھرت و اقبال نصرائیوں کا

پراگندہ دفتر بخت یونانیوں کا

پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا

جس اذہل روم کا تھا ڈھنگا

چراغ اہل ایران کا تھا ٹٹٹا

آخر نے ایک بالکل نئے میدان میں طبع آزمائی شروع کی ۔ ایسے میدان میں

جہاں نہ پہلے سے کوئی راستہ بنا ہوا تھا ، نہ کوئی گڈ ٹری تھی ۔ نہ ان سے پہلے کوئی مادی

اس میدان سے گزرتا تھا ۔ نہ ان سے قبل کوئی اس راہ سے واقف تھا ۔ وہ آپ ہی اس

میدان کے مرد تھے اور آپ ہی اس راہ کے ماہر ۔

اس سورت سال کے پیش نظر کسی کام کو شروع کرنے میں جتنی مشکلات اور قیام
پیش آتی ہیں وہ سب کی سب ان کو پیش آئیں، مگر انہوں نے خدوہ پیشانی سے
ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور تصنیف و تالیف کے حادہ و صغرامیں اپنے روبرو قائم
کو سرپٹ ڈال دیا لیکن غماہر ہے کہ جب کسی نئے کام کی ابتدا کی جاتی ہے تو اس میں
فریاد و حسرت اور وہ دلکشی و خوشی اور وہ گمگاہی پیدا نہیں ہو سکتی جو شش و مزاومت کے
کے بعد کے چل کر پیدا ہوتی ہے جس وقت مسئلہ نزل نے تصنیف و تالیف کا کام شروع
کیا تو انہوں نے اپنی کتابوں میں بعض نفس مطلب سے مطلب رکھ کر ترتیب و ترویج اور
رابطہ تسلسل کا چنداں لحاظ نہ کیا۔ انہوں نے بالعموم اس بات سے غرض نہ رکھی کہ عبارت
کتاب مربوط اور تسلسل ہو۔ ان کا مسلح نظر صرف اصل مضمون کو بیان کر دینا ہوتا ہے اور پس
عام طور سے ان کی روش یہ ہوتی تھی کہ تسلسل عبارت لکھتے چلے جاتے تھے اور اس
عبارت میں بعض واقعات غیر متعلق واقعات بھی در بیان میں داخل کر دیتے تھے جو اکثر غلط
طویل ہوتے تھے۔ اس کی وجہ سے پڑھنے والوں کو بڑی الجھن ہوتی تھی۔

ایک عادت ان میں یہ بھی تھی کہ واقعات کو بغیر کسی ترتیب کے کتاب میں جمع کر دیتے
تھے اور تقدیم و تاخیر کا قطعاً خیال نہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی شخص کو کسی
خاص واقعہ یا کسی خاص موضوع کے متعلق تلاش یا تحقیق کرنی ہوتی تھی تو اسے اس مقصد
کے لئے پوری کتاب میں اولہ ال آخرہ بغور مطالعہ کرنی پڑتی تھی۔ تب کہیں جا کر گھبرا
منقصود حاصل ہوتا تھا۔

علامہ ازیں مؤرخین اسلام کا ایک طریقہ تحریر یہ بھی تھا کہ تاریخی واقعات کو تو
وہ پوری تفصیل اور تشریح سے بیان کر دیا کرتے تھے کیس عبارت کی دل آویزی اور بیانی کی

دکشی کا خیال عام طور سے نہیں رکھتے تھے جس کی وجہ سے مصنفین خشک ہو جاتا تھا اور تنادی کا دل پڑھنے میں نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ کتاب میں دلچسپی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب عبارت میں رنگینی و شادابی اور بیان میں فصاحت و بلاغت سے کام لیا جائے۔ یہاں تک کہ ایک بظاہر خشک موضوع کو بھی حسن بیان اور لطافت زبان سے آنا دلچسپ اور پُر لطف بنا دیا جائے کہ پڑھنے والے کے ہاتھ سے کتاب اس وقت تک نہ چھوٹے جب تک ختم نہ ہو جائے۔

یہ طرز تحریر صدیوں تک جاری رہا اور کسی کو اس میں تبدیلی کا خیال پیدا نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابتدائی عرب مصنفین اور سلف صالحین جو کچھ لکھ گئے اور جس طرح لکھ گئے اس کو بعد میں آنے والے مسلم مورخین نے مستقیم کے تقدس سے رعب ہو کر گریبا صحت، ہمواری بکھا اور انکھیں بند کر کے ان کی لفظ بلفظ تقلید کرتے چلے گئے۔ انھوں نے قطعاً اس غرورت کا احساس نہیں کیا کہ زمانے کے حالات اس امر کے مستحق ہیں کہ اپنی قدیم ڈگر چھوڑ کر نئی طرز کو اختیار کیا جائے۔

جب یورپ میں اندلس اور صقلیہ کے مسلمانوں کی بدولت علوم و فنون کی ترقی شروع ہوئی اور مسلمانوں کی دلچسپی ان میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہوا تو ان کے بالغ نظر مصنفین اور ہر شاعر و ماخوذ نے رفتہ رفتہ اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ کتابیں جب تک دلچسپ طریقے پر نہیں لکھی جائیں گی اُس وقت تک وہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کر سکتیں۔ البتہ ان ریوں اور بزرگوں کی زینت و شک جی سکتی ہیں۔ انھوں نے بہت جلد یہ بات محسوس کر لی کہ کتابوں کو دلچسپ اور پُر لطف بنانے کے لئے تحریر میں رنگینی اور دلچسپی کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کتابیں جلد بے روح

کی مانند میں چنانچہ انھوں نے اپنی کتابوں کو اس سانچے میں ڈھالنے کی پوری پوری کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ ان کی علمی اور تاریخی کتابوں کو پڑھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک مضمون کا مطالعہ کر رہے ہیں بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت ہی مزیدار قصہ یا کوئی بہت ہی دلچسپ ناول پڑھ رہے ہیں۔

یورپ میں مصنفین کا یہ طرز تحریر اتنا مقبول اور مشہور ہوا کہ آج مصر و شام کا ہر عربی مصنف ایران و افغانستان کا ہر فارسی ادیب اور پاکستان و ہندوستان کا ہر اردو ادیب اس کی تقلید اور پیروی کرنے پر مجبور ہے۔

مصر و شام کے جن نامور اور مشہور عالم مؤرخین نے اس جدید یورپین طرز نگارش کو اختیار کیا ان میں عمر ابو النصر اقدادی اور خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے جدید یورپ کی اس جدید طرز کو بڑی خوبی سے اپنا لیا ہے اور اپنی اس کوشش میں بے حد کامیاب رہا ہے۔

جب عمر ابو النصر کسی کتاب کی ابتدا کرتا ہے تو پڑھنے والے کو بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں کوئی بہت ہی دلچسپ اور شاندار داستان شروع کرنے لگا ہوں جس میں تم گے چل کر حیرت انگیز اور سنسنی خیز واقعات کا انکشاف ہو گا۔ اس شوق میں قاری پوری دلچسپی کے ساتھ صفحات کتاب کو پڑھتا چلا جاتا ہے۔ عمر ابو النصر ایسے کلمات و فقرات استعمال کرتا ہے جو شخص کو بے اختیار اور بلا ارادہ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ پھر وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی ہر کتاب میں دلچسپی آخر تک قائم رہے۔ اس غرض کے لئے وہ اپنی تحریر میں حسن اور دلکشی پیدا کرنے کے علاوہ مناسب مقامات پر مختلف حکایتیں بیان کرتا ہے۔ مزید برآں مزیّنات ایسے قائم کرتا ہے کہ کتاب ہاتھ میں لیتے ہی فوراً

انہیں پڑھنے کی خواہش دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ ترتیب کتاب اور تسلسل بیان کا بھی وہ بڑا خیال رکھتا ہے۔ یہی اس کی مقبولیت کا مادہ ہے اور اسی وجہ سے اس کی اکثر کتابوں کے ترجمے دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

تاریخی اہمیت کے لحاظ سے عمر ابو النصر کی کتابیں نہایت وقیع اور بلند پایہ ہیں۔ اس نے پوری کوشش اس امر کی کی ہے کہ جو بات یا جو واقعہ اپنی کتاب میں سچ کرے وہ معتبر اور مستند ماخذوں سے لیا گیا ہو اور بالکل صحیح اور درست ہو۔ اگر کسی واقعہ میں اختلاف پایا جاتا ہے تو ایسے موقع پر اس نے مختلف مؤرخین کے اقوال کا احاطہ کر کے صحیح نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے اور جہاں کسی واقعہ کے متعلق اختلاف کی غلطی بہت وسیع ہو گئی ہے وہاں اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مختلف اور متفرق قدیم مؤرخین کی مخالف اور متضاد افراہ کو نہایت جامعیت کے ساتھ ایک جگہ نقل کر دیا ہے اور نتیجہ تاریخی کی عقل اور گہر پر چھوڑ دیا ہے۔

اپنی کتابوں میں عمر ابو النصر نے قدیم اسلامی مؤرخین کے علیٰ اور غم کسی شخص کی محض سوانح حیات بیان کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساتھ کے ساتھ اس کے حمد کے علمی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی حالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح اس نے زمانہ بحال کے تعاضوں کو اپنی کتابوں میں پروں کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

اس مختصر قہید کے بعد میں زیر نظر ترجمے کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک معلوم ہے عربی زبان میں مامون الرشید کی یہ اکیں سوانح ملری ہے جو اگرچہ بہت حد تک فرضی اور انگریزی کتب سے ماخوذ ہے مگر عربی زبان کے قدیم و جدید مرٹے سے

جی فاضل مصنف نے اس کتاب کی ترتیب میں کافی مدد لی ہے۔ اس کتاب کے پہلے دو باب مشہور غزالیسی مستشرق رسو اور دیسور کی کتاب ہارون الرشید سے ماخوذ ہیں اور انتہائی طور پر مصیبت میں۔ باقی کتاب یورپین اور عربی تاریخوں کا خلاصہ اور مختصر ہے۔ تنقید کو ختم کرتے ہوئے میں یہ بھی عرض کروں کہ میں نے کتاب ہذا کا ترجمہ کرتے ہوئے اس لوگ کا داخل طور پر خیال رکھا ہے کہ تمام واقعات ایک تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان کئے جائیں بعض جگہ فاضل مصنف نے ایک ہی قسم کے واقعات کو جگہ ایک ہی باب میں درج کرنے کے مختلف بابوں میں تحریر کیا ہے مگر میں نے اردو دان اصحاب کی تسانی کے لئے یہ ترجمہ کیا کہ ایک باب کے تحت جتنے واقعات ہیں وہ سب ایک ہی جگہ اور اسی باب میں بیان کرتے جائیں تاکہ تسلسل قائم رہے اور غلط سمجھ نہ ہو۔

بعض ایسے اہم واقعات بھی کتاب میں آگئے ہیں جو میرے نزدیک زیادہ اہمیت سے بیان ہونے چاہئیں تھے۔ اس لئے میں نے دوسری تاریخوں کی مدد سے ان کی تدریس تشریح کر دی ہے۔

لائی مصنف نے یہ کتاب چونکہ بیشتر یورپین تالیفات سے اخذ و اقتباس کرتے دکھائی ہے لہذا جہاں جہاں سنہ کھنڈے کی ضرورت پڑی ہے۔ اس نے عیسوی سنہ تحریر کیا ہے۔ بلکہ زیر نظر کتاب فردن اولی کے ایک عباسی فرمانروا کی تاریخ طبری ہے اس لئے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ ہر جگہ عیسوی سنہ کے ساتھ ہجری سنہ بھی تلاش کر کے لکھ دوں۔ تاکہ اس میں درج شدہ واقعات عربی تاریخوں سے منطبق ہر جائیں۔ جن میں کیتا، ہجری سنہ کا استعمال کیا گیا ہے۔

محمد احمد پانی پتی

رام گل نمبر ۳ - لاہور

عربی بیچار

ایک دن خلیفہ بغداد، امیر المومنین ہارون الرشید نے اپنے وزیر کی برکی سے اشعار گنگمہ میں فرمایا،

”جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا، اعلیٰ کو تشریف لے گئے، اس وقت سارا عرب اتحاد کی لڑائی میں فتنہ تھا، اسی اتحاد کی برکت تھی کہ اسلام ایک زیر دست طاقت بن کر افریقہ، عالم پر زور مار ہوا اور دیکھتے دیکھتے دنیا کے کثیر حصے پر چھا گیا۔ اس وقت مسلمانوں کا پھر پھر رمان و عمل کے جذبے سے سرشار تھا اور یہ جذبہ کسی وقت بھی اسی سے جہاد ہوتا تھا۔ لیکن اب جبکہ اسلامی سلطنت کی حدود اس سے بہت زیادہ وسیع ہو چکی ہیں، جتنی خلافت ماضیہ کے زمانہ میں تھیں تو مسلمانوں کے اتحاد کی جو حالت سچا مد جس طرح اُسے دن ان میں فتنے برپا ہوتے دہشتہ میں وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں، لیکن اس پر سوائے کئی افسوس ہونے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے؟“

ہارون الرشید کا یہ کہنا بالکل درست تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، ڈیڑھ سو سال کا دورہ جس میں مسلمانوں کے قدم پُرانی دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ چکے تھے اسلامی تاریخ کا ایک دلخشاں دور ہے۔ دینی حمایت ہر مسلمان کے دل میں بروزن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پرور اشارات کی بدولت

شخص کے سینے میں ذوق و شوق کے چشتے اہل رہے تھے۔ ان کو ہر جگہ میں قوی غیرت کا احساس نہایت شدت سے رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے قدم پہلے نہ بچے بچنے کے آگے ہی آگے بڑھتے دھبے تھے۔ وہ جو بیرونی ماحول سے نکل کر دنیا کے دور و ساز علاقوں میں پہنچ چکے تھے اور جہاں بھی وہ جاتے تھے فتح و ظفر ان کے آگے آگے چلتی تھی۔

صدر اول کی اسلامی فتوحات کی تاریخ پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی جنگوں کو ہرگز بدوؤں کی اس بیخار سے موسوم نہیں کیا جاسکتا جو انھوں نے بھوک اور پیاس سے جنگ آگرا و گرد کے سرسبز و شاداب علاقوں پر اس لئے کی کہ انھیں با فراغت نمود کا مل سکے۔ مگر یہ لڑائیاں اور گرد کی تمدنی عظمتوں کی شان و شوکت کو دیکھ کر ڈی گئی تھیں کہ ان ممالک کی دولت و ثروت کو اپنے قبضے میں لائیں۔ انھوں نے اپنے لڑنے کے سامان جم پہنچ سکیں۔ ان غزوات کا لوٹ مار سے قطعاً کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ ان حملات کی طرف سے کئے گئے تھے۔ جن میں ایک عجیب و غریب دینی دُعا سرایت کر گئی تھی جس نے ان کو باہم متحد کر دیا تھا۔ تب وہ تمام عالم کو کلام اللہ کی تعلیمات سے مدد شناس کرانے اور زمین کے گوشے گوشے کو اسلام کے نور سے منور کرنے کے عزم کے ساتھ کھڑی ہوئی اور انھوں نے اپنے اس عزم و ارادے کو نہایت محنت کی ساتھ پُر دہرے کے دکھایا۔

دارون الرشید کی نظر سے اسلامی تاریخ کے ماحات ایک ایک کر کے گزر رہے تھے۔ اس نے عالم خیال میں ایک ایسی قوم کو سر زمینِ عرب سے نکلنے دیکھا جس کے پاس نہ سامانِ جنگ کی فراوانی تھی نہ سامانِ زندگی کی کثرت۔ لیکن اس بے سرو سامانی

کے باوجود دنیا کی کوئی قوم اور دوسرے زمین کی کوئی سلطنت اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا جو طاقت بھی اس کے سامنے آئی پاش پاش ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور جس ہمارے بھی اس کا مقابلہ کیا۔ اسے بالآخر میدان جنگ سے ہلاکتے ہی ہی پڑی۔ عرب کے ہندو قبائل کا دیکھتے دیکھتے دنیا کے بہت بڑے حصہ پر چھا جانا اور بڑی بڑی طاقت و بادشاہتوں اور باجبروت سلطنتوں کا ان کے ہاتھوں میں جانا ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ یکسر قاصر ہے۔

اس زمانے میں ہر طرف اسلامی افواج ہی کا غلبہ تھا۔ ان کے گھوڑے اشراف اور باطل کی سرزمین کو روند رہے تھے۔ ایران کی افواج کا ہر بڑے کردار فرسے مسلمانوں کے سامنے آئیں لیکن انہیں انتہائی حسرت و ناکامی کاٹھانی پڑی جس کے نتیجے میں ایران کی عظیم المرتبت کیانی سلطنت ہمیشہ کے لئے فنا ہو گئی۔ ایران ہائے کسریٰ جہاں سے شاہان کسریٰ اپنی وسیع و عریض مملکت پر بڑے و بدبے سے حکومت کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے اور کسریٰ کی ساری شان و شوکت خاک میں مل گئی۔

اب عربی مساکین نے اپنا رخ سرزمین فلسطین کی طرف پیرا۔ چند ہی دنوں میں آل اسماعیل بیت المقدس پہنچ گئے اور وہ ارض مقدس جو صدیوں سے انبیاء کا مکان اور مرفقہ تھی اشرافیت کے دھندے کے مطابق آفرکار اس کے حقیقی دارلشوں کو مل گئی۔ فلسطین کے بعد شام کی بارہ آفری اور رومی سلطنت کا پرانے جو یہاں صدیوں سے بڑی آب و ہوا سے روشن تھا مسلمانوں کی پوجوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

اس کے بعد مجھے کاؤخ افریقہ کی جانب پھرا۔ مصر کی فتح میں کچھ دیر زندگی اور بہت جلد اس سرسبز و شاداب علاقے پر بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

تیسرے مصر کے بعد بھی مسلمانوں کی پیش قدمی جاری رہی اور قسطنطنیہ ہی مصر میں اسلامی لشکرِ بڑا عظیم افریقہ کے آفری سرے پر بحر اوقیانوس کے کنارے نیم زون تھا۔ افریقہ کے کوفہ پر محمد کی اس جانب موسیٰ بن نصیر کا غلام اور کونیا کا مشہور سپہ سالار 'طابق' اپنی مٹی بھر فوج لئے یورپ کے عظیم ایشان ملک سپین کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ دوسری سمت اہل سپین اپنے خیال میں ہر خطے سے محفوظ آرام و چین کی نیند میں مہوش ہیں۔ دفعتاً طابق آگے بڑھا اور اپنی فوج کے ساتھ جہازوں میں سوار ہو گیا۔ سپین کے ساحل پر اتر کر اس نے تمام جہازوں کو آگ لگا دی۔ اس کام سے خارج ہو کر وہ اپنی سات ہزار کی مختصر سی فوج کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اسے مخاطب کر کے ایسا عظیم ایشان تاریخی خطبہ دیا جسے پڑھ کر آج بھی ہر مسلمان کا خون جوش مارنے لگتا ہے۔ سپہ سالار نے کہا :

"اے میرے عزیز ساتھیو! مجھے بتاؤ کیا اس وقت تمہارے لئے کہیں بھی کوئی جائے قرار ہے؟ تمہارے پیچھے خوفناک سمندر ہے اور سامنے دشمن کا لشکرِ جبار۔ اب ثابت قدمی اور صبر کے سوا تمہارے لئے اور کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ تم اپنی طرح جان لو کہ اگر تم نے جرات اور ثبات سے کام نہ لیا تو اس جزیرے میں تمہارے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے گا جو کینوں کی دھڑکیوں میں تمہارے ساتھ کیا جاتا ہے۔ دشمن اپنے جبار لشکر، عظیم ایشان اور دافر سامانِ رسد کے ساتھ قدمے آتہال کو نکلا ہے۔ اب تمہارے لئے تلافی تلافی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں اور علاوہ

خواراک کے جو تم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے چھین لو۔ تمہارے لئے کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہیں۔ اگر تم کچھ مدت تک اسی طرح تہی دست رہے اور تم نے اپنا مقصود و مطلوب حاصل نہ کیا تو دشمنوں کے دلوں سے تمہارا سب رعب و داب جاتا رہے گا اور وہ لوگ جن پر آج تمہاری بہت طاری ہے کل کو نڈر اور بے خوف ہو کر تمہارے مقابلے کے لئے نکل آئیں گے۔ تم آنے والے خطرات کا اندازہ کرو۔ تاخیر اور سستی کے نتائج پر غور کرو اور قبل اس کے کہ دشمن تمہارے خلاف کوئی کارروائی کر سکے۔ تم آگے بڑھ کر اس کو دعوت مبارزت دو۔ دیکھو! خدا تعالیٰ نے ان کے مضبوط قلعے تمہارے سامنے ڈال رکھے ہیں۔ اس زریں موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اگر تم اپنی جانوں پر کھیل کر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ تو کوئی طاقت تمہیں ان قلعوں اور شہروں پر قبضہ کرنے سے نہیں روک سکتی۔

میں تمہیں کسی ایسی چیز سے نہیں ڈراتا جس سے میں خود الگ رہوں۔ میں تمہیں کسی ایسی بات کی طرف نہیں بلاتا جس میں جانیں قربان کرنے کا سوال ہو اور میں خود اس میں پس و پیش کروں۔ خوب اچھی عرص جان لو کہ اگر تم نے تھوڑی دیر کیلئے مصائب اور شدائد برداشت کر لئے تو مدت دراز تک آسودگی اور میٹھے پھول کا لطف اٹھاؤ گے۔

تم وہ خوش قسمت لوگ جو جنید امیر المومنین ولید بن عبد الملک نے ہزاروں جانوں قربانی میں سے چین کر اس جہیز سے کی تحفہ کے لئے بھیجا ہے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ تم دشمن کے مقابلے کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہو گے۔

میرے عزیز ساتھیو! تم ہر بات میں میری پیروی کرو۔ جو کچھ میں کروں وہی تم بھی

کرو۔ اگر میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ کرو۔ اگر میں رُک جاؤں تو تم بھی رُک جاؤ۔ لڑائی میں تم سب کا فِرد و احد کی طرح ہونا ضروری ہے۔

میرے بہادر سپاہیو! میدانِ کارزار میں سب سے پہلے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے جو شخص باہر نکلے گا وہ طارق ہو گا اگر قضا و الہی سے میں مارا جاؤں تو کسی جانب سے بھی کمزوری۔ حزن و ملال اور باہمی چھپاوش کا اظہار نہ ہونے پائے۔ اگر ایسا ہوا تو ہر تجارتی خیر نہیں۔

و اب میں دشمن کے مقابلے کے لئے نکلتا ہوں۔ میرے حملہ کرنے کے ساتھ ہی تم بھی بے جگر سی سے دشمن پر حملہ کرو۔

طارق کے اس پر جوشِ خبیث نے اس کے ساتھیوں کے دلوں میں ایک آگ لگا دی۔ وہ دیوانہ وار آگے بڑھے اور دشمن پر پل پڑے۔ دشمن کی صفیں ان کے حملے کی تاب نہ لا کر تتر بتر ہو گئیں اور سپین بالا خضر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

خلافت کی مختصر تاریخ

دارالرشید اپنے محل میں بیٹھا، گزرے ہوئے واقعات پر غور کرتا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ کیا حوالے تھے جن کی وجہ سے تمام مملکت اسلامیہ میں ایک ویدم نظیر اتحاد قائم تھا اور سلطنت کے تمام باشندے وحدت کی ملک میں منسلک تھے۔ جب آیام رفتہ سے اس کی نظر مہٹ کر اس کے اپنے زمانے پر پڑتی ہے تو اس کی پیشانی سے حسرت اور رنج و غم کے آثار برپا ہو رہے جاتے ہیں۔ اسے دکھائی دیتا ہے کہ اس کے زمانے کی اسلامی مملکت کی جو دنیا کے ایک کناہے سے دوسرے کناہے تک پہنچی ہوئی ہے، وہ حالت نہیں جیسی اس کے اسلام کے عہد میں تھی۔ نہ اس میں پہلی سی شان و شوکت موجود ہے نہ پہلا سا اتحاد ہے نہ اعلاء حکمۃ اللہ کا وہ جوش باقی ہے جو اس کے اسلام کا طرہ اختیار تھا، اور نہ پہلی سی قوت عمل ہے نہ سلطنت کے شعبوں میں نظم و ضبط کے پتلے سے پتلا ہر سے ہیں اور نہ اسلامی کربا کے نمونے کی موجود ہیں۔

سلطنت کے بعض دھڑے ماندہ علاقوں، مثلاً انڈس اور بلخ و خوارزم نے دار الخلافہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور اس بات کا امکان تھا کہ اس صورت حال کو دیکھ کر بعض اور علاقے بھی خود مختار ہو جائیں گے۔ خلیفہ کی اپنے وزیر سے وہ گفتگو ہو رہی تھی کہ شر و ع میں ہوتا ہے انہی افکار کا نتیجہ تھی۔

سلطنت کے حالات پر غلیظہ کی تشویش اور پریشانی بے جا نہ تھی۔ اس کے اپنے
 عہد میں جو واقعات رونما ہو رہے تھے وہ پچھلے واقعات سے پوری طرح مربوط تھے۔
 پچھلے ڈیڑھ سو سال کے واقعات زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے قدامت تھے کہ انہیں غلیظہ
 نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہارون الرشید کا ان واقعات پر خود کرنے سے اہل مقصدیر حاکم وہ سلطنت میں
 پیدا شدہ غریبوں کو دور کرنے اور اپنے بعد اپنے جانشینوں کے لئے ایسی مضبوطی کا تخت
 چھوڑ جانے جو اتحاد، استحکام اور شوکت و مملکت میں اپنی نظیر آپ ہو۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے
 لے کر ہارون الرشید کے زمانے تک عالم اسلام کا مختصر سا حال بیان کر دیا جائے
 تاکہ آپ کے ذہن میں تمام واقعات کا ایک نقشہ قائم ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے خلافت کے
 مسئلے پر اختلاف رونما ہوا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی زبردستی
 شخصیتوں کی بدولت اس اختلاف نے کوئی ناگوار صورت اختیار نہیں کی حضرت
 عثمانؓ کے آخری عہد میں حالات نے ایسا پٹا لکھا یا کہ سلطنت کے ہر حصے میں
 بغاوت کا فتنہ سر اٹھانے لگا۔ آخر انہی باغیوں نے مدینہ پہنچ کر آپ کو شہید
 کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ غلیظہ منتخب ہوئے لیکن اہل شام
 نے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کے مقابلے میں بکھڑے
 صرف اہل شام ہی نے نہیں بلکہ کئی جلیل القدر صحابہ نے بھی آپ کے مقابلے میں علم
 اختلاف بلند کر دیا اور اس طرح تمام عالم اسلامی میں ایک انتشار برپا ہو گیا آخر کار

حضرت علیؑ کو بھی تمام شہادت پینا پڑا۔

حضرت علیؑ کے شہید ہونے کے بعد تمام مملکت اسلامیہ پر حضرت معاویہؓ کا تسلط ہو گیا اور وہ بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگے۔ بلاشبہ انھوں نے بڑی مضبوطی اور محکمگی کے ساتھ حکومت کی۔

حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب ان کا بیٹا یزید تخت پر بٹھیا تو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا جواں گداز حادثہ پیش آیا۔ اس حادثے کے نتیجہ میں تمام عالم اسلامی کے مسلمان دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ کا دعویٰ تھا کہ حضرت علیؑ کی اولاد ہی خلافت کی حق دار ہے لیکن دوسرے گروہ کو اس سے انکار تھا اور وہ کہتا تھا کہ حکومت کی ہاگ ڈور جس شخص کے ہاتھوں میں آئے قلع نظر اس کے کوہ کون ہے اس کی بیعت خلافت کر لینی چاہئے۔

یہ اختلاف مٹ نہ سکا۔ شیعہ ان علیؑ خفیہ خفیہ اپنے لئے زمین ہموار کرتے رہے اور عاصیہ مسلمانوں میں اپنے خیالات کی ترویج کرتے رہے۔ اسی خلافت میں اس سے بے خبر نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ اس تحریک کی یج کئی میں مصروف رہے جس شخص کے متعلق انھیں پتہ چلتا کہ وہ لوگوں میں آل علیؑ کی خلافت کی تبلیغ کر رہا ہے اسے قتل کر دیتے اور جس جماعت کے متعلق انھیں معلوم ہوتا کہ وہ شیعہ ان علیؑ کے مطاببات سے ہمدردی رکھتی ہے اسے کچل ڈالتے۔

ساجد خراسان میں شیعہ ان علیؑ کو سازگار حالات میسر آ گئے اور ایرانی مسلمانوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس دعوت کی حمایت شروع کر دی۔ آخر امویوں کے خلاف بغاوت کا لاوا چھوٹ پڑا۔ شیعہ ان علیؑ اور امویوں کے درمیان مرو اور نہاب

کے دو سو کے پیش آئے جن میں عباسیوں کو (جی کی شیعیا بن علی نے بیعت خلافت کی تھی) فتح نصیب ہوئی۔ امویوں کے جھنڈے زمین بوس ہو گئے اور عباسی خلافت کا پھر برا بڑی شان سے لہرانے لگا۔

عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابو العباس مفلح جو اس نے چن چن کر امویوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس کے نتیجے میں صرف چند خوش قسمت انسان ایسے تھے جو عباسیوں کی نظروں سے بچ کر بھاگ نکلے۔ باقی سب بڑے بڑے گئے۔

عباسیوں نے بڑی شان سے حکومت شروع کی تا آنکہ خلافت یاروں ارشید کے ہاتھوں میں آئی جو عباسیوں کا سب سے مشہور خلیفہ ہوا ہے اور جس کے زمانے کو 'عباسیوں کا عہدِ ترقی' کہا جاتا ہے۔

بارون بن ہندی

بارون الرشید بن محمد المہدی بن عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ
 علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فارس کے ایک شہر سے، میں یکم محرم الحرام ۱۴۹ھ مطابق
 ۵ افروری ۷۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ پرورش عراق میں ہوئی اور ابو العباس سفاح کو چھوڑ کر
 خلافت عباسیہ کے بانی تمام سبقتی عباسی خلفاء کے زیر تربیت رہے۔ نو عمر ہی میں
 اس کی شجاعت، دلیری اور علو سبقتی کو دیکھ کر تمام لوگ اس کا احترام اور اس سے
 محبت کرتے تھے۔ اس نے بچپن ہی سے سیاست اور سلطنت کے آداب سیکھنے
 شروع کر دیئے اور اپنی نوکارت و دیانت کی بدولت بہت جلد سلطنت کے تمام
 امور و امور سے بخوبی واقف ہو گیا۔

بچپن کے زمانے میں بارون اکثر اوقات اپنے دادا خلیفہ منصور کے پاس
 چلا جاتا۔ منصور اس سے سنہی مذاق کی باتیں کرتا۔ اس وقت بارون بہت چھوٹا
 تھا۔ اس لئے اپنے دادا کی اکثر باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں۔ البتہ جس
 چیز کی طرف بارون کی نظر بہت غور سے اٹھتی تھیں وہ منصور کا ہمیش قیمت شاہی لباس
 تھا جسے دیکھ کر اس کے دل میں بے اختیار اس بات کی خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش

اس کے پاس بھی ایسے ہی جٹرک دار کپڑے ہوتے اور وہ انھیں پہن کر خوشی خوشی اپنے دوستوں کے ساتھ کھینچتا اور ان پر حکومت جتاتا

اس وقت کوئی شخص یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہارون کو ضرور ہی خلافت ملے گی۔ کیونکہ ملک کی سیاسی حالت میں ایک اضطراب برپا تھا۔ ولی عہد کا مسد بھی اسی اضطراب کا ایک حصہ تھا۔ اموی عہد میں خلیفہ وقت اپنے بعد جس لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا تھا، ملک کے سربراہ اور وہ رئیسوں، لشکروں کے سپہ سالاروں، سلطنت کے فقیہوں اور عالموں سے اپنی زندگی میں ہی اس کی بیعت لے لیتا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہ تھا کہ جس لڑکے پر خلیفہ کی نظر انتخاب پڑے وہی اس کا جانشین ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ولی عہد کے دوسرے بھائی ازراہ حسد اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور لشکر اور رعایا کے ایک حصے کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے بھائی کے خلاف عظیم بغاوت بلند کر دیتے تھے۔ تاریخ اسلام میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ رشید کی والدہ خیزران بڑی ہوشیار اور عقلمند عورت تھی۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ بڑے کا نام ہادی تھا اور چھوٹے کا ہارون۔ عام قاعدے کے مطابق ولی عہد بڑا لڑکا ہوتا ہے اسی لئے ولی عہد ہادی تھا لیکن خیزران ہادی کے بجائے ہارون کو پسند کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ اس کے خاوند، ہمدی کے بعد خلافت ہارون کو ملے کیونکہ ہارون اپنے بھائی ہادی کی برصہبت اپنی والدہ کا بے حد تابع تھا۔ جس وقت ہارون کا باپ ہمدی خلیفہ ہوا اس وقت ہارون بس سالی کا تھا خلیفہ ہونے پر ہمدی نے اسے سلطنت کے روز و نکات سے آگاہ کرنے اور تعلیم دلانے کے لئے آتا بیوقوف کے سپرد کر دیا۔ ہارون نے اپنی فطری ذکاوت کی وجہ سے اپنے

اتالیقوں کے پورا پورا غائدہ اٹھایا۔ ان اتالیقوں میں سب کے مشہور شخصیت یحییٰ بن خالد برکلی کی ہے۔ اسکی شخص کی بدولت دارون خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر یحییٰ بن خالد اور خاندان براہک کا مختصر ذکر کر دیا جائے۔

← خاندان براہک کا جد اعلیٰ برہک مجوسیوں کا بڑا معترم پیشوا اور شیخ کے مشہور دانش کے ذہین و کامورہ تھا۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آیا وہ اسلام لے آیا تھا یا نہیں جب خراسان میں عباسی خلافت کی تبلیغ شروع ہوئی تو خالد بن برہک (جو اسلام لا چکا تھا) اس کے بہت بڑے داعیوں میں سے تھا۔ یہ شخص نہایت بلند ہمت۔ عالیٰ حوصلہ اور سیاست مکی میں ماہر تھا۔ خلافت عباسیہ قائم ہونے پر جب مجوسیوں کے پہلے خلیفہ ابراہیم بن سفاح نے اپنے وزیر ابوسلمہ حفص بن سلیمان الخلال کو بغاوت اور سازش کے جرم میں قتل کرا دیا تو اس کے بعد خالد کو اپنا دیر مقرر کیا۔ ابراہیم بن سفاح کی وفات تک یہ اپنے عہدے پر قائم رہا۔ سفاح کے بعد جب ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے پہلے تو کچھ مدت تک اسے اس کے پہلے منصب پر ہی قائم رکھا۔ پھر اسے فارس کا والی بنا کر بھیج دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسے فارس کی ولایت سے ہٹا کر موصل کی ولایت سپرد کر دی گئی اور وہ منصور کی وفات تک موصل کا گورنر رہا۔ اس کی وفات مہدی کی خلافت کے اوائل میں، یعنی ۱۶۲ھ میں ہوئی تھی

۱۶۵ھ روز پنجشنبہ مطابق ۲۱ مارچ ۷۸۲ء ہے۔ ابراہیم صفحہ ۶۶ (مترجم)

خالد کا دنیا بھری برکی تھا جو علم، ادب، فضیلت، شرافت اور سخاوت میں
 یکتائے زمانہ گزرا ہے۔ اس کے والد نے اس کی تربیت بہت اچھی طرح کی۔
 دولت عباسیہ کے قیام کے وقت اس کی عمر بارہ سال کی تھی چنانچہ اس نے
 خلافت کے سائے میں پرورش پائی، عرم ۱۵۸ھ یعنی نومبر ۷۷۴ء میں منصور نے
 اسے آذربائیجان کی ولایت کے لئے منتخب کیا۔ آذربائیجان کا علاقہ بہت ہی
 اہم سرحدی علاقہ تھا۔ خلفاء عباسیہ برصغور کی ولایت انہی لوگوں کو سپرد کرتے تھے
 جن پر انھیں پورا پورا بھروسہ ہوتا تھا۔ اس نے وہاں کی ولایت اس خوش اسلوبی
 سے سنبھالی جس طرح اس کے والد نے فارس اور موصل کی سنبھالی تھی منصف
 کی وفات تک وہ آذربائیجان کا والی رہا۔

۱۶۲ھ ۷۷۹ء میں ہمدی نے اسے اپنے بیٹے یارون کا کاتب اور امین
 مقرر کیا۔ وہ اسے سلطنت کے امور سے آگاہ کرتا تھا اور اس کی تعلیم کا بندوبست
 کرتا تھا۔ یارون اسے والد محترم کہہ کر خطاب کرتا تھا کیونکہ یحییٰ کی بیوی ام فضل
 نے یارون کو اپنا دودھ پلایا تھا اور یارون کی والدہ خیزران نے یحییٰ کے لڑکے
 فضل کو اپنا دودھ پلایا تھا یحییٰ نے اپنے شاگرد کی تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ مکہ اسی اعلیٰ
 تربیت کا تجربہ تھا کہ یارون میں وقت نظر و محنت علم اور سلطنت کے امور احسن طریق پر انجام دینے
 کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی جو اس کے بعد کسی خلیفہ میں پیدا نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی۔
 ۷۷۹ء میں ہمدی نے ارادہ کیا کہ وہ خود محافہ جنگ پر جا کر رومیوں سے مقابلہ
 کرے۔ اس نے یارون کو بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ یارون بڑی خوشی سے چلنے لگا

ہو گیا۔ خلیفہ کا ہارون کو اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کا بیٹا مہمات مملکت اور دفاعی امور میں بھی سے ہماری حاصل کرے۔ جب لشکر رومی قلعوں کے قریب بلکہ ایک کے قریب پہنچا تو بعض مجبور یوں کی بنا پر خلیفہ نے خود واپسی کا ارادہ کیا اور اپنے بھلے لشکر کی قیادت ہارون کے سپرد کر دی۔ یہی برکتی کو بھی اس کے ساتھ کر دیا اور کہا کہ "میں تجھے ہارون کے ساتھ اس لئے بھیج رہا ہوں کہ مجھے تم سے زیادہ لائق کوئی آدمی نظر نہیں آتا جو لشکر کا کل انتظام اپنے ہاتھ میں لے سکے۔ چنانچہ ہارون کے مرتبی اور اتالیق ہو اور اپنا فرض اچھی طرح سرانجام دیتے ہو اس لئے میں تمہیں اس کے ساتھ بھیجتا ہوں۔"

ہارون کو جس وقت لشکر کی قیادت سپرد کی گئی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اہم ذمہ داری کا کوئی کام سپرد کیا گیا تھا۔ وہ فوج لے کر آگے بڑھا اور سالو ما کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اڑھیس روز جاری رہا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ قلعہ آسانی سے فتح نہیں ہو سکتا تو اس نے قلعے کے سامنے مخفی قصبہ کر دی اور اہالیان قلعہ پر واضح کر دیا کہ وہ کسی ہمت میں بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ مخفی دیکھ کر قلعے والوں نے مارے خوف کے ہار مان لی اور اس شرط پر ہتھیار ڈال دئے کہ :

(۱) ان کی جان بخشی کر دی جائے گی۔

(۲) انھیں قلعہ جی میں رہنے دیا جائے گا۔

(۳) جلا وطن نہیں کیا جائے گا۔

ہارون نے یہ شرطیں قبول کر لیں۔ جس پر قلعے والوں نے جلا پس و پیش

نوراً اور دماغ کے کھول دئے۔ ہارون الرشید نے بھی اپنے وعدے کو پورا کیا اور
ایلیان تظہ سے بڑی نرمی اور محبت کا سلوک کیا۔

خلیفہ نے جب اس فتح کی خبر سنی تو وہ بے حد خوش ہوا اور اس نے ہارون
کو شمالی افریقہ، آذربائیجان اور آرمینیا کی ولایت سپرد کر دی۔ یحییٰ برکی کو اس نے
ہارون کے ساتھ ہی رہنے کا حکم دیا۔

اس فتح کی خبر بغداد اور فاطمی علاقوں میں پھیل چکی تھی۔ لشکر کی واپسی سے
پہلے ہی امدرود کے علاقوں سے لوگ جوق درجوق بغداد میں لشکر کا استقبال کرنے
اور اپنے عزیزوں سے جو اس لشکر میں شامل تھے ملنے اور انہیں مبارکباد دینے
کے لئے آنے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ شہر میں آگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ جس
وقت لشکر دارا اٹلائے میں داخل ہوا تو بڑی گرم چوشتی سے اس کا استقبال کیا گیا
جب ہارون منظر و منصور ہو کر نہایت شاداں و فرماں مع افواج کے واپس
آیا اور محل میں داخل ہوا تو خیزران نے بڑی محبت اور فرحت و مسرت کے ساتھ
بیٹے کو گلے سے لگایا۔ اس موقع پر سرف ایک چیز تھی جو اس کی خوشی کو کثرت کر رہی
تھی اور وہ یہ خبر تھی کہ حمدی کے بعد خلافت ہادی کو ملے گی، ہارون کو نہیں بیٹے
کی ولی خواہش تھی کہ اس کے خاوند کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا ہارون خلیفہ بنے۔ مگر یہ
خبر سنی کہ اس کی ساری آمد و رفتوں اور امنگوں پر پانی پھر گیا۔

تاہم خیزران ایسی صورت دیتی تھی جو اس فیصلے کے بعد تقدیر پر ہشام کو ذکر خاموش
بیٹھ جاتی۔ جو نہی اس نے یہ خبر سنی فوراً اپنی عقلمندی اور ذکاوت کو عمل میں لا کر ایسی
تواہیر سوچنے میں مصروف ہو گئی جو سے اس کا خاوند ہادی کی ولی حمدی کو منسوخ

کر کے اپنے بعد ہارون کو خلافت کے لئے نامزد کر دئے۔

اس موقع پر اتفاقی حادثات نے بھی خیزران کی مساعی کو تقویت پہنچائی۔
ہوایہ کہ رومیوں نے شکست کھانے کے بعد اپنی قوتیں دوبارہ مجتمع کیں اور
ایڈیب نے کوپک پر حملہ کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر روانہ کر دیا۔ ہارون
ایک لاکھ سپاہ اپنے ہمراہ لے کر رومیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ اس کے
ساتھ خلیفہ کا وزیر 'ربیع' اور سپہ سالار 'یزید بن مزید' بھی تھا۔ اس مرتبہ ہارون
نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وراثی کو اپنی سرحدوں سے رومیوں کی سرزمین میں منتقل کئے
قسطنطنیہ پر حملہ کر دے گا۔ ہارون کو اپنے ارادہ میں بہت حد تک کامیابی ہوئی۔
یزید بن مزید نے رومیوں کے بطریق 'نیستاس' کو شکست دی اور ہارون رومیوں
کے سپہ سالار 'نیکوموس' پر غالب آگیا اور عرب کے شہسواروں نے آگے
بڑھ کر اپنے خیمے قسطنطنیہ کی شہریتاہ کے سامنے نصب کر دیئے۔

اگرچہ عربی فوجیں اس وقت قسطنطنیہ پر قبضہ نہ کر سکیں اور شہر کی فتح سات
سال بعد وقوع میں آئی لیکن ہارون نے رومیوں کی ملکہ ایرینی کو اپنی پیش کردہ
شرائط قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ تین سال کے لئے معاہدہ صلح کھایا اور
تو سے ہزار دینار سالانہ جزیہ منظور ہوا۔ ملکہ ایرینی نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اپنے
علاقے میں اسلامی حکمرانی کو ختم کرے اور آرام و آسائش کے لئے ہر قسم کا انتظام کرے گی
کیونکہ ہارون جس راستے سے اپنی فوج لے کر رومی مملکت میں داخل ہوا تھا وہ
بہت کٹھن اور دشوار گزار تھا اور اس راستے سے گزرنے پر اسلامی لشکر کو بہت
مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اس کا رنڈا مے نے یارون کی شہرت میں چار چاند لگا دیے۔
 جب ہمدی نے اپنے چھوٹے بیٹے کی یہ شجاعت اور عکوفت دیکھی تو اس نے
 ارادہ کیا کہ اپنے پہلے فیصلے کو منسوخ کر کے بجائے یارون کے یارون کو ولی عہد
 مقرر کر دے لیکن موت نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس فیصلے کا اعلان کر
 سکا کیونکہ اس واقعہ کے چار روز بعد ہی وہ دنیا سے چل بسا اور یارون نے خلافت کی
 باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ہادی کی تخت نشینی

خیبر زمان کی خواہش کے خلاف جب ہادی نے بھائے ہارون کے ہادی کو ولی عہد بنایا تو ملکہ خیز زمان کو اس سے سخت رنج پہنچا۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح ہارون کو ایک لمبی مدت کے بعد خلافت نصیب ہوگی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بڑے بھائی کی زندگی میں ہارون کی وفات ہو جائے اور اسے خلیفہ بننے کا موقعہ ہی نہ مل سکے یا ہادی اپنی خلافت کے دوران میں ہارون کو ولی عہد کی سرکشی سے بچانے اور اس کی جگہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کی کوشش کرے۔

ہارون ذاتی طور پر ایسا شخص نہ تھا کہ خلافت کے حصول کے لئے اپنے بھائی کے بالمقابل کھڑا ہوتا۔ وہ بہت نرم دل اور ٹنڈے مزاج کا انسان تھا۔ خیز زمان کو اس کی اس کمزوری کا پتہ تھا اس لیے یہ بھی معلوم تھا کہ ہارون کے عہد خلافت میں اہل اقتدار اسی کے ہاتھ میں رہے گا اور محل کے سیاہ و سفید کی وہی مالک ہوگی اور ہارون کو خلافت کے امور میں اس سے زیادہ دلچسپی نہ ہوگی کہ وہ دشمنوں سے لڑنے کے لئے فوجوں کے انتظام و انصرام میں حصہ لے۔ اس کا زیادہ توجہ اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ گزرا کرے گا اور اس کی بیشتر توجہ اپنی گھریلو زندگی کو پرسترت بنانے پر مرکوز رہے گی۔

خیبر زمان، ہام و نود کی بڑی شائق، شان و شوکت کی بہت دلدادہ،

دعوت و داب کی بے حد خواہش منداور امور سلطنت پر حاوی ہونے کے لئے نہایت
درجہ بلے چہیں تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ صرف اسی کے مددگار و خیر خواہ اور تابع و رگ سلطنت
کے مناصب پر فائز ہوں۔

خیزران کا یہ ساما شانہ پر مگر ام صرف اسی وقت پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا
تھا جب سلطنت کی باگ ڈور اس کے اپنے ہاتھ میں ہو اور وہ جو چاہے کرے
اسے کوئی روکنے والا نہ ہو۔

خیزران کو اس بات کا پتا یقین تھا کہ اگر بارون تخت حکومت پر بیٹھ گیا تو
اس کی ولی مراد برائے گی اور وہ امور سلطنت پر کامل طور سے حاوی رہے گی لیکن
ہادی کے خلیفہ ہونے کی صورت میں اس کی ان بلند خواہشات کا پورا ہونا ممکن
نہ تھا کیونکہ ہادی ارادے کا پتا اور دل کا سخت تھا اور کسی شخص کو بھی خاطر میں نہ
لاتا تھا۔

ادھر خیزران بھی دھن کی پوری، عزم و ارادہ کی پکی اور بڑی عقلمند عورت تھی۔ وہ
برابر ہادی کو ولی حمدی سے ہٹانے اور بارون کو اس کی بجائے ولی حمد بنانے کی
کوششوں میں منہمک تھی خیزران کا خلیفہ حمدی پر بہت زبردست اثر تھا۔ پہلے یہ
اس کی لونڈی تھی لیکن بعد میں اس نے اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تھا۔
اگرچہ حمدی کی اور بھی بیویاں تھیں لیکن جو رابطہ خیزران اور اس کے لڑکوں، ہادی
اور بارون سے تھا وہ دوسری بیویوں اور ان کے بچوں سے نہ تھا۔ ان بیویوں
میں سے کسی کو بھی یہ خیال پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ولی حمدی کے لئے اپنے کسی
لڑکے کے متعلق کوشش کریں۔

مدی کی زندگی میں خیزران حملات شاہی کے سیاہ و سفید کی مانگ اور امیر سلطنت پر پوری طرح حاوی تھے۔ اس کے سامنے خلیفہ چوں بھی نہیں کر سکتا تھا اور اس کے کسی مطالبے کو مسترد کر سکتا تھا۔ خلیفہ کے دل میں اس کی جوتقدرو منزلت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ اس نے اسے دہلی کی نوٹھی غلام بیٹے لیکن اسی دن شام کو وہ کسی بات پر ناراض ہو کر خلیفہ سے کہنے لگی: ”مجھے بتاؤ تو کسی تم نے میرے لئے آج تک کیا کیا ہے؟“

اپنے اس اقتدار اور اثر و رسوخ کو کام میں لاتے ہوئے اس نے ہارون کی ولی عہدی کے لئے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ چنانچہ جب بھی موقع ملتا وہ اپنے خبربر سے ہارون کے کسی حسن خلق اور اس کی جرات و بہادری کی تعریف کرتا کرتا۔ یہی برکتی بھی جو ہارون کا اتالیق تھا اپنی اغراض کے لئے خیزران کی ہارٹیاں ملاتا رہتا تھا۔

آخر خیزران کی مسلسل کوشش اور دباؤ سے متاثر ہو کر خلیفہ نے ہادی کی جگہ ہارون کو ہی ولی عہد بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اس زمانے میں ہادی جو جان میں تھا۔ خلیفہ نے اسے اپنے حضور طلب کیا۔ وہ بھج گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے اس لئے اس نے اپنے والد کے پاس آنے میں جیسے بہانے سے کام لیا اور نہ آیا، مہمور امدی خود اس سے ملنے کے لئے روانہ ہوا لیکن راستے میں ہی اسے پیغام اجل آپہنچا اور وہ چالیس سال کی عمر پا کر اگست ۷۸۵ء (۱۷۹ھ) میں اس دنیائے رخصت ہو گیا۔

ہادی کی اچانک وفات سے خیزران، ہارون اور یحییٰ کے منصوبے خاک

میں مل گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ کیا خلیفہ کی موت کی خبر کو ابھی چھپایا جائے اور ہارون فرج کی مدد سے اپنے بھائی کو خلافت سے الگ کرنے کی کوشش کرے؟ یا ہادی کی بیعت کر لی جائے اور انتظار کیا جائے کہ آئندہ کیا وقوع میں آتا ہے؟

بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد دوسری تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ ہوا اور یہی بات درست بھی تھی کیونکہ اگر پہلی رائے پر عمل کیا جاتا تو ملک میں بہت خونریزی ہوتی اور نہ معلوم اونٹ کس کرہٹ بیٹھتا۔ چنانچہ ہارون نے اپنے بھائی کو بذریعہ خط اپنے والد کی وفات کی خبر دی اور لکھا کہ "فوراً دارالخلافت میں تشریف لے آئیے تاکہ آپ کی بیعت کی جائے۔"

جب بغداد میں خلیفہ کی وفات کی خبر شہور ہوئی تو وہاں نقشے کے آثار نمودار ہونے شروع ہوئے خیزران کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ فتنہ بالآخر ہارون کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے اس لئے اسے دبانے کے بجائے اور بحرکمانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن محمد بن خالد کی دوسرے نگاہوں نے تاثر دیا کہ نئے خلیفہ کے دارالخلافت پہنچنے سے پہلے یہاں فتنہ اور اضطراب پھیل جائے گا اور اس کے حق میں بھائی مفید ہونے کے مضر ثابت ہو گا۔ اس لئے اس نے فتنے کو دبانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ فرج کو دوماہ کی غزا پیشگی ادا کر دی اور اس طرح فرج کو قابو میں لاکر شہر میں امن قائم کرا دیا اور فتنے کی چنگاریاں دبا دیں۔ یعنی کاہر خیال تھا کہ یہ بات ہرگز مناسب نہ ہوگی کہ ہادی دارالخلافت میں اس حالت میں داخل ہو کہ یہاں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے ہوں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو وہ فوراً ہارون کی طرف

سے کشک جائے گا اور لازماً یہ خیال کرے گا کہ میرے خلاف یہ نکتہ دُعا و ہارون نے کھڑا کیا ہے۔ اس لئے وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑے گا۔

یہ سوچ کر یحییٰ نے حاکم خیزران کو مشورہ دیا کہ یہ وقت بہت نازک ہے۔ اس موقع پر نرماسی بے نتیجہ بہت خراب ہو سکتا ہے۔ اس حالت میں ہارون کو برسرِ اقتدار لانے اور مسندِ خلافت پر بیٹھانے کے لئے بہت سوچ بچار اور آہستہ آہستہ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

خیزران کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی اور اُس نے دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ہارون کی خلافت کے لئے کسی دوسرے مناسب موقع کا انتظار شروع کر دیا۔

ہادی بن ہدی

ملکہ خیزران کو ایک نئے انقلاب سے دوچار ہونا پڑا تھا اور اسے اپنی تمام آرزوئیں خاک میں مٹی نظر آرہی تھیں۔ تاہم اس نے اپنی پہلی زندگی کے ان طور طریقوں میں، جو اس کے شوہر ہدی کے زمانے میں تھے، کسی قسم کی تبدیلی نہ کی۔ اب بھی اس کا محل عامۃ الناس، اوبار، شعراء، اراکین سلطنت اور حاجت مندوں سے بھرا رہتا تھا۔ اس کی سالانہ آمدنی کا کچھ شمار نہ تھا۔ بعض مؤرخین نے اس کا اندازہ سولہ کروڑ درہم سالانہ لگایا ہے۔ اپنی اس آمدنی کا ایک کثیر حصہ اپنے شاہانہ ضروریات پر خرچ کرتی تھی۔ دولت کی بہت بڑی مقدار لوگوں کو انعام و اکرام دینے میں صرف کرتی تھی اور بہت بڑی رقم آئندہ پیش آئے رہنے متوقع اور غیر متوقع حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے پس انداز بھی کرتی تھی۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خیزران جہاد و حشم اور شان و شوکت کی بے حد دلاؤ تھی۔ وہ اپنی کثیر آمدنی کو اپنے اس شوق کے پورا کرنے کے لئے بے دریغ خرچ کرتی تھی۔ اس کا محل خوبصورتی اور وسعت میں خلیفہ کے محل سے کہیں بڑھ چلا کر تھا جس تعداد لوگ اس کے پاس اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو لے کر آتے تھے۔ اتنے خلیفہ کے پاس بھی نہ آتے تھے۔ وہ اپنے محل کے سب سے بڑے کمرے میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ جلوس افروز ہوتی تھی۔ اس کے ارد گرد ہنواشم

کی معزز ترین عورتیں پیش ہوتی تھیں اور مختلف دُعاؤں، نیز سلطنت کے سرکردہ اراکین
امراء اور لشکروں کے سپہ سالار اس کے پاس روزانہ آتے رہتے تھے۔

یہ سب کچھ وہ محلات شاہی میں اپنا رعب و داب قائم رکھنے اور اراکین سلطنت
کو اپنی منشی میں کرنے کے لئے کرتی تھی۔ یہ چاہتی تھی کہ حکومت کے جملہ اراکین اس
کے اپنے خاص آدمیوں میں سے ہوں تاکہ اگر کوئی ناگہانی حادثہ پیش آئے تو اسے
ان لوگوں کی مکمل حمایت حاصل ہو اور وہ اس کی اغراض اور اس کی سیاست کو
بروز تے کار لانے میں اس کے مددگار ثابت ہوں۔

کچھ عرصے بعد عامۃً اس میں بھی ملکہ کے اغراض و مقاصد اور سلطنت
کے کاموں میں اس کی مداخلت کا چرچا عام ہونے لگا۔ ایک شاعر نے تو اسے
مخاطب کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا:

”خیز مان! اب بس کرو اور اپنے بیٹے کو حکومت کرنے دو۔“

لیکن اس نے لوگوں کے کہنے سننے کی قطعاً پروا نہ کی اور بالکل بے خوف
اور نڈر ہو کر اپنی سیاست کا تانا بانہ بننے میں مصروف رہی۔

خیز مان ہمدی پر حکومت کر چکی تھی۔ وہ اس بات کو کس طرح برداشت کرتی
تھی کہ ایک پچیس سالہ نوجوان اس کی حکم عدولی کرے اور اس کے اثر سے آناؤ
ہو کر اپنی من مانی کاروائیاں کرے۔ مادی بھی اس وقت اتنا لاجوار تھا کہ اپنی والدہ
کے کہنے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ وہ اس انتظار میں تھا کہ کب کوئی
مناسب موقع ملے اور وہ اپنی والدہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرے۔ لیکن اسے
کبھی ایسا موقع میسر نہ آیا اور یہ ارادہ اس کے دل ہی میں رہا۔

ہارون کے خصائل اپنی والدہ کے بالکل الٹ تھے۔ اس کا تمام کام اُس کا اتالیق بچی برکی اپنے مخصوص زاویہ نگاہ کے ماتحت سرانجام دیتا تھا۔ وہ برابر ہارون کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی تاکید کرتا رہتا تھا۔ اسی زمانے میں ایک بخوی نے خبر دی تھی کہ ہادی کا داماد خلافت بہت قلیل ہوگا۔ اس بنا پر وہ ہارون سے کہا کرتا تھا کہ میں جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اُس نے ہارون کو صلاح دی کہ وہ اس عرصے میں اپنی نجی زندگی کو خوشگوار بنائے۔ اکثر سیر و تفریح اور شکار کے لئے جنگل میں نکل جایا کرے۔ ولی عہد کو عیش و عشرت کے جو مواقع میسر ہوتے ہیں۔ ان سے پورا فائدہ اٹھائے۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے جس کا انتظار مدت سے ہو رہا ہے۔ اُس نے ہارون پر اچھی طرح یہ بات واضح کر دی تھی کہ حسن سیاست کا تھا ضایہ ہے کہ خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کے دلوں پر یہ اثر ڈالاجائے کہ ہارون کو خلافت کی کوئی آرزو اور تمنا نہیں ہے بلکہ وہ اپنا سارا وقت مسرت و عیش، سیر و تفریح اور شکار میں گزارتا ہے۔

ہادی کو بھی بخوی کی پیشگوئی سے اپنے متعلق انتخابی ٹکڑا تھا جتنا اس کے بھائی اور بھائی کے اتالیق کو تھا۔ اسے ہارون پر کامل بھروسہ نہ تھا۔ اگر وہ اس سے کہا کرتا تھا:

”تم بخوی کی باتوں پر بہت سوچ بچار کرتے رہتے ہو فوراً اپنے بھائی کا خیال بھی

دیکھو۔“

ہارون یہ سُن کر سہنس پڑتا اور مٹی مٹی باتیں بنا کر اپنے بھائی کو اپنے اختلافات و دل قتل کا یقین دلاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہادی کچھ عرصے کے بعد اپنے بھائی کی

میٹھی میٹھی باتوں کو دلپسے سے سننے لگا اور اس سے اس رنج و فکر کا بار دور ہو گیا جو خلافت کے متعلق وقتاً فوقتاً اس پر مسلط رہتا تھا۔ چنانچہ وہ مطمئن ہو کر پھر سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ زمانوں میں بادشاہوں کو پُر لطف اور خوشگوار زندگی بھی بھی میسر نہیں آتی تھی۔ ہر بادشاہ کو اپنی جان کا خوف و امن گیر رہتا تھا اور اسے اپنے قریب ترین اعزاء و ملک کا بھروسہ نہیں رہتا تھا۔ بادشاہ اپنی جان سے بے خوف ہو بھی کس طرح سکتے تھے۔ ان کے اسلاف میں سے بعض کو خنجر سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ بعض کو زہر ملا کر ختم کر دیا گیا تھا اور بعض کو کلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا تھا۔ اس لئے ان بادشاہوں کے شب و روز کے اکثر حصے اسی فکر و اندیشے میں گزر جاتے تھے کہ وہ اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کریں؟ اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کو امن و چین کی حکومت کس طرح نصیب ہو؟ چنانچہ خلیفہ ہادی کے اختیار میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو ان تفکرات سے آزاد رکھ سکتا۔ ہادی کا ایک چھوٹا سا لڑکا، جعفر تھا۔ خلافت کے حصول کے بعد ہادی کے دل میں اکثر یہ خیال گزرتا تھا کہ کیوں نہ اس کے بعد اس کا بیٹا خلیفہ بنے؟ اور کیوں نہ وہ اپنے بھائی یاروں کو اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہونے پر مجبور کرے؟

خلیفہ کے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ وہ شاہی خاندان کے افراد، امراء سلطنت اور قوم کے سربراہ اور وہ لوگوں کو اپنی رائے کا ہم زمانہ بنا سکے لیکن سیاسی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ کئی برکی کو بھی جعفر کی ولی عہدی کے لئے راضی

کیا جانے کیونکہ کبھی برکی حکومت کا بہت بڑا ستون تھا اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام صحیح طور پر انجام نہیں پاسکتا تھا۔

مترضین ذکر کرتے ہیں کہ جب ہادی کے دل میں اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانے اور ہارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا خیال پیدا ہوا تو کئی سپہ سالاروں اور شاہی خاندان کے افراد نے ہادی کے خیال کی حمایت کرنی شروع کر دی اور ہارون سے بر ملا نفرت کا اظہار کرنے لگے۔

بالآخر ہادی نے یہ حکم دیا کہ آئندہ ہارون کے آگے کوئی نیزہ بردار نیزہ بے گنہ چلے (نیزہ ولی عہدی کا نشان تھا) ایک دن ہارون اور جعفر بن ہادی گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک پل سے گزرنے لگے۔ پولیس کا ایک افسر ابرہہؓ ہارون کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا :

”وہرا غمتر جانیئے۔ ولی عہد کو گزر جانے دیجئے۔“

ہارون نے جواب میں کہا :

”بہت بہتر، مجھ سے غلطی ہوئی۔“

چنانچہ وہ غمتر گیا اور جب تک اس کا ہتھیار پل پر سے نہ گود گیا وہ وہیں کھڑا

رہا۔

ان باتوں کو دیکھ کر لوگ ہارون سے اجتناب کرنے لگے۔ کوئی شخص اسے

سلام کرنے یا اس کا قرب حاصل کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ صرف ایک یحییٰ بن خالد

تھا جو ہر وقت ہارون کی خیر خواہی میں لگا رہتا تھا، اور کبھی بھی اس سے جدا نہ ہوتا

تھا۔ بعض لوگوں نے ہادی سے شکایت کی کہ ہارون خود تو ولی عہدی سے دستبردار

پر آمادہ ہے لیکن بھئی اُسے اس امانت سے باز رکھ رہا ہے اور یہ کہہ کر جب
 ہمدی نے اُسے ایک حق دیا ہے تو پھر وہ کیوں اپنے حق سے دست بردار ہو۔
 اُسے آپ کے خلاف بھڑکار رہا ہے۔

واقعہ بھی یہی تھا کہ ہارون دست برداری پر آمادہ تھا لیکن بھئی اُسے ایسا
 کرنے سے روک رہا تھا۔ ہارون نے بھئی سے کہا تھا کہ میں سلطنت کے کھیروں
 اور جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں اپنے چچا کی بیٹی
 (ذبیہ) کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کروں لیکن بھئی نے اُسے گھجایا کہ تمہیں
 کیا پتہ ہے کہ ولی ہمدی سے دست برداری کے بعد لوگ تمہیں تمہاری مرضی اور
 خوشی کے مطابق زندگی بسر کرنے دیں بھی یا نہ دیں۔

جب ہادی کے پاس بھئی کی شکایتیں پہنچیں تو اُس نے اسے اپنے حضور
 میں طلب کیا اور کہنے لگا:

”تم میرے بھائی کے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہو اور اسے میرے
 خلاف کیوں بھڑکار رہے ہو؟“

بھئی نے جواب دیا: ”امیر المؤمنین! میں کون ہوں جو آپ دونوں کے معاملات
 میں دخل دوں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ آپ کے والد محترم نے مجھے ہارون
 کے ساتھ رہنے اور اس کے حقوق کی حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ میں نے
 ان کے حکم کے مطابق اپنے فرائض ادا کئے۔ آپ کے والد محترم کے بعد آپ
 نے بھی یہی کام میرے سپرد کیا۔ میں تو آپ کے احکامات بجالاتا ہوں اور جو کلام
 میرے سپرد ہے۔ اس کے متعلق کوشش کرتا ہوں کہ وہ احسن طور پر انجام پائے۔“

ہادی سے بھیجی کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور وہ خاموش ہو گیا۔
اب بھیجی کو موقع مل گیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں ہادی سے دفعتاً فوقاً گفتگو
کر سکے چنانچہ ایک دن اُس نے موقع پا کر پھر اس ذکر کو چھیڑا اور کہنے لگا،
"امیر المومنین! جعفر کو ولی عہد بنانا اتنا آسان نہیں جتنا آپ سمجھتے ہیں۔
آپ یہ سوچئے کہ کیا لوگ جعفر کی خلافت کو قبول بھی کر لیں گے وہ تو ابھی بالغ بھی
نہیں ہوا۔ لوگ کس طرح اُس کی قیادت میں جہاد کرنے پر راضی ہوں گے؟"
ہادی نے کہا، "واقعی یہ باتیں تو قابلِ غور ہیں؟"
بھیجی نے پھر کہا،

"امیر المومنین! اگر آپ نے ہارون کی جگہ جعفر کو ولی عہد بنا بھی دیا تو اس کا
نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر خدا نخواستہ جعفر کی مہولیت ہی میں آپ کا اختلاف ہو گیا تو اس کی
کم سنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگ اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے تخت
سے اتار دیں گے اور اپنے حسبِ فتنہ کسی اور کو خلیفہ بنا لیں گے۔ اس طرح
آپ کے خاندان کے ہاتھوں سے خلافت نکل جائے گی۔"

ہادی نے کہا، "میرا ان باتوں کی طرف پہلے کبھی وجہان نہیں گیا تھا اس
وقت تم نے مجھ پریش آمدہ خطرات سے متنبہ کیا ہے۔" گفتگو جاری رکھتے ہوئے
بھیجی نے کہا،

"جعفر ابھی کم سن ہے اور خلافت کے کسی طرح بھی قابل نہیں۔ اگر ہارون
ولی عہد نہ بھی ہوتا تب بھی آپ کو یہ نہیں چاہئے تھا کہ جعفر کو ولی عہد ہی سوچ دیتے
چہ جائیکہ اصل حق دار کے ہوتے ہوئے جسے آپ کے والد محترم نے مقرر فرمایا

تھا۔ آپ جعفر کو ولی عہد بنا رہے ہیں۔ امیر المومنین! آپ ابھی اس معاملے کو اسی طرح رہنمائی دیں۔ جب خدا تعالیٰ کے فضل سے جعفر بالغ ہوگا اور خلافت کا کام سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا۔ تب میں ہارون کو خود اس کے پاس لاؤں گا اور میں ذمہ لیتا ہوں کہ اس وقت ہارون خلافت سے دست بردار ہو جائے گا اور وہ سب سے پہلا شخص ہوگا جو جعفر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔

ہادی نے یحییٰ کے قول و قرار کو قبول کر لیا اور اسے رخصت کی اجازت دے دی۔

ہادی کو جعفر کی ولی عہدی کے مسئلے میں یحییٰ کی رائے کی صحت کا یقین ہو گیا تھا اور اس نے وعدہ کر لیا تھا کہ ہارون کو ولی عہدی سے دست بردار نہیں کئے گا۔ لیکن اس کے مشیروں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہ اسے برابر اس بات پر گتہ رہے کہ ہارون کو دست بردار ہونے پر مجبور کیا جائے۔ آخر لوگوں کے انگ نے اسے وہ اپنی بات پر قائم نہ رہا اور ہارون پر پھر دباؤ ڈالنے لگا کہ وہ جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہو جائے۔

یہ صورت حال دیکھ کر یحییٰ نے ہارون کو مشورہ دیا کہ وہ ہادی سے شکار کی اجازت لے کر کسی دور دراز مقام پر چلا جائے اور وہاں دن گزارے۔

ہارون نے یہ بات مان لی اور ہادی سے شکار کی اجازت طلب کی۔ ہادی نے اجازت دے دی اور کہہ دیا کہ چند روز تک ضرور واپس آجانا۔ ہارون محل سے نکلا اور قصر متاعی چلا گیا۔ وہاں وہ چالیس روز تک مقیم رہا۔ ہادی کو یہ بات بہت شاق گذری اور اسے ہارون کی اتنی لمبی غیر حاضری کی وجہ سے بہت تروڑ بخنے لگا۔

اُس نے اُسے بار بار واپس آنے کے لئے کھامیکن وہ برابر چلے بہانوں سے کام
لیتا رہا۔ اب حامدوں کی بن آئی اور انہوں نے ہادی کو بھر پکا ناشروع کیا کہ ہارون
کا اتنے دور دراز مقام پر جانا بھی اُس کی ایک چال ہے تاکہ وہ وہاں میچہ کاپ
کے خلاف بغاوت کی تیاری کر سکے۔

← خلیفہ کے دربار میں فضل بن یحییٰ موجود تھا جو یحییٰ اور ہارون کی قائم مقامی
کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ اپنے والد کو خفیہ خفیہ حد بار کے سلسلے سے حالات
باقاعدہ اور مسلسل بکھتا رہتا تھا۔

ان شکائتوں پر زبر مہذول کرتے ہوئے ہادی نے یحییٰ کو دوبارہ دربار میں
طلب کیا۔ اس دفعہ اُس نے یحییٰ کو اپنے ڈھب پر لٹنے کے لئے دوسرا طریقہ
استعمال کیا۔ اس بار اس سے بوٹ و تختیں کرنے کے بجائے اسے یہ لالچ دیا گیا
کہ اگر وہ ہارون کو اس کے بیٹے جعفر کے حق میں دست بردار ہونے پر رضامند
کرے تو وہ اسے کثیر افعام و اکرام سے نوازے گا۔ لیکن یحییٰ ہادی کی باتوں میں
نہ آیا اور صاف صاف کہہ دیا:

”امیر المؤمنین! اگر آپ نے اپنا حمد توڑ دیا تو لوگ کیسے کہ جب خلیفہ
کو بھی اپنا حمد توڑ دینے اور قول و قدر سے پھر جانے کی جرأت ہو سکتی ہے تو ہم کس
شمار و قطار میں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگوں کے نزدیک حمد و پیمان کی کوئی وقعت
باقی نہیں رہے گی۔ البتہ اگر آپ ایسا کرنے کے بجائے یہ کریں کہ ہارون کو ولی عہد
پر برقرار رکھنے کے ساتھ ہارون کے بعد جعفر کی تخت نشینی کا اعلان فرمادیں تو یہ بات
ہارون سے زیادہ جعفر کی تخت نشینی کے لئے مضبوط ضمانت ہو جائے گی۔“

جب سہیلی کو گھجھانے تجھانے کے تمام طریقے ناکام ہو گئے تو ہادی کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اُس نے پختہ امدادہ کر لیا کہ اب وہ ہادی کو اس کے مددگاروں کو سخت سزا نہیں دینے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔

اسی دوران میں ایک دن اُس کی والدہ خیزران اُس کے پاس آئی اور اُس کے اپنے ایک خاص آدمی کو بڑے غضب پر خائز کرنے کی سفارش کی سہادی پہلے ہی جلا بھٹا بیٹھا تھا اُسے معلوم تھا کہ اُس کی والدہ اس سے زیادہ ہادی سے محبت کرتی ہے اور ہادی کو اُس پر ترجیح دیتی ہے اس لئے اُس نے اپنی والدہ کو بہت برا بھلا کہا اور مجلس میں جو راز اور فوج کے سردار بیٹھے تھے انہیں حکم دے دیا کہ آئندہ ان میں سے کوئی شخص اپنی کوئی غرض سے کہہ کر اُس کے پاس نہ جائے۔ خیزران اپنی رہے عزائی کس طرح برداشت کر سکتی تھی۔ اسے شدید غصہ آیا اور اسی حالت غیض و غضب میں اپنے محل میں لوٹ آئی۔ واپس آکر اُس نے اپنی بعض کینزوں کو حکم دیا کہ وہ رات کو ہادی کے محل میں چلی جائیں اور جب وہ سو جائے تو نکلیں اُس کے منہ پر رکھ کر اس پر میٹھ جائیں یہاں تک کہ اس کا دم نکل جائے چنانچہ کینزوں نے ایسا ہی کیا اور غلیظہ کو مار ڈالا۔

بعض متروغین یہ سمجھتے ہیں کہ ہادی نے یحییٰ بن خالد کو قید کر دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ اسے اگلے دن صبح کو قتل کر دیا جائے۔ جب خیزران کو اس کا پتہ چلا تو اُس نے ہادی کو مروانے کے لئے مندرجہ بالا تدبیر اختیار کی۔

بعض متروغین کا خیال ہے کہ ہادی کو نہ ہر دے کر مروایا گیا تھا۔ اس کے

شہرت میں وہ ایک خط پیش کرتے ہیں جو خیزدان نے یحییٰ کو لکھا اور اس میں اسے بتایا تھا کہ 'وہ شخص بیمار ہے اس کا آخری وقت آپہنچا ہے اور اب وہ ضرور مر جائے گا اس لئے مناسب تیاری کرو۔'

ادھر یحییٰ نے ہارون کی خلافت کے اعلان کے لئے پوری تیاری کر لی تھی اور ہارون کی طرف سے تمام عمال کے نام ہادی کی وفات کے خطوط بھی تیار کر لئے تھے۔ چنانچہ جب ہادی مر گیا تو اس نے فوراً تمام عمال کو یہ خطوط بھجوا دیئے۔

ہادی کی وفات رات کے وقت شہر عیسٰی آباد میں ہوئی تھی۔ جس میں اس وقت جب ہارون الرشید نے خلافت کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا تو گوں نے اسے آکر خبر دی کہ اس کے ہاں لڑکا (ہارون الرشید) پیدا ہوا ہے۔ یہ رات بھی عجیب رات تھی اس میں ایک خلیفہ کا انتقال ہوا۔ دوسرا خلیفہ تخت پر بیٹھا اور تیسرا خلیفہ پیدا ہوا۔

مصنف جو اجماع الحکایات نے ہادی کے انتقال کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ ایک روز رات کے وقت فوج کے سپہ سالار ہرثمہ بن اعین کو ہادی نے محل میں بلا کر حکم دیا کہ 'ابھی جا کر میرے بھائی ہارون کو قتل کر ڈالو۔ اس کے بعد جلی خانے میں تجھے آل ابو طالب قید میں ہیں سب کو دیر لے دے جلد میں غرق کر دو۔ پھر فوج کے کمرہ دار کو کوٹنے کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔'

تباہی اور قتل و غارت کا یہ عجیب حکم دینے کے بعد ہادی محل میں چلا گیا اور ہر شے گھر اگلا اُس کی کچھ میں کچھ ڈالتا تھا کہ کیا کرے یہ اسی پریشانی میں اُٹھ گیا۔

ابھی قصہ ڈیویر سوا تھا کہ ایک شاہی غلام نے آکر جگایا اور کہا: "اُٹھیے! محل میں آپ کی طلبی ہوئی ہے۔" وہ سمجھا کہ مجھے خلیفہ نے قتل کے لئے بلایا ہے کہ اب تک تعیل حکم کیوں نہیں کی؟ اُفتان و خیزان محل میں پہنچا۔ خیزان نے فوراً اندر بلایا اور کہا: "ہر شے! ہادی نے ابھی ابھی انتقال کیا، یہ اس کی لاش بڑی ہے۔" اب تھوڑی برکی کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ ہارون کی بیعت کا فوراً اختتام کرے۔"

ہر شے ہادی کی لاش دیکھ کر حیران ہو گیا اور اُس نے خیزان سے واسطہ پوچھا۔ خیزان کہنے لگی کہ: "جب تجھے ہارون کے قتل۔ آل ابوطالب کی تباہی اور کوفے کی ساری کا حکم دے کر ہادی محل میں آیا تو میں نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑ کر ہارون کی جان بخشی کی درخواست کی۔ میں نے اپنا سر اُس کے قدموں میں رکھ دیا اور اُسے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر رحم کی التجا کی۔ مگر ہادی نے بڑی سختی سے جواب دیا اور کہا کہ اگر تم بولیں تو ابھی تھوڑی گرون تلوار سے اُٹا دوں گا۔ اس پر میں خاموش ہو کر بڑے درد سے ہادی کے حق میں بددعا کرنے لگی۔ اتنے میں ہادی سو گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اُسے نہایت شدید کھانسی مٹی اور گلے میں پھیند پڑ گیا۔ میں نے جلدی سے ایک کٹورے میں اُسے پینے کے لئے پانی دیا۔ لیکن وہ پانی جی اس کے گلے میں اٹک کر رہ گیا اور صلیق سے نیچے نہ اُترا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر اُس نے جان دے دی۔"

”جوامع الحکایات و لوامع الروایات مؤلفہ محمد بن محمد حنفی صفحہ ۳۲۵۔“

→ این مختلف بیانات کی مروجہ دہلی میں یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ ہادی کی موت کس طرح واقع ہوئی ؟ اور دراصل اس کا فساد اور کون ہے ؟ قرین قیاس یہی ہے کہ خود قدرت کی طرف سے ہادی کو اس کے ظلم کی یہ ذریعہ سزا ملی۔ بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہادی کے گلے میں مدت سے ایک زخم تھا جو پھٹ گیا اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔ (مترجم)

ہارون کی تخت نشینی

ایک عرصے کی چھپش اور جوڑ توڑ کے بعد خیزران اور یحییٰ بن خالد کی کوششیں بار آور ہوئیں اور ہارون تخت خلافت پر چٹکن ہو گیا۔ خلافت منجھلنے کے وقت ہارون کی عمر چالیس سال کی تھی۔ ہادی کی وفات پر ہارون بغداد سے باہر تھا۔ اگلے دن صبح کو وہ باقاعدہ مجلس کی صورت میں شہر میں داخل ہوا۔ فوج کا ایک پرہیزگار دستہ اس کے ہمراہ تھا۔ شہر سے بھی ایک دستہ اس کی پیشوائی کے لئے باہر نکلا۔ جمعہ کا روز تھا اور نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مصنافات سے بھی ہزاروں لوگ بغداد میں آئے ہوئے تھے۔ شہر کی ان سڑکوں پر جہاں سے ہارون کو گزرنا تھا دور دریا، لوگوں کے ٹٹ کے ٹٹ لگے ہوئے تھے اور بڑے شوق سے اپنے نئے خلیفہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

سب سے پہلے فوج کا ایک دستہ سیاہ کپڑوں میں لباس نمودار ہوا۔ وہ ہارون کے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے سواروں کا ایک دستہ تھوڑی سی فاصلے پر گزر رہا تھا۔ سیاہی شہزادے اور امراء کے بعد ہارون کے لئے ایک کھوڑوں پر سوار گھوڑے۔ سیاہی شہزادوں اور امراء کے بعد ہارون کے لئے ایک کھوڑوں پر سوار گھوڑے۔ سیاہی شہزادوں اور امراء کے بعد ہارون کے لئے ایک کھوڑوں پر سوار گھوڑے۔ سیاہی شہزادوں اور امراء کے بعد ہارون کے لئے ایک کھوڑوں پر سوار گھوڑے۔

دیتا ہوا جا رہا تھا۔

ملکہ خیز زانی اپنے محل کے ایک حجرہ کے میں مٹی مٹی اور اپنے تخت جگر کے اس شان دار استقبال کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو رواں تھے اور وہ عالم خیال میں گزشتہ ایام پر نظر دوڑا رہی تھی۔ جب ہارون کی ولی حمدی کے زلمے میں اس کے آگے چند غلاموں کے علاوہ کوئی نہیں چلتا تھا اور بعد میں یہ اعزاز بھی اس سے چھین لیا گیا تھا۔ لیکن آج اس کی آنکھوں کو کھنکھایا ایک دنیا ہارون کے جلو میں چل رہی تھی۔ اس کے آگے اور پیچھے مسخ سواروں کے دستے تھے۔ بہر طرف سے لوگ اسے دیکھنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے اور فریج کے سپاہی بڑی مشکل سے اس کے لئے راستہ صاف کر رہے تھے۔

یہ سبوس چلتا چلتا اچانک دریائے دجلہ کے نزدیک ٹھہر گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ہارون بڑے خور سے دریا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آج ہارون اس دن کو یاد کر رہا تھا۔ جب اسے عبوراً اس دریا میں ولی حمدی کی انگوٹھی جو اسے اس کے والد حمدی نے پہنائی تھی پھینکی تھی۔ کیونکہ جب اس کے بھائی ہادی نے اس پر زور دیا شروع کیا کہ وہ اس کے بیٹے جعفر کے حق میں ولی حمدی سے درست ہمدرد ہو جائے۔

تو ہارون نے اپنی خیرامی میں گہبی مٹی کر وہ اپنی انگوٹھی دریا میں پھینک دے اور اس طرح اس بات کا اعلان کر دے کہ وہ جعفر کے حق میں ولی حمدی سے دستبردار ہو گیا ہے۔ لیکن کج خلافت ہارون الرشید کے ہاتھ میں آپکی مٹی کسی قسم کا ظلم و ستم اس کے حق سے محروم نہ کر سکا اور کسی قسم کی جبر و تعدی خدائی تدبیر کو نافذ ہونے سے نہ روک سکی۔

کچھ دیر کے سکوت کے بعد اُس نے پولیس کے امبراہیل کو حکم دیا کہ اس کی انگوٹھی دریا سے نکالی جائے۔ حکم کی ویرغی کو ایک سوخا دم اور غلام دریا میں کود پڑے اور انگوٹھی کی تلاش شروع ہو گئی۔ کچھ ہی دیر میں امبراہیل کی صدا بلند ہوئی۔ ایک شخص کو انگوٹھی مل گئی تھی۔ وہ پانی کی سطح پر نمودار ہوا اور اس کے چہرے سے خوشی و انبساط کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ شاہی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

دارون نے انگوٹھی لی۔ اس شخص کو انعام دیا اور انگوٹھی انگلی میں پہن لی۔ پولیس پھر روانہ ہو گیا۔

تصبر شاہی پہنچ کر جلوس کا خاتمہ ہوا۔ دارون گھوڑے پر سے اُترا اور محل میں داخل ہو گیا۔ باقی کا تمام دن امرا و اوجیان کی جمعیت اور نذرانے گزارنے میں گزر گیا۔

چونکہ اُشدہ صفحات میں دارون کے عہدِ خلافت کے حالات بیان ہوئے گئے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگِ خلافتِ عباسیہ پر مختصر سا تبصرہ بھی کر دیا جائے۔

خلافتِ عباسیہ اور خلافتِ راشدہ میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ خلافتِ راشدہ میں جہاں خلیفہ ملکی امور کی نگہداشت کرتا تھا وہاں دینی لحاظ سے بھی وہ مسلمانوں کا رہبر اور رہنما ہوتا تھا۔ اُس زمانے میں خلیفہ احکامِ خداوندی اور شریعتِ اسلامی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ خلافت کے تمام امور ریاست کے تابع ہونے کے بجائے دینِ اسلام کے تابع ہوتے تھے اور اسلامی احکام سے سرمور و گودانی کا خیال خلیفہ کو خواب میں بھی نہ آ سکتا تھا۔

جہاں تک امری خلافت کا تعلق ہے۔ اگرچہ وہ خلافت راشدہ کے ہم قدر کسی صورت میں نہیں تھی۔ تاہم امری خلفاء میں سادگی اور جمہوریت کی روح ایک حد تک ضرور موجود تھی۔ خلافت عباسیہ کا حال سابقہ دونوں خلافتوں کے بالکل اُلت تھا۔ یہاں خلیفہ نہایت شان و شوکت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ اپنے کاموں میں مختار نہ تھا جتنا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا کرتا اور جس امر کا چاہتا حکم دیتا تھا۔ کوئی شخص اُسے روک سکتا تھا نہ اُسے اُس کی غلطیوں کا ٹوک سکتا تھا۔

پہلے خلفاء اہم ملکی امور میں اپنے خاص مشیروں اور ملک کے نامور مدبروں سے مشورہ و مشورہ لیتے تھے اور اس وقت تک کسی تجویز پر عمل نہ کرتے تھے جب تک وہ مشورہ باہمی بحث و مباحثہ اور معاملات کے ہر پہلو سے جائزہ لینے کے بعد زیر بحث معاملے کے حق و قبح سے پوری طرح واقف نہ ہو جاتے تھے مگر دولت عباسیہ کا یہ حال نہ تھا۔ اس کے خلیفے ملکی معاملات میں اپنے مشیروں سے بہت کم رائے لیتے تھے۔ اور صرف شدید مشکلات کے وقت ہی ملکی مسائل کو حل کرنے کے لئے مدبروں سے مشورے طلب کرتے تھے۔

اس مطلق العنانی کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء عباسیہ نے ایرانی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر وہی غلط طریقے اختیار کئے تھے جو تہذیب ایرانی حکومت کا طرہ امتیاز تھے۔ اس طرح خلافت ایک نئے رنگ میں رنگی گئی جو مطلق العنان شہنشاہیت کے بہت زیادہ قریب تھی اور خلفاء عباسیہ استبداد میں شاہان کسریٰ اور ہندوستان اور چین کے حکمرانوں کے کسی طرح مختلف نہ تھے۔

برائے

اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں ہارون الرشید کو امور خلافت سے چند اہل تعلق نہ تھا۔ خلافت کے کاموں پر پیش و آگام کی زندگی کو ترجیح دیتا تھا جس میں نہ اسے تفکرات کی دنیا سے گڑنا پڑے اور نہ محنت و مشقت سے اسے کوئی واسطہ ہو۔ کبھی اہل کی اور ملکہ خیزان کو ہارون کی اس ذہنیت کا پتہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک ہارون تخت خلافت پر چمکن ہے۔ وہ ان کی راہ میں روک نہایت نہیں کرے گا اور وہ دونوں سلطنت کے کاروبار کو اپنی مرضی سے حل چاہیں گے چلائیں گے۔

جس وقت ہارون نے خلافت سنبھالی۔ اس وقت وہ چوبیس سال ہنوش رو فوجان تھا۔ اس کی والدہ اس پر پوری طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس بات کا ثبوت اسی بات سے مل جاتا ہے کہ جب تک وہ زندہ رہی فضل بن یحییٰ جو بعد میں ہارون کا وزیر اعظم بن گیا تھا۔ وہ ہارون کوئی عمدہ حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ حکم خیزان اس کی سمت مخالف تھی اور قطعاً برداشت نہ کر سکتی تھی کہ فضل کسی چھوٹے سے چھوٹے عمدے پر بھی چمکن ہو۔ خیزان کے ہارون پر حاوی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ہارون کی خلافت اسی کی کوششوں کی رہین منت تھی۔ اگر خیزان اس سے وقت ملے ہارون کی مدد نہ کرتی تو بالکل تھا کہ ہارون نے بعض مددیں کھتے ہیں کہ سخت فحشیت کے وقت ہارون کی عمر انیس سال کی تھی۔ بعض نے پچیس سال کی بتائی ہے۔

کسی طرح بھی خلافت حاصل کر سکتا۔ یاروں کی خلافت نے خیر و بری کے اثر و رسوخ کو بہت مزیداد بڑھا دیا اور وہ مملکت کے ہر کام میں پوری طرح فہل ہو گئی۔

یہی حال یاروں کے امانیت اور اس کے اُستاد بھلی برکی کا تھا۔ خلافت کو یاروں کی طرف منتقل کرنے میں بڑی کامیابی کا حصہ علی خیز راہ سے کسی طرح کو نہ تھا۔ اگر بھلی راہ سے نہ گنا تو یاروں منور اپنے بھائی کے دباؤ کے ماتحت اپنے بھتیجے جھڑکے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہو جاتا۔ یاروں اس کی حدود پر تعظیم کرتا تھا اور ہمیشہ اسے یا ابی (اے میرے باپ) کہہ کر پکارتا تھا۔ جب وہ غلیظ بنا تو اس نے سلطنت کا کام میں اوستاد کے سپرد کر دیا جن پر وہ اتنا ہی بھروسہ کرتا تھا اور جو اپنی عقل و فراست اور تجربے کے لحاظ سے اس بات کے حق دار تھے کہ عثمان حکومت انہی کے ہاتھوں میں رہے اور وہ ہی سلطنت کا کام چلا لیں۔ چنانچہ یاروں سلطنت کی طرف سے بے پڑا ہو کر عیش و آرام کی زندگی گزارنے لگا۔

یاروں ارشد کے زمانے میں سلطنت عباسیہ کثرتِ فتوحات اور دستِ مملکت کے لحاظ سے اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ ان فتوحات کی تغلیب، شہروں کی آبادی اور سلطنت کے ہر حصے کو داہلا لٹکانے سے اس طرح مربوط کر دینے کے لئے کہ سلطنت ایک وحدت میں تبدیل ہو جائے اور مملکت کا کوئی حصہ داہلا لٹکانے سے علیحدہ ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔ یہ ضروری تھا کہ سلطنت کا کام ایسے ہاتھوں میں دیا جاتا جو اتنا ہی قتالی، لائق، تجربہ کار اور اسے سنبھالنے کے ہر طرح اہل ہوتے اور ان کی وفاداری اور خیر خواہی پر کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو سکتا۔ ایسا کرنا اس لئے ہی ضروری تھا کہ سلطنت اسلامیہ کے بعض دور دراز علاقے مثلاً اندلس اور بلادِ مغرب عباسی خلافت سے

اپنا تعلق منقطع کر چکے تھے اور بعض دوسرے علاقوں میں بھی سلطنت عباسیہ سے علیحدگی کا رجحان زور پکڑتا جا رہا تھا۔

حکومت بغداد کے سامنے اس وقت سب سے اہم کام اس خطرے کا سدباب کرنا تھا اور جب تک وزارت کی باگ ڈور نہایت مضبوط اور قابل ہاتھوں میں نہ رہی جاتی۔ یہ خطرہ دور نہ ہو سکتا تھا۔

یہی بنی خالد برمکی سے بہتر آدمی فاروق الرشید کو اور کون مل سکتا تھا جو پہلائی بھر بہادر، بہت بڑا مفکر، اعلیٰ درجہ کا سیاست دان اور بڑا دور اندیش شخص تھا۔ ہارون نے وزارت عظمیٰ کا اعزاز اسی کے سپرد کر دیا اور اس سے مملکت کے تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔

وزارت عظمیٰ سپرد کرتے ہوئے ہارون نے یہی سہ سے کہہ دیا تھا کہ میں امور مملکت کا تمام بار اپنے کندھے پر سے تھا دے کندھے پر رکھتا ہوں جس طرح چاہوں اسی طرح کرو۔ جس شخص کو چاہو کسی حمد سے پر مقرر کرو جس شخص کو چاہو معزول کرو۔

ملکہ خیز راہی جی جو ہادی کے زمانہ میں امور خلافت سے بے تعلق کر دی گئی تھی۔ اب پھر امور سلطنت پر حاوی ہو گئی۔ یہی برمکی ہر امر اس کے سامنے پیش کرتا تھا اور اس کی رائے پر عمل کرتا تھا۔ تاہم اس کی عمر نے زیادہ دانا کی اور وہ رشید کی خلافت کے تین سال بعد ہی فوت ہو گئی۔ اس کے انتقال کے بعد امور مملکت کا سارا بوجھ یحییٰ پر آ پڑا۔ اس نے مدد کے لئے اپنے چار بیٹوں فضل، جعفر، محمد

اور موسیٰ کو اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ یہ چاروں بھی اُکے نقشِ قدم پر چلتے تھے اور اسی کی رائے کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک علم و فضل اور جود و کرم میں یکساں زمانہ تھا۔

فضل اور جعفر سیاست اور حکومت میں اپنے باپ کی سب سے زیادہ مدد کرتے تھے۔ یہ بھی اکثر کاموں میں فضل کے مشوروں کو قبول کیا کرتا تھا۔ سلطنت کا زیادہ کام بھی اسی کے سپرد کر رکھا تھا۔ وہ تمام راجہ میں سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھا۔ کرم و جود میں جعفر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ شروع میں لوگ اسے وزیرِ صغیر کے نام سے پکارتے تھے۔

جعفر بھی نذر و منزلت، بہت واسعتِ امت، ختم و فراست، عقل و سیاست، علم و فضل اور سلطنت کے امور کو جس و خوبی چلانے میں کم نہ تھا۔ وہ انتہائی خوش اخلاق تھا۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے گفتگو کرتا تھا۔ اس کی جود و سخا اور بے بدل و غلطی کے قصے آج تک مشہور ہیں۔ فصاحت و بلاغت میں مشہور زمانہ تھا۔ ہارون اس کے برابر کسی اور کو عزیز نہیں رکھتا تھا اور فضل سے بھی زیادہ اس سے مانوس تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جعفر نہایت خندہ سے مزاج کا انسان تھا لیکن فضل کے مزاج میں سختی تھی۔

ایک دن ہارون الرشید نے یہی سب پوچھا :
 • لوگ فضل کو وزیرِ صغیر کہتے ہیں لیکن جعفر کو نہیں کہتے۔ یہ کیا بات ہے ؟
 یہی نے جواب دیا :
 • لوگ اس وجہ سے فضل کو وزیرِ صغیر کہتے ہیں کہ وہ میرا تمام مقام ہے اور

سلطنت کے کاموں میں میرا بہت ہاتھ بٹاتا ہے ۔
 ہارون الرشید نے کہا :

”پھر جعفر کو بھی ویسے ہی کام سپرد کرو جو جیسے فضل کو کر رکھے ہیں ۔
 یہ بھی نے جواب دیا کہ ہمیشہ آپ کے پاس رہنے کی وجہ سے وہ مملکت کے
 دوسرے کام نہیں کر سکتا ۔

ہارون الرشید نے اُسی وقت جعفر کے سپرد خلیفہ کے تمام معاملات
 کر دیئے ۔ اب وہ بھی وزیر صغیر کے نام سے مشہور ہو گیا ۔

ایک دن ہارون نے بھیجی سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہر سلطنت فضل سے
 لے کر جعفر کو دے دوں لیکن مجھے فضل کو ایسا کھتے ہوئے شرم آتی ہے تم اُس کو
 لکھ دو چنانچہ بھیجی نے فضل کو لکھا کہ ”ایرالمونین فرماتے ہیں کہ تم ہر سلطنت دائیں
 ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں ہیں لو“ فضل مطلب سمجھ گیا اور نہایت فرماں برداری سے
 ہر جعفر کو دے دی اور اپنے والد کو کھا ۔

”میرے بھائی کے متعلق جو حکم ایرالمونین نے دیا ہے ۔ میں اسے بجاؤں
 دل قبول کرتا ہوں ۔ میرے بھائی کو جو عروج حاصل ہوگا اور جو تہہ اسے ملے گا
 وہ وہاں ملے گا ۔“

جعفر نے جب فضل کا یہ جواب سنا تو وہ اپنے بھائی کی محبت ، عقل و تہذیب
 فرمانبرداری اور مصابت دلئے سے بہت خوش ہوا ۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید کو جعفر سے کس حد تک محبت تھی
 اور وہ چاہتا تھا کہ عز و جاہ ، میں جعفر اپنے بڑے بھائی جیسا تہہ حاصل کرے ۔

سخاوت میں فضل اور جعفر کا کوئی رجم پتہ نہ تھا گو گردشِ ایام نے ہر ایک کو تباہ و برباد کر دیا لیکن زمانہ جو دو کرم کے ان عظیم امثال کا زمانوں کو نہ طاسکا جو ہر ایک کے ہاتھوں و قروح میں آئے۔

ایک دفعہ ہارون الرشید حج کر گیا۔ اس کے ساتھ یحییٰ بن خالد برکی اور اس کے دونوں بیٹے فضل اور جعفر بھی تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو ہارون اپنی قیام گاہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی یحییٰ بھی بیٹھ گیا۔ بیٹھ کر ان دونوں نے حکم دیا کہ لوگوں کو اسی وقت خوب انعام و اکرام سے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان کے بعد امین اور فضل بن یحییٰ بیٹھے۔ ان دونوں نے بھی بیٹھتے ہی لوگوں پر داد و دہش کی بارش شروع کر دی۔ آخر میں مامون اور جعفر بیٹھے، انھوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس طرح ہزاروں لوگ ہوشیاری تلف کرنے کے شوق میں جمع ہو گئے تھے مالا مال ہو کر آئینہ دیکھتے دیکھتے ہوئے واپس چلے گئے اور اس سال کا نام ہی عامِ لاعلیٰ علیہ السلام پڑ گیا۔ اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شاعر براء کہہ کی اس طرح مدح سرائی کرتا ہے۔

”ہمارے پاس آلِ برک آئے جو بادشاہوں کی نسل میں سے ہیں۔ یہ خبر کتنی خوش کن اور یہ منظر کتنا دل فریب ہے۔ یہ لوگ ہر سال ایک مرتبہ دشمنوں کے مقابلے میں جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بیت اللہ کا حج کرتے ہیں۔ جب یہ وادی مکہ میں آتے ہیں تو تمام وادی یحییٰ، فضل بن یحییٰ اور جعفر کی وجہ سے چمک اٹھتی ہے ان کی جھیلیاں سخاوت کے لئے بنی ہیں اور پاؤں ظفر منہ کو ششوں کے لئے۔“

ان کی سخاوت کا ایک اور قصہ بھی درج کر دینا لطف سے خالی نہ ہوگا۔ محمد بن

ابراہیم بن محمد بن علی، عبد اللہ بن عباس جو جو عباس کے ایک نہایت معزز شخص تھے۔ ایک روز فضل کے پاس آئے ۴۵ کے پاس ایک ڈبیا تھی جس میں ایک بیش قیمت ہیرا بند تھا۔ انہوں نے اگر فضل سے کہا کہ میں آج کل بہت تنگ دست ہوں۔ دس لاکھ درہم کا قرض بھی میرے سر پر چڑھ گیا ہے۔ لوگوں میں بچہ جو عورت اور بچا حاصل ہے۔ اس کا خیال کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہ اس بات کا کسی کو علم ہو۔ میں کسی ایسے تاجر کی تلاش میں ہوں جو مجھے اپنی رقم بطور قرض دے سکے۔ رہن رکھنے کے لئے میرے پاس یہ ہیرا ہے جو دس لاکھ درہم کی مالیت کا ہے آپ کو مختلف تاجروں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ میں اس غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ ہر مافی فرما کر یہ ہیرا لے لیں اور میرے لئے کہیں سے قرض دلانے کا انتظام کر دیں۔

فضل نے کہا: آپ کی خواہش انشاء اللہ ضرور پوری ہو جائے گی۔ تاہم کامیابی کا وار دہ دار اس بات پر ہے کہ آپ آج میرے پاس قیام کریں۔

محمد بن ابراہیم نے یہ بات منظور کر لی اور سارا دن فضل کے گھر میں رہے۔ فضل نے اس دوران میں اپنے خادم کے ہاتھ دس لاکھ درہم اور میرے کی وہ ڈبیا محمد کے گھر بھجوا دی اور ان کے گھروالوں سے ان چیزوں کی رسید بھی منگوا لی۔ سارا دن فضل کے گھر گزار کر جب محمد اپنے گھر پہنچے تو وہاں میرے کی ڈبیا اور دس لاکھ درہم موجود پائے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، اگلے دن وہ جمع سویرے اس اداہ سے فضل کے گھر پہنچے کہ اس احسان عظیم کا شکریہ ادا کریں۔ لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ فضل فاروق الرشید کے محل میں گیا ہے۔ وہ وہاں سے فاروق کے محل پر پہنچے

لیکن جب فضل کو محمد کے آنے کا پتہ چلا تو وہ دوسرے دروازے سے نکل کر اپنے باپ کے گھر چلا گیا۔ محمد وہاں پہنچے تو وہ کسی اور جگہ چلا گیا۔

غرض کہ سارا دن یہی ہوتا رہا۔ آخر شام کو فضل کے گھر میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ محمد نے فضل سے کہا کہ میں آپ کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے صبح آپ کے گھر گیا تھا، مگر آپ نہیں تھے۔ فضل نے جواب دیا۔

”کل میں نے آپ کے متعلق بہت غور و خوض کیا۔ میں نے سوچا کہ وہ دس لاکھ درہم جو کل میں نے آپ کے گھر بھجوائے تھے وہ تو آپ کے قرض کی ادائیگی ہی میں خرچ ہو جائیں گے بعد میں آپ کے پاس کچھ نہیں بچے گا اور آپ کو دوبارہ پھر قرض لینا پڑے گا۔ اس طرح کچھ عرصے کے بعد آپ کے ذمہ پھر اتنا ہی قرض چڑھ جائے گا۔ اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لئے میں امیر المومنین کی خدمت میں گیا تھا۔ میں نے انھیں آپ کا حال سنایا اور ان سے آپ کے لئے مزید دس لاکھ درہم لئے۔ میں آپ سے اس وقت تک نہ ملنا چاہتا تھا۔ جب تک یہ ساری رقم آپ کے گھر میں نہ پہنچ جاتی۔ چنانچہ اب وہ پہنچ گئی ہے اور میں آپ کے سامنے ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے شرمندگی نہیں ہوئی۔“

محمد نے یہ سن کر فضل سے کہا :

”میں کس طرح آپ کے اس احسان کا بدلہ تادوں؛ بظاہر تو کوئی شکل بدلہ اتارنے کی نظر نہیں آتی۔ البتہ میں یہ حمد کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کے دروازہ کئے سوا اور کسی کے دروازہ پر حاضری نہیں دوں گا اور کسی اور سے کبھی کچھ نہ مانگوں گا۔“

چنانچہ انھوں نے اپنے اس عہد کو آخر دم تک نبایا۔ بعد میں براہ کتبہ ہو گئے
 انھیں قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ ان کے اسرار و اسباب ان سے چھین لئے گئے
 اور وزارت فضل بن ربیع کے ہاتھ آ گئی۔ شہرت کے باعث محمد بھی پیسے کو
 محتاج ہو گئے۔ کسی نے ان کو سلاخ دی کہ وہ فضل بن ربیع کے پاس جائیں وہ
 حضور ان کی مدد کرے گا۔ لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور آخر وقت
 تک براہ کتبہ کے عہد کو ہی یاد کرتے رہے۔

یہ بھی اہی خالد کا تیسرا ارکانہ مہی تھا۔ یہ بہت زبردست بہادر اور دیر شخص تھا
 لیکن اس کو وہ شہرت نصیب نہیں ہوئی جو اس کے بھائیوں فضل اور جعفر کو ہوئی۔ یہ
 ہارون کے ہترین سپہ سالاروں میں سے تھا جب شام میں فتنے مٹانا ہوئے گئے۔
 تو ہارون نے اسے ۶۷۲ھ - ۶۸۸ھ میں شام کا حاکم بنا دیا۔ اس نے وہاں
 جا کر امن قائم کیا اور وہاں کے حالات درست کئے۔

یہ بھی کاچو تھا بیٹا محمد قلد یہ بھی بہت بلند بہت اور بیشتر اخلاق حسنہ سے
 متصف تھا۔ فوجی عہدہ پر متمکن تھا۔ لیکن وہ بھی وہ شہرت حاصل نہ کر سکا جو اس کے
 باقی بھائیوں کو حاصل ہوئی۔

مفسر یہ کہ خاندان براہ کتبہ دولت جاسیہ کی پیشانی کا نور تھا۔ یہ لوگ ہر قسم کی ترویج
 سے متصف تھے۔ شعرا اور حاجت مند جب ہر طرف سے ناکامید ہو جاتے تھے تو
 براہ کتبہ کے محلات ہی کا رخ کرتے تھے جس طرح یہ خاندان سخاوت اور جود کرم میں اپنی
 نظیر نہ رکھتا تھا، اسی طرح فصاحت و بلاغت میں بھی کوئی شخص ان کے ہم پل نہ تھا
 یہ لوگ میدان بلاغت کے شہسوار مملکت فصاحت کے تاجدار تھے، ان کی سخاوت

کے آگے لوگوں کو پرانے زمانے کی داستانیں بیچ معلوم ہونے لگیں اور لوگ اگلی کہانیاں
بھول گئے۔

خاندان براکہ فارسی الاصل تھا۔ اس ایرانی نژاد قبیلے کی حیرت انگیز کامیابی اور
مملکت اسلامیہ پر اس کے اثر و رسوخ اور اقدام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
اس عہد کے اسلامی تہذیب و تمدن پر ایرانی اثرات پھیل گئے تھے اور تمام مملکت اسلامیہ
پر ایرانی تہذیب نے اپنا غلبہ و تسلط جمایا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ عربوں نے ایک عالم
کو اپنے زیر نگین کر لیا اور دین، عقائد اور مذہبان کے لحاظ سے وہ دوسرے مملکت کے
لوگوں پر غالب آ گئے۔ لیکن جہاں تک تہذیب و تمدن، نظام حکومت اور سیاست
کا تعلق ہے انھیں اس بارے میں ایرانیوں ہی کی پیروی کرنی پڑی۔

سیاسی حالات

بارداری الرشید کی تخت نشینی اور خلافت کے ابتدائی امور کے تذکرے کے بعد اب ہم اس کے عہد کے سیاسی حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

آل عباسیہ جنہیں ہم آئندہ علویین کے نام سے یاد کریں گے۔ کبھی بھی آل عباسیہ کی خلافت پر راضی نہیں ہوئے کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ وہ ان سے زیادہ ملک خلافت کے حق دار ہیں۔ بڑا اثر کے زمانے میں جب خراسان اور مملکت اسلامیہ کے دیگر حصوں میں عباسی خلافت کی تبلیغ شروع ہوئی تو اس کے داعیوں نے بھی حوام کے قلوب پر یہی کہہ کر اثر ڈالنا شروع کیا تھا کہ امامت اور خلافت آل محمد کا حق ہے اور وہ انہی کو ملنی چاہئے۔ چنانچہ آل عباسیہ کو پورا نفی تھا کہ جب یہ دعویٰ کامیاب ہو جائے گی تو خلافت کی گدی پر وہی متمکن ہوں گے۔ لیکن ان کی توقعات کے برخلاف عباسیوں نے خلافت و سلطنت پر خود قبضہ کر لیا۔ علوی بھی خاموش بیٹھے رہنے والے نہ تھے۔ انہوں نے کئی بار عباسی خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

آل عباسیہ جانتے تھے کہ علوی ان کے بدترین دشمن ہیں۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ ان کی خلافت اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی اور سلطنت میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک علویین کا کلی طور پر استیصال نہ کر دیا جائے اور ہر

اُس شخص کو قتل نہ کر دیا جائے جو اپنے لئے خلافت کا طالب ہو۔

صفاح سے لے کر دارون الرشید تک کسی بھی خلیفہ کو علویین کی طرف سے اطمینان نصیب نہ ہو سکا اور ہر خلیفہ اُن کو مٹانے اور تباہ و برباد کرنے کے دوپے رہا۔ جب دارون الرشید کا زمانہ آیا تو شروع میں اُس نے اس بات کی کوشش کی کہ ملائمت، نرمی اور احسان کے ذریعے علویین کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرے اور اس طرح اُن کی طرف سے بے خوف ہو کر اپنا کام چلائے۔ اس غرض کے لئے اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بغداد میں جن علویوں پر پہلے سخت نگرانی رکھی جاتی تھی اور انہیں بغداد سے باہر نکلنے نہیں دیا جاتا تھا اُن پر سے سوائے عباس بن حسن بن عبداللہ بن علی کے نقل و حرکت کی پابندی ہٹا لی۔ گو عباس بن حسن بن عبداللہ پر پابندی تھی تاہم اُن کے والد حسن کو اُس نے اجازت دے دی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

مگر علویوں پر دارون کے اس حسن سلوک کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے اس عقیدے کا اظہار کرنے سے اب بھی باز نہ آئے کہ خلافت پر اصل حق اُن کا ہے اور آل عباس نے ان کا یہ حق غصب کیا ہے۔ انہوں نے دارون اور آل عباس کے خلاف پراسرار شیعوں کو دیکھ کر جب پہلا شخص جس نے ہارون کے خلاف علم بغاوت بلند کیا وہ بھی بن عبداللہ بن حسن تھا۔ یہ شخص حج کی دعائی کے بعد ہادی

لے ۱۲۹ھ - ۸۵ء میں علویوں کے ایک لیڈر حسین بن علی بن حسن الثالث نے ہادی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ سب سے پہلے حسین نے مدینہ پر قبضہ کر کے وہاں اپنی امامت کا اعلان کیا اس کے بعد وہ اپنی جماعت کو لے کر حج کے لئے نکلا۔ ہادی نے محمد بن سلیمان عباسی کو میرالبح (بقیہ ماضیہ ۶۷)

کے جہد میں ہوئی تھی جہاں کریم کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں اُس نے اپنی قوت بڑھانی شروع کی اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک زبردست جمعیت اکٹھی کر لی۔ ہارون اور شید نے اس کے مقابلہ کے لئے فضل بن یحییٰ برکی کو پچاس ہزار فوج دے کر بھیجا۔ ساتھ ہی اُسے جرجان، طبرستان، اور دے کا والی بھی بنا دیا۔ فضل نے سوچا کہ اگر نرمی سے کام نکل سکتا ہے تو جنگ کی کیا ضرورت ہے۔ اُس نے وہاں پہنچ کر بجائے جنگ کرنے کے یحییٰ سے خط و کتابت شروع کر دی اور بہت نرمی سے اس کو مطیع ہونے کا مشورہ دیا۔ مارے نشیب و فراز کھجائے اور یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ مطیع ہو جائے گا اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے گا تو اسے امان دی جائے گی اور اس سے ہرگز کوئی بُرا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ساتھ ہی اُس نے والی کریم کو دس لاکھ درہم بھیجے اور اُسے لکھا کہ وہ یحییٰ کو مطیع ہونے پر آمادہ کرے۔ یحییٰ نے جواب میں لکھا کہ اگر خلیفہ اپنے ہاتھ سے مجھے امان لکھ کر بھیجے تو میں مطیع ہو جاؤں گا اور تمہارے ساتھ چلا چلوں گا۔ فضل نے یہ ماجرا ہارون کو لکھ بھیجا۔ ہارون بڑا خوش ہوا اُس نے اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھا اور اس پر فقہاء و قضاۃ اور بنی ہاشم کے بڑے بڑے لوگوں اور مشائخ کو گواہ بنایا اور یہ امان نامہ

(ہفتہ حاشیہ ۶۶) مقررہ کہ حسین کے مقابلہ کا حکم یا غم کے مقام پر دونوں فریقوں میں جنگ پھڑکی جس میں حسین اور اس کے سامنے ساتھی مارے گئے۔ صرف دو شخص بچ کر بھاگے ہیں۔ کاسیاب جو سکے ایک اور میں بن عبد اللہ جس نے افریقہ میں جا کر راجی سلطنت قائم کی۔ دوسرا یحییٰ بن عبد اللہ جس نے جہاں کریم چلا گیا اور وہاں اہل بغدات بلند کیا (مترجم)

ہمیش قیمت تحفوں کے ساتھ فضل کو بھیج دیا۔ فضل نے یہ سب تحائف مع امان نامہ
 یہ بھی کو روانہ کر دیئے چنانچہ بھیجی گئے امانت قبول کر لی اور فضل کی خدمت میں حاضر
 ہو گیا۔ فضل اُس کو لے کر بغداد آیا۔ ہارون الرشید اس سے بڑی کشادہ روی سے پیش
 آیا۔ پہلے اس کو بھیجی بن خالد کے پاس رکھا کیونکہ بھیجی اس کا خاص بن تھا اور اس کا
 کی رہائش کا نہایت اعلیٰ انتظام کر دیا۔ بہت سا سامان اُس کو دیا اور ہمیش قرار
 و ضابطہ مقرر کر دیا۔ غرض کہ اس کے اکرام اور تعظیم میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔
 اس واقعہ کے کچھ عرصے کے بعد بعض چیل خوردوں نے ہارون کے پاس جا کر
 یہ بھیجی کی شکایتیں کیں اور کہا کہ وہ بدستور خلافت کا باغی ہے اس پر ہارون نے
 اُسے قید کر دیا۔ اور فقہان سے نفص امان کا فتہ بنی طلب کیا۔ بعض فقہان نے فتوے
 دیا کہ امان تو ٹوٹی نہیں جاسکتی۔ البتہ بعض نے یہ فتوے دے دیا کہ امان باطل ہے
 چنانچہ ہارون نے یہ بھیجی کی امان منسوخ قرار دے دی اور بعد میں اُسے قتل کر دیا۔
 غلج کی لڑائی میں دوسرا شخص جو بچ نکلا تھا وہ اور میں بن عبداللہ بن حسن تھا۔
 یہ بھیجی کا بھائی تھا اور مصر کی طرف چلا گیا تھا وہاں اس نے مغرب الاقصیٰ میں پہنچ کر
 بربروں کو اپنے گرد جمع کیا اور وہاں علویین کی پہلی خلافت قائم کی۔ یہ خلافت موت
 اور ایسہ کھلائی۔ اور میں ۱۷۲ھ - ۷۸۷ء میں وہابی کے شہر میں آیا تھا اور اسی
 سال اس کی بیعت ہوئی۔

جب ہارون کو یہ خبر ملی کہ اور میں نے بلاد مغرب میں اپنی سلطنت قائم کر لی
 ہے۔ اپنے گورنر و دست لشکر جمع کر لیا ہے، بلاد ملکائی کو فتح کر لیا ہے اور امانت
 پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر بھیجے گا

امداد کیا لیکن یہ کام اسے بہت مشکل نظر آیا کیونکہ وہ علاقہ دارانہ لاف سے بے حد
دور تھا اور لشکر کو دیاں تک پہنچنے میں سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لئے
اس نے ایک عقلمند اور چالاک آدمی سلیمان بن جریر المعروف بہ شامخ کو مقرر کیا کہ وہ
دیاں جاکر کسی جینے اور دھوکے سے اور میں کو قتل کر دے چنانچہ شامخ اور میں کے
پاس آیا اور اس سے کہا کہ "داروں نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی ہیں اور اب میں
اس کا ساتھ چھوڑ کر آپ کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں" اور میں نے اس کی باتوں کا
اعتبار کر کے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ چند ہی دنوں میں وہ اور میں کے مزارع میں
بہت خوش ہو گیا۔ اور میں نے اسے اپنا صاحب بنا لیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے
موقعہ پاکر اس کے مہن میں زہر ملا دیا اور خود بھاگ آیا۔

زہر کے اثر سے اور میں کا ۳۷ھ - ۷۹ء میں انتقال ہو گیا۔ اس کے کوئی
لڑکا تو تھا نہیں ہاں وفات کے وقت اس کی ایک لونڈی حاملہ تھی جس میں اس کے
لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام اپنے باپ کے نام پر اور میں ہی رکھا گیا۔ لوگوں نے
اس کی بیعت کر لی اور رشید کی توہمات و خواہشات کے برعکس مغرب میں دولت
اور سید جڑ پکڑ گئی۔

اس طرح خلافت عباسیہ سے دو زہد مت علاقے نکل گئے۔ ایک علاقہ
تونس جس پر عبدالرحمن بن معاویہ اموی نے کامل قتل حاصل کر لیا تھا اور دوسرا
مغرب اقصیٰ مع تلمسان جس پر اور میں بن عبداللہ نے قبضہ کر لیا تھا۔

ان حالات کے سبب دارون الرشید علویین کی طرف سے بہت چوکنا ہو گیا
تھا۔ جس شخص کے متعلق بھی اس کے پتہ چلتا کہ اس کا میلان علویین کی طرف ہے وہ اسے

صفت سزا دیتا۔

لیکن اس اندرونی خلفشار کے باوجود اُس نے عربوں اور تمام مسلمانوں کے مشترکہ دشمن یعنی رومیوں کی طرف سے قطعاً لاپرواہی نہ برتی۔ ہارون الرشید سے پہلے ہر خلیفہ ان سے جنگ کرتا تھا اور ان پر فتح پا کر انھیں خراج دینے پر مجبور کرتا تھا۔ ہمدی کے زمانے میں خود ہارون الرشید رومیوں کے مقابلے کے لئے جا چکا تھا اور رومیوں کی عمدہ شکستوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اُس نے غلط جوتے ہی اپنی سلطنت کی مشرقی حدود کی حفاظت کے اختلالات شروع کر دیئے تاکہ کہیں رومی مسلمانوں کو غافل پا کر ان پر بے خبری میں حملہ نہ کر دیں۔

اس مقصد کے لئے اُس نے اپنے وزیر یحییٰ برکی سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ رومی سلطنت کی سرحد پر جا بجا قلعے بنائے جائیں، جہاں اسلامی فوجیں تعینات رہیں۔ اس کے علاوہ رومی علاقے میں اپنے جاسوس بھی مقرر کئے جائیں جو دشمنوں کے ارادوں اور نقل و حرکت سے برابر اطلاع دیتے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بیسج کو ان تمام قلعوں کا مرکز قرار دیا گیا اور خلیفہ سلطنت کے مشرقی بازو سے مطمئن ہو گیا۔

ہارون الرشید نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے ان سپہ سالاروں کو جو رومی سرحد پر متعین تھے یہ ناکید بھی کر دی کہ وہ ہر وقت ہر وقت رومی علاقوں میں تاخت و تاراج بھی کرتے رہیں تاکہ رومیوں کو کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے اور وہ سال بسال مقررہ خراج سلطنت عباسیہ کو ادا کرتے رہیں۔

جب خلیفہ کو اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اُس نے حج کے مذہبی فریضہ کو

بجالاتے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ کے لئے یہ امر بہت ضروری تھا کہ وہ حج کے لئے جائے۔
ایسا کرنا خصوصاً اس لئے بھی ضروری تھا کہ عباسی اموی خلفا پر یہ اعتراض کیا کرتے تھے۔
کہ ان کی دینی حرالت بہت کمزور ہے۔ اس صورت میں ان کے لئے یہ لازمی تھا۔
کہ وہ خود رعایا کے سامنے اپنے قل سے یہ ثابت کر دیں کہ ان میں دین کا احترام ہے
اور وہ اسلامی فرائض کو بجالاتے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

دارون الرشید نے کئی حج کئے لیکن اُس کا یہ حج خاص طور پر سیاسی مقاصد کے
تھا۔ اس ترتیب حج کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض حاسدوں نے دارون کو آل
علیؑ کے مشہور امام موسیٰ بن جعفرؑ کی طرف سے جو امام کاظمؑ کے لقب سے پکارتے
جالتے تھے اور جو ان دنوں مدینہ میں مقیم تھے بڑا کانا شروع کیا۔ حاسدین کا کہنا تھا
کہ امام کاظمؑ کے معتقد اپنے اس مال کا پانچواں حصہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور
ان کو اپنا امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں۔ عنقریب ہی وہ سلطنت عباسیہ کے خلافت بناوت
کرنے اور خلافت کا دعویٰ کرنے والے ہیں۔

دارون پہلے ہی علویین کی طرف سے بدظن ہو رہا تھا۔ اس شکایت نے جلدی پھیل
کا کام کیا اس نے مدینہ پہنچ کر امام موسیٰ بن جعفرؑ کو قید کر لیا اور ان کو اپنے ساتھ بغداد
لے آیا۔ بغداد لاکر اُس نے انھیں سندی بن شاہک کی تحویل میں دے دیا کہ وہ انھیں
قید رکھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعد میں اُس نے انھیں قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ سندی بن شاہک
نے خفیہ طور پر انھیں قتل کر دیا۔ دارون نے ایک جماعت کو سندی کے گھر بھیجا۔ اس
جماعت نے واپس آکر گواہی دی کہ امام کاظمؑ نے طبعی موت سے وفات پائی ہے
یہ تمام اضطراب، شور و غوغا، سازشیں اور بناوتیں صرف علویین کی طرف سے

ہی نہیں تھیں ان کے علاوہ ایک اور فریق بھی تھا جو خفاء کے استبداد و امدان کے احکام
 شرعیہ سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ان کو نابود کرنے کی فکر میں تھا۔ یہ فرقہ خارجیوں کا
 تھا۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور
 ساری مملکت اسلامیہ میں ایک انتشار برپا کر دیا تھا۔ جب بنو امیہ کا زمانہ آیا تو انھوں
 نے ان کے خلاف بھی بغاوتیں کرنی شروع کیں جس پر اموی خلافت نے بڑی زبردست
 فوجوں کے ذریعہ جن کی کمان مہلب بن ابی صفراء جیسے بہادر حریف کر رہے تھے۔
 خارجیوں کا بالکل قلع قمع کر دیا۔ لیکن اموی حکومت ان کی روح کو فنا نہ کر سکی۔ اس کا
 نتیجہ یہ نکلا کہ جب کبھی خارجیوں کو موقع ملتا تھا وہ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے
 تھے۔

ہمدون الرشید کا زمانہ خوارج کے زور پکڑنے میں شہرت رکھتا ہے۔ انھوں
 نے بنی امیہ کے زمانے کے اسلاف کی تاریخ کو دہرایا۔ ان خوارج میں سب سے
 مشہور اور زبردست اثر رکھنے والا شخص ولید بن طریف شامی شیبانی تھا۔ یہ بہت
 بہادر اور جنگ مجو تھا۔ فصیبین کے فوج میں جزیرہ میں رہتا تھا۔ اُس نے ہارون الرشید
 کے خلاف ۱۷۸ھ - ۱۹۲ھ میں علم بغاوت بلند کیا۔ فصیبین میں ابراہیم بن خازم
 پر حملہ کیا، وہاں سے آرمینیا چلا گیا۔ ۱۷۹ھ - ۱۹۵ھ میں پھر جزیرہ واپس لوٹا۔
 اب اس کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے پے در پے کئی دفعہ ہمدون الرشید
 کی فوجوں کو شکست دی اب تو خلیفہ بڑا سٹ پٹا یا اور اُس نے اُس کے مقابلے
 کی تیاری شروع کر دی۔ اُس کا خیال ہوا کہ وہ ربیعہ میں سے ہی کسی شخص کو اس کے مقابلے
 کے لئے بھیجے تاکہ وہ کسی سید سے لے کر اس کے دربار میں حاضر کرے اس غرض کے لئے اس کی نظر اُٹھا۔

یزید بن مزید شیبانی پر پڑی جو معین بن خالد کا بھتیجا تھا۔ یزید اس کے مقابلے کھیلے گیا اس نے چاہا کہ جس طرح خلیفہ بن ابی صفرو نے حیدر اور مکہ و فریب سے کام لے کر قطری بن فجاد کو قابو میں کر لیا تھا۔ اسی طرح وہ بھی انہی حیلوں اور مکہ و فریب کے طریقوں سے ولید کو اپنے قابو میں کرے۔ ادھر براہ مکہ یزید کے خلاف تھے۔ انہوں نے خلیفہ کے کان بھرنے شروع کئے کہ یزید رشتہ داری اور ثون کی بنا پر ولید سے رعایت کر رہا ہے، ورنہ ولید کی قوت و شوکت تو بہت معمولی ہے۔ وہ تو کبھی کا زیر ہو جاتا۔ اس پر خلیفہ کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے یزید کو خط لکھا کہ اگر میں کسی اور شخص کو بھیجتا تو وہ اب تک کبھی کا کامیاب ہو کر واپس آ جاتا۔ مگر تم عصبیت کی وجہ سے معاملے کو خواہ مخواہ ڈھیل دے رہے ہو۔ یاد رکھو اگر تم نے ولید سے جلدی کر لی تو میں کسی آدمی کو بھیج کر تمہارا سر کٹوا دوں گا۔ چنانچہ یزید نے ولید کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ دونوں کے لشکر میدان جنگ میں آئے۔ جنگ شروع ہونے والی ہی تھی کہ یزید نے ولید کو پکار کر کہا کہ فوجوں کو لڑانے سے کیا فائدہ۔ آؤ ہم اور تم آپس میں مقابلہ کر لیں۔ دوسرے کو مارنے والا فاتح قرار پائے گا۔ ولید نے یہ منظور کر لیا اور درجہ زیرہ اشعار پڑھتا ہوا میدان میں نکل آیا۔

ادھر سے یزید بھی بڑھا۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ کچھ دیر تک تو کوئی بھی دوسرے پر غالب نہا سکا۔ مگر آخر یزید نے ایک موقع پا کر ولید کے پاؤں پر تھوڑا ماری جس کی وجہ سے وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ اب یزید کے سپاہی بڑھے اور ولید کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ واقعہ ۱۷۹ھ - ۷۹۵ء میں ہوا۔

سے کچھ فرسخ کے فاصلہ پر ہوا۔ اس کے بعد یزید نے ولید کا سر فرج کی خوشخبری کے ساتھ

دارون الرشید کو بھیج دیا۔

۱۸۰ء - ۷۹۶ء میں شام میں بھی بغاوت پھوٹ پڑی اور وہاں کے باشندے خلافت ہو گئے۔ دارون نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جعفر برکی کو مقرر کیا۔ جعفر چند مشہور سپہ سالاروں اور فوج کو لے کر شام گیا۔ بغاوت فرو کی۔ اہل فتنہ کو قتل کیا اور وہاں مکمل طور پر امن و امان بحال کر کے واپس آیا۔ جعفر کے اس کارنامے سے دارون الرشید کے دل میں اس کی قدردانی اور بھی بڑھ گئی۔ جعفر نے دارون الرشید کے سامنے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں اہل شام سے نرمی کرنے کی سفارش کی۔ چنانچہ اس کی سفارش پر دارون الرشید نے انہیں معاف کر دیا اور باغیوں سے پوچھ گچھ نہ کی۔

صفحات ماقبل میں ہم نے اس خطرے کا ذکر کیا تھا جو دولت عباسیہ کو مغرب کی طرف سے اندلس اور بلاد مغرب کے خلافت عباسیہ سے قطع تعلق کر لینے سے پیدا ہوا تھا۔ اب ہم اس خطرے کا ذکر کرتے ہیں جو حکومت کے بعض حال کی بے راہروی کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا، ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ خراسان کی بغاوت کا ہے۔

خراسان کی بغاوت کا علم رافع بن لیث بن نصر بن سيار نے بلند کیا تھا جس علاقے کا حاکم علی بن عیسیٰ تھا جو بہت جا شخص تھا اور جس نے لوگوں کو نظم و ستم ڈھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اس کے مظالم اور سختیوں سے تنگ آکر لوگ اس کے ایک شخص رافع نے چند لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حکم بغاوت بلند کر دیا۔ علی بن عیسیٰ نے اپنے بیٹے عیسیٰ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا لیکن رافع نے اسے شکست دی۔

اور عیسیٰ میدان جنگ میں مارا گیا۔ علی بن عیسیٰ نے ہارون الرشید کو خط لکھا کہ رافع کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر روانہ کیجئے۔ ہارون کو اپنے اس عامل کے اُن مظالم کی رپورٹ پہنچ چکی تھی جو اُس نے اپنی رعایا پر توڑے تھے۔ اس لئے خلیفہ نے اپنے مشہور سپہ سالار ہرثمہ کو علی کی جگہ خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا جس نے جا کر علی بن عیسیٰ کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں اس نے رافع کی طرف اپنی قہر مندہل کی لیکن وہ اس کے قابو میں نہ آسکا۔ آخر اس کے استیصال کے لئے خود ہارون الرشید کو خراسان جانا پڑا۔ اس بغاوت کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

رومیوں سے بھی ہارون کی باج و پیش رو بہی تھی۔ کیونکہ وہ مسلسل جوڈ گنی کرتے رہتے تھے۔ آخر ہارون نے پے در پے چڑھائیاں کر کے انھیں حدود و رچہ کرور کر دیا اور بالآخر رومی سلطنت کو ہارون کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

رومیوں کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے بارہ میں بھی ایک علیحدہ باب میں بحث کی جائے گی۔

زوالِ برائیکہ

مورخین اسلام نے زوالِ برائیکہ کے اسباب و سبب معلوم کرنے میں بہت کاوش سے کام لیا ہے اور وہ حوالہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے جن کی بنا پر دارون الرشید نے اہل عظیم المرتبت خاندان کو خاک میں ملا دیا۔

سید بن سالم سے کسی نے زوالِ برائیکہ کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے

جواب دیا :

”بعض لوگ برائیکہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے دارون الرشید کے خلاف خفیہ خفیہ بغاوت کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن یہ بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کو مسند اقتدار پر چٹکن ہوئے بہت عرصہ ہو چکا تھا اور یہ عام قاعدہ ہے کہ جو شخص جی زیادہ عرصے تک صاحب اقتدار رہتا ہے لوگ اس سے اکتا جاتے ہیں۔ برائیکہ پر ہی یہ بات موقوف نہیں بلکہ ان سے بدتر جہاں بدتر لوگوں کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا جو ان سے ہوا۔ حضرت عمرؓ، الخطابؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے سے بدتر زمانہ اور کونسا ہوگا جو عدل و انصاف، امن و امان، فتوحات اور کثرت اموال کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہی تھا، لیکن چونکہ ان کی حکومت کو ایک لمبا عرصہ گزر گیا تھا۔ اس لئے لوگوں نے آخر کار ان کو شہید کر دیا۔

دارون الرشید نے دیکھا کہ سلطنت کا ہر شخص برائیکہ کی تعریف کے گیت گاتا ہے

اپنی پرنسپل انہی کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنی حاجت روائی کے لئے انہی کے دروازے پر پہنچتا ہے تو اسے سخت حسد پیدا ہوا کیونکہ مطلق العنان بادشاہ کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے وزیر ادا تہی زیادہ قد و منزلت حاصل کر لیں جس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ بادشاہ سے ہٹ کر ان کے وزیروں اور امیروں کی طرف مبذول ہو جائے۔ برآمدہ میں اور خصوصاً جعفر اور فضل میں اس وجہ سے کچھ غرور اور تنہی پیدا ہو گیا تھا۔ ذلت یہی ان باتوں سے پاک تھنہ بہت جہاں دیدہ، عاقل اور صاحبِ لگا شخص تھا، وہ بادشاہوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ کبھی یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے وزیر شان و شوکت میں ان سے بھی آگے نکل جائیں۔ آخر یہی ہوا کہ بعض حاسدوں نے ہارون الرشید سے برآمدہ کی جھوٹی پہچان کاتیں کرنی شروع کر دیں۔ وہ پہلے ہی ان کی کاروائیوں کو تشریش کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا، اسے فوراً ان ٹکائیوں پر یقین آگیا اور اس نے پوری قوت سے برآمدہ کو تباہ کر دیا۔

جس روز ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا۔ اس نے بھی اسے کہہ دیا تھا کہ میں آپ کو وزارت کا عمدہ سپرد کرتا ہوں۔ آپ جو چاہیں کریں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات ہارون نے اس وقت کہی تھی جب وہ بالکل نوجوان تھا اور اس مملکت کے متعلق اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ ملکی سیاست کے گھیلوں اور حکومت کے بھیدوں میں وہ قطعاً نہیں بڑھا چکا تھا۔ اس کے لئے یہ بات بدرجہا پرکشش تھی کہ وہ خلافت کی ظاہری شان و شوکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عیش و آرام کی زندگی گزارے اور مہمات مملکت اور ملک کے نظم و نسق کا سارا کام اپنے وزیر ادا کے سپرد کر دے۔

وقت گزرتا چلا گیا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہارون میں کھلی اور

شعور پیدا ہوتا چلا گیا۔ آخر جب وہ خلافت کے نشے سے ہوش میں آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی حیثیت فاضل خلیفہ سے زیادہ نہیں۔ مگر نظم و نسق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مملکت کا سارا انتظام براہمہ نے اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں کوئی انہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں۔

دارون اس صورت حال سے بڑا متاثر ہوا۔ براہمہ کے حامدین کی بھی ملک میں کمی نہ تھی انہوں نے موقعہ بموقعہ دارون کو براہمہ کی طرف سے بدظن کرنا شروع کیا۔ وہ یہ کہہ کر دارون کو بڑبڑاتے تھے کہ براہمہ کی وجہ سے آپ کی کوئی حیثیت ملک میں باقی نہیں رہی اور کسی چیز پر آپ کا اختیار نہیں رہا۔ اس کے دل میں پہلے ہی یہ بات کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی یہی بات حامدوں کی زبان سے بھی سُن کر اس کے غیض و غضب کی کوئی انتہاء نہ رہتی تھی۔ وہ اکثر اپنے آپ سے کہا کرتا تھا:

”کیا میں بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میں خلیفہ نہیں ہوں؟“

دارون جب بھی اپنے عمل کی کھڑکی سے براہمہ کے عملات کی طرف دیکھتا تھا تو ان کے دروازوں پر لوگوں کا بھگٹا نظر آتا تھا۔ جو اپنی حاجتیں پوری کرانے یا انعام و اکرام حاصل کرنے کی غرض سے وہاں آئے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اعیانہ مملکت بھی ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے تھے، یہ دیکھ کر دارون کے دل میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔ اس وقت بے اختیار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش وہ اپنی وسیع و عریض مملکت کا بلا شرکت خیرے مالک ہوتا۔

مورخین تحقیق و تدقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ استبدادی اور شخصی بادشاہوں میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ بادشاہ یہ چاہتے ہیں کہ ساری شوکت، ہر طرح کی عزت اور

پوری طاقت انہی کے ہاتھوں میں رہے، اس وجہ سے وہ اپنے وزیروں اور امیروں کو زیادہ اختیارات دینا پسند نہیں کرتے، مبادا ایسا ہو کہ وہ طاقت حاصل کر کے اس پر حاوی ہو جائیں۔ روزمارہ اور امور مملکت میں بادشاہ کی مدد کرنے والے جو ترقی کرتے کرتے باہم عروج پر پہنچ جاتے ہیں اور بادشاہوں کی اس خصلت سے غفلت نہیں ہوتے، وہ بھی چاہتے ہیں کہ برابر ترقی کرتے چلے جائیں۔ لیکن زمانہ کسی پر بھی یکساں مہربان نہیں رہتا۔ جب وہ ترقی کرتے کرتے ایک منزل پر پہنچتے ہیں تو حاسدوں کا ایک گروہ جو اس بات پر جلتا بھٹتا رہتا ہے کہ میں یہ مرتبہ کیوں نصیب نہیں۔ اس تاک میں رہتا ہے کہ کب کوئی موقع ملے اور کب وہ بادشاہ سے ان کی جھوٹی بھی شکایت کر کے اور بادشاہ کو ان کی طرف سے بدگمانی کر کے باہم عروج سے قصر مذلت میں پھینک دے اور خود ان کی جگہ مستطاب ہو جائے۔ چنانچہ جو پہلی اس قسم کے لوگوں کو ایسا فرما سابی موقع میسر آتا ہے۔ وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بادشاہ چونکہ ہمیشہ اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی شخص ان پر مستطاب نہ ہو جائے یا انہی طاقت حاصل نہ کر لے جو ان کے زوال کا باعث ہو اس لئے وہ آسانی سے ان حاسدین کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔ بدگمانیاں پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں سے شروع ہوتی ہیں اور وہی چھوٹے چھوٹے جھوٹے جھوٹے بعد میں بڑے بڑے گناہ بن جاتے ہیں، معمولی تو بہات آگے چل کر بڑے جیسا تک خطرات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور بادشاہ اس بات کے درپے ہو جاتا ہے کہ جس طرح بھی ہو اس خاندان کا اس طرح نام و نشان مٹا دے کہ دوبارہ اس میں پہنچنے کی طاقت نہ رہے وہ اس کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرتا ہے اور اس کے لئے بدترین

ظلم و ستم کرنے سے بھی نہیں چمکپاتا تھا۔ یہ بات ہارون الرشید اور براہمہ جی سے خراس
 نہیں تھی بلکہ مستبد بادشاہ اپنے وزراء اور مددگاروں کے ساتھ ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا
 چلا آیا ہے بیشک چند وزراء ایسے بھی ہوتے ہیں جو بادشاہوں کی اس طبیعت سے
 ابھی طرح واقف ہوتے ہیں، اس لئے وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھتے کہ کہیں بادشاہ
 بدگمان ہو کر ان کو قتل کر ڈالے لیکن ایسے دور اندیش وزراء و امراء کی تعداد بہت
 کم ہوتی ہے۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ براہمہ اپنی شان و شوکت کی نمائش بہت کرتے
 تھے، ان کے پاس بے حد مال و زر تھا۔ ان کے عظیم الشان محلات خلیفہ کے محلات
 کا مقابلہ کرتے تھے۔ ان کی مجلس میں دہی و حب و جلال ہوتا تھا، جو خلیفہ کے دربار میں
 ہوتا تھا، اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ ان کی اس شان و شوکت کو دیکھ کر ہارون کا
 دل متغیر ہو گیا ہو۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہارون نے اپنے ایک رشتہ دار کو بلایا اور
 باتوں باتوں میں اس سے کہنے لگا۔

”میں نے اپنی اولاد کو غربت کی حالت میں رکھا اور براہمہ کو بے شمار مال و
 دولت سے نوازا اس کا نتیجہ میرے سامنے ہے۔ اس کھڑکی میں کھڑے ہو جاؤ اور
 ان کے محلات کی طرف نظر اٹھا کر لوگوں کے اس اثر و حام کو دیکھو جو ان کے دروازوں
 پر کھڑا ہے مجھے بتاؤ کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔“

اس شخص نے نرمی سے جواب دیا :

”آپ امیر المومنین ہیں۔ براہمہ محض آپ کے خادم ہیں اور جو کچھ ان کا ہے وہ

درحقیقت سب آپ کا ہے، اس لئے آپ کو کوئی فکر نہیں کرنا چاہئے۔“
 جعفر کو بھی اس گفتگو کا حال معلوم ہو گیا وہ یاروں کے پاس آیا اور کہنے لگا:
 ”امیر المؤمنین! جو محل میں نے بنایا ہے وہ آپ ہی کا ہے۔ میں نے اسے
 مامون کے لئے بنوایا تھا اور وہی اس کا مالک ہو گا۔“

یہ سن کر یاروں کا قصہ فزو ہو گیا اور جعفر اپنے محل کی طرف واپس چلا گیا۔
 واقعہ یہ ہے کہ ہرامک کے زوال کا سبب کوئی فوری حادثہ نہیں بلکہ یہ حادثہ اسباب
 کی ایک لمبی کڑی سے مربوط ہے۔

جاسیوں کے سرائیوں میں سے ایک شخص فضل بن ربیع تھا۔ فضل کو یاروں کی
 خلافت کے ادائیگی میں سلطنت کا کوئی قابل ذکر حودہ نہ مل سکا۔ کیونکہ یاروں کی والدہ
 حکمہ خیز مانی نے اس کو سلطنت کا کوئی بھی منصب سپرد کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ۴۷ھ
 ۴۸ھ میں جس دن خیز مان کی وفات ہوئی۔ اسی دن یاروں نے فضل کو نکال کر حکم دیا
 کہ وہ جعفر سے خاتم وزارت لے لے۔ اس زمانہ میں جس شخص کو با و شاہ کی طرف سے
 انگوٹھی مرحمت کی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اسے سلطنت کا کوئی حودہ
 تفویض کیا گیا ہے۔ فضل نے اسماعیل بن صبیح کاتب سے کہا کہ میری شان میں
 سے بہت بلند ہے کہ میں جعفر کو حکم کر اس سے قہروں بلکہ اسے خود چاہئے کہ
 وہ میرے حوالے کر دے۔

فضل برا کہہ کا شدید دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ انھیں جو اختیارات حاصل ہیں وہ
 سارے اسے مل جائیں۔ اس لئے اس نے درپردہ یاروں کو ہرامک کے خلاف
 بھڑکانا شروع کر دیا۔

ہوں۔ اگر آج جاگ جی گیا تو مجھے پناہ کون دے گا۔ چند دن کے بعد کھڑا کیا جاؤں گا اور دوبارہ قید کر لیا جاؤں گا۔

جعفر نے چند آدمیوں کو اس کے ساتھ کر دیا جو اسے کسی پناہ کی جگہ میں پہنچائے۔

فضل بن ریح کو یہ خبر پہنچ گئی۔ اس نے اپنی ایک لونڈی کو مقرر کیا کہ وہ پتہ لگا کر خبر چ ہے یا غلط۔ لونڈی نے پتہ لاکر دیا کہ خبر سچ ہے اور جعفر نے یہی کو چھوڑ دیا ہے۔

اس پر فضل فوراً ہارون الرشید کی خدمت میں پہنچا اور اس کو ساری بات بتا دی۔ ہارون الرشید کو بڑا غصہ آیا مگر اس نے اپنے غصے کو فضل پر نکالنا ہر نہ کرنے دیا اور لاپرواہی سے اس سے کہنے لگا۔

”تھیں اس سے کیا۔ تھیں کیا پتہ کہ جعفر نے اس کو میرے ہی حکم سے چھوڑا ہو۔“ فضل منہ لٹکائے ہوئے چلا گیا۔ ادھر ہارون نے جعفر کو کھانے پر بلایا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ آخر میں اس سے یحییٰ بن عبداللہ کے تعلق پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے۔ جعفر نے جواب دیا کہ وہ بدستور میری قید میں ہے۔ ہارون نے کہا: ”خدا قسم تو کھاؤ۔“ جب ہارون نے یہ فقرہ کہا تو جعفر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ بڑا نفرتناں آدمی تھا۔ فوراً تازہ کیا کہ ہارون کو اس معاملے کی خبر پہنچ گئی ہے۔ اس نے کہا:

”امیر المؤمنین! سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے اسے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔“

ہارون نے اپنے ارادے کو اس پر ظاہر ہونے نہ دیا اور کہنے لگا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو اس کو رہا کر دیا، خود میرا بھی یہی ارادہ تھا۔

خوٹری دیر کے بعد جعفر نے جانے کی اجازت مانگی اور جانے لگا۔ ہارون اس کی عزت منگلی ہاتھ کر دیکھتا رہا۔ جب وہ دُور چلا گیا تو دانت میں کرکٹ لگا۔

خدا مجھے کبھی نیک کام کی توفیق نہ دے اگر میں نے تجھے قتل کر دیا۔ چنانچہ چند دن بعد ہارون نے جعفر کو قتل کر دیا۔

ہارون کو اگرچہ جعفر کے متعلق اور ہمت سی بدگمانیاں تھیں لیکن اس کے دیم میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ جعفر ایسا کام ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ بھٹی کی رہائی اس کی ملکیت کے لئے اور اس کے جانشین کے لئے سخت خطرے کا باعث تھی۔

اس واقعے میں عجیب بات یہ ہے کہ جب فضل بن ربیع کو یہ پتہ چلا کہ جعفر نے یہ حرکت کی ہے تو اس نے اپنی ایک خاص الخاص کینز کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ پتہ چلائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ فضل بن ربیع کس طرح جعفر کے حالات کی ٹوا میں رہتا تھا۔

وزراء کی سب سے بڑی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ اس واقعہ سے چٹل خوروں نے بادشاہ کو بھڑکانا شروع کیا کہ براہِ آپ کے وفادار اور خیر خواہ نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ بات ہارون الرشید کے دل میں جینے لگی۔ چٹل خوروں اور حاسدوں نے بادشاہ سے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ براہِ عباسیوں کی مصیبتوں سے زیادہ علویوں کی مصیبتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ نفرت ہمہی کھڑا کرنے میں لوگوں پر زندگی

کی تہمت لگانے سے بھی زیادہ سخت تھی۔ زندگی کی تہمت فضل کے والد ربیع بن یونس نے ابو عبد اللہ کے خلاف (جو ہمدی کا وزیر تھا) استعمال کی تھی یہی تہمت لگا کر اس نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ اب یارون الرشید کے دل میں ہر اکہ کی طرف سے بدگمانیاں بڑھتی چلی گئیں اور اس کی طرف ان کے غلام نفرت کا برملا اظہار ہونے لگا۔ بنی شوح طبیب نے واقعہ بیان کیا ہے کہ اس کا باپ جبریل ایک دن یارون الرشید کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک یحییٰ بن خالد آگیا۔ یحییٰ یارون الرشید کے پاس بغیر اجازت چلا آتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ بغیر اجازت ہی چلا آیا۔ اور خلیفہ کے قریب آکر اس کو سلام کیا، یارون نے بہت آمستہ سے سلام کا جواب دیا۔ یحییٰ فوراً بھگ گیا کہ معاملہ بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ پھر یارون جبریل کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

”جبریل! کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے مکان میں بیٹھے ہو اور کوئی شخص بغیر اجازت تمہارے پاس چلا آئے۔“

جبریل نے جواب دیا:

”ایرالمومنین! میں تو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص میرے پاس بغیر اجازت چلا آئے۔ میں کیا کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا۔“

یارون نے کہا:

”پھر پتہ نہیں لوگ ہمارے پاس بغیر اجازت کیوں چلے آتے ہیں؟“

یحییٰ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

• امیر المؤمنین ایہ پہلی بار نہیں ہے کہ آپ کے پاس بغیر اجازت چلا آیا ہوں
بلکہ شروع ہی سے امیر المؤمنین نے مجھے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اب اگر
آپ پسند نہیں کرتے تو میں اجازت لے کر آیا کروں گا۔
یادوں نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا اور کہنے لگا :

• میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہیں یہ کہوں کہ آئندہ اجازت لے کر آیا کرو لیکن
لوگ ایسا کہتے ہیں اور میں نے وہی بات دہرا دی ہے۔

سیلان بن جعفر کا غلام محمد بن فضل بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ یحییٰ بن خنار
ہارون کے پاس آیا۔ اس کے آنے پر وہ خادم کھڑے ہو گئے۔ اس پر ہارون نے
سردار خادم کو کہا کہ ان دونوں خادموں کو کہہ دو کہ یحییٰ کے آنے پر کھڑے نہ
ہو کر یں۔ یحییٰ اپنے جب یحییٰ دوبارہ و بار بار میں آیا تو وہ کھڑے نہ ہوئے یحییٰ بھی
یہ بات سمجھ گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ یحییٰ دربار میں پانی مانگتا تھا تو کوئی خادم اس کی
بات پر کان نہ دھرتا تھا اور اگر پانی مانگا بھی تھا تو کئی مرتبہ کہنے کے بعد۔

یعقوب بن اسحاق بیانی کرتا ہے کہ ابواسمیر بن ہمدی جعفر کے پاس اس
عمل میں جو اس نے کثیر لاگت سے تیار کرایا تھا گیا۔ جعفر اس سے کہنے لگا تجھے
منصور بن زیاد پر بے حد تعجب آتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا : کیا تمہیں اس
عمل میں کوئی نقص نظر آتا ہے ؟ اس نے کہا : اس میں عیب یہ ہے کہ ایک
تو اس عمل میں اینٹ نہیں ہے اور دوسرے صنوبر کا درخت نہیں ہے۔ ابراہیم
کہنے لگا : یہ تو اس کی بے وقوفی ہے۔ میں مجھے ایک عیب نظر آتا ہے۔

وہ یہ کہ آپ نے محل بنانے پر دو کروڑ درہم خرچ کئے ہیں۔ لوگ امیر المومنین کو جا کر بھڑکائیں گے کہ جعفر نے سلطنت کے خزانے میں دراز دستی شروع کر دی ہے۔ اس نے اپنے محل بنانے پر دو کروڑ درہم خرچ کئے ہیں اور انعام اور بخشش اس کے علاوہ، جن کا کچھ شمار نہیں، چنانچہ امیر المومنین پر اس شکایت کا مزور اثر ہو گا۔

جعفر بھی یہ بات سمجھ گیا اور اس نے بعض لوگوں کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ ہارون کے دربار میں اگر اس کے خلاف کوئی بات ہو تو وہ اس کو تاک بتادیں۔

گو برا مکہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ خلیفہ کا دل ان کی طرف سے پھر چکا ہے۔ اور وہ ان کی طرف سے بدظن ہو گیا ہے۔ تاہم کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس ناپسند کا انجام اس قدر الم ناک ہو گا۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح نفرت اور شک و شبہات کے بیج جانبین کے دلوں میں نشو و نما پا رہے تھے۔ آخر ہوتے ہوتے ایسا وقت بھی آگیا کہ ہارون نے پوری طاقت سے برا مکہ کی حیثیت خاک میں ملا ڈالنے کا ارادہ کر لیا، لیکن وہ اس خاندان کو تباہ کرنے اور جعفر کو قتل کرانے کے لئے کسی من سب مرقعہ کی تلاش میں تھا۔ اور یحییٰ بن عبداللہ کی رہائی کے واقعے کی وجہ سے اس کے دل میں جعفر کے خلاف نفرت کی آگ لگ رہی تھی۔ اور فضل بن ربیع جا رہے جا شکائتیں کر کے اس آگ کو ہر ادسے رہا تھا اور ہارون کی بیوی زبیدہ کی مخالفت نے اس آگ کو اور بڑا کا دیا تھا۔

زبیدہ جعفر سے بہت نفرت کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہارون اس کے بیٹے
 امین کو ولی عہد بنائے۔ لیکن جعفر اس کے سوتیلے بیٹے مامون کے حق میں تھا اور
 اس نے ہارون کو اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ وہ امین کے بعد مامون کی ولی عہدی
 کا فرمان لکھ دے گا۔ زبیدہ کو خطرہ تھا کہ ہارون کی وفات کے بعد، جعفر کہیں امین
 اور مامون کی لڑائی کا باعث نہ بنے۔ ان سب باتوں نے مل ملا کر بہا کہ کے خلاف
 فضائیہ کر دی۔

جعفر کا قتل

دارون الرشید ۸۶ھ - ۸۰۲ھ میں حج کے لئے مکہ معظمہ گیا اور اوانکل ۸۷ھ - ۸۰۳ھ میں وہاں سے واپس لوٹا۔ واپسی پر وہ انبار میں ٹھیرا (یہ مقام اسے بہت پسند تھا اور اسی لئے یہاں اس نے ایک عایشان محل بھی بنوایا تھا) اس کے ساتھ باقی لوگوں نے بھی یہیں ٹھہرے ڈال دیئے۔

محل میں خلیفہ اکیلا ہی مقیم تھا۔ اس کے دونوں بیٹے امین اور مامون دوسری جگہوں پر فروکش تھے۔ امین کے ساتھ فضل بن یحییٰ تھا اور مامون کے ساتھ جعفر۔ یحییٰ بن خالد امور مملکت کی دیکھ بھال کے لئے بغداد چلا گیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد فضل بھی بغداد میں اپنے والد کے پاس آ گیا کیونکہ اسے عیش و عشرت کی زندگی سے زیادہ لگاؤ نہ تھا۔

ایک عرصے تک قلعے کے لوگ انبار میں عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہے۔ دن سیر و شکار میں گزارتے تھے اور راتیں ہنسی مذاق اور آرام میں۔ البتہ عیش و آرام کے ساتھ ساتھ سب کو ایک بے چینی بھی لاحق تھی۔ وہ یہ کہ خلیفہ سب لوگوں سے الگ تھلاک محل میں مقیم تھا۔ نہ وہ کسی مجلس میں بیٹھا تھا اور نہ کسی کو اپنے حضور میں طلب کرتا تھا۔ ہر شخص کو ایقین تھا کہ حضورِ ب کوئی نہ کوئی اہم واقعہ ضرور رونما ہونے والا ہے۔

لشکر میں خلیفہ کے اس طرز عمل کے بارے میں چہ میگوئیاں جو رہی تھیں۔ بہر کوئی اپنا اپنا خیال ظاہر کرتا تھا۔ لیکن اصل بات کا کسی کو بھی علم نہ تھا۔ جعفر ہر روز صبح کو سلطنت کے امور کی انجام دہی اور اطراف سے آئی ہوئی ڈاک پیش کرنے کے لئے خلیفہ کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ خلیفہ سے اس کی اس پراسرار علیحدگی کے متعلق ہمیشہ پوچھتا تھا لیکن خلیفہ ٹال جاتا تھا۔ البتہ جب وہ اپنا کام سرانجام دے کر محل سے باہر آتا تھا، تو بہت شادمان و فرحان ہوتا تھا۔ کیونکہ خلیفہ اس سے بہت مہربانی اور لطف و عنایت سے پیش آتا تھا۔

ایک روز صبح سویرے جعفر کے پاس خلیفہ کا حکم پہنچا کہ اس کے ایک کاتب اناس کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اس کام میں قطعاً تاخیر نہ کی جائے۔ یہ حکم سن کر جعفر کی گھبراہٹ اور بے چینی کی انتہا نہ رہی۔ وہ فوراً خلیفہ کے پاس محل میں گیا۔ خلیفہ اس سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ اس نے اسی حالت اضطراب میں دریافت کیا: ”کیا اناس کے قتل کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور آپ ہی کی طرف سے دیا گیا ہے؟“

خلیفہ نے جواب دیا:

”ہاں وہ حکم صبح ہے اور میری طرف سے دیا گیا ہے۔“

جعفر نے پوچھا:

”لیکن امیر المومنین! اس کا قصور کیا ہے؟“

خلیفہ نے جواب دیا:

”وہ فریق اور کا مرتبہ ہے۔“

جھڑنے کہا :

”امیر المؤمنین ! تو کیا مجھ پر حضور کی مہربانیاں اور عنایات سب ختم ہو گئیں ؟“

خلیفہ نے جواب دیا :

”یہ کیا سوال ہے ؟ انا اس زندگی ہے ۔ میری تم سے محبت اور مہربانی کا

اس سے کیا تعلق ؟“

خلیفہ نے اسی وقت جعفر کو بیشمار انعام دینے کا حکم دیا اور جعفر واپس

چلا آیا ۔

اس حادثے کو چند روز گزر گئے ۔ جعفر پر برابر خلیفہ کی فواہشات اور انعامات

کی بارش ہوتی رہی ۔ لیکن جعفر جیسا عقلمند اور ہماندہ شخص خوب سمجھتا تھا کہ یہ فواہشات اور انعامات خالی از علت نہیں ۔

حرم کے آخری دن کی بات ہے ۔ جعفر خلیفہ کے ساتھ شکار کو گیا ۔ شام

کو تھکا ماندہ واپس آیا ۔ واپس آنے پر اس نے دیکھا کہ اس کے بعض ساتھی اور

دوست محل میں اس کا انتظار کر رہے ہیں ۔ اس نے عیش و نشاط کی مجلس بھانسنے کا

حکم دیا اور راگ رنگ میں مشغول ہو گیا ۔

ادھر بارون الرشید اپنے محل میں اکیلا تھا ۔ اس کے پہرے پر نگراندی کے

اثرات ہو رہے تھے ۔ وہ اپنے کمرے میں بھی ادھر سے ادھر ٹپٹنے لگا اور کبھی کبھار

ہو جاتا ۔ کھڑکی میں کھڑے ہو کر کبھی زمین کی طرف دیکھنے لگتا کبھی آسمان کی طرف اپنی

فطری گھاڑ دیتا ۔ آخر اس نے نماز پر مصنی شروع کر دی ۔ فجر کے قریب وہ ایک

عزم صمیم کو چکا تھا ۔ اس نے اپنے دربان مسرود کو آواز دی ۔ وہ آیا اور خلیفہ کے سامنے

دست بست کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا :

• مسرور ! کیا تو اپنے میں اتنی طاقت پاتا ہے کہ امیر المومنین تجھے جو بھی حکم

دیں وہ بلا چون و چرا بجالائے ؟

مسرور نے جواب دیا :

• اگر امیر المومنین مجھے حکم دیں کہ میں اپنا سر کاٹ کر ان کے آگے پھینک دوں

تو میں ایسا کرنے کے لئے بھی تیار ہوں ۔

خلیفہ نے کہا :

• ہاں مجھے تجھ سے یہی امید ہے ۔ تو جعفر کے پاس جا اور اس کا سر کاٹ

میرے سامنے حاضر کر ۔

مسرور نے خلیفہ کا یہ حکم قبول تو کر لیا ، لیکن وہ حیرت اور وحشت کے بلے بٹلے

جذبات کے ساتھ خلیفہ کے سامنے کھڑا رہا ۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھا ، تو اس کی تہری

پر غصے کی وجہ سے بل پر گئے اور اُس نے کہا :

• جو شخص میرے احکام کی بجا آوری میں دیر کرے گا ۔ وہ اسی وقت قتل کر دیا

جائے گا ۔

اب مسرور کے لئے کوئی چارہ نہ تھا ۔ وہ جعفر کی قیام گاہ پر آیا اور اس سے کہا

کہ امیر المومنین انھیں طلب فرماتے ہیں جعفر نے اپنے دوستوں سے معذرت

طلب کی ، اور مسرور کے ساتھ باہر نکلا لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ۔ جب

اُس نے دیکھا کہ مسرور اس کی مشکلیں کس رہے ۔ جب جعفر کو یہ معلوم ہوا کہ مسرور

خلیفہ کے حکم سے ایسا کر رہا ہے تو اس کے چہرے پر وحشت اور خوف کے اثرات

مردار ہوئے لیکن اُس نے اپنے آپ پر قابو پا کر مسرور سے کہا :
 ”مسرور! تم مجھ سے سہنی کر رہے ہو۔ یقیناً امیر المومنین نے بھی مذاق ہی
 کیا ہے۔“

مسرور نے کہا :

”اگر میں مذاق کر رہا ہوں تو خدا مجھے معاف کرے۔ میں نے امیر المومنین کو
 آج کی رات سے زیادہ سنجیدہ کبھی نہیں دیکھا۔“
 جعفر نے کہا :

”تب آنھوں نے بنیذ کے نشے میں ایسا حکم دے دیا ہو گا۔“
 مسرور نے جواب دیا : ”بنیذ تو کئی روز سے امیر المومنین نے چکھی تک
 نہیں۔“

جعفر نے عالم بے چارگی میں کہا :

”اے مسرور! یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔“
 جب مسرور نے اپنی بات پر اصرار کیا، تو جعفر زمین پر گر پڑا اور دُشے لگا
 اس نے مسرور سے کہا :

”مسرور! میں تجھ پر کتنا مہربان تھا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟“

مسرور نے جواب دیا :

”اللہ ہی اصل حقیقت جانتا ہے۔“

جعفر نے کہا :

”میں ان مہربانیوں اور نوازشات کا جو میں نے تجھ پر کیوں، واسطہ دے کر

کہتا ہوں کہ تو مجھے امیر المومنین کے حضور لے چل۔ جے یقین ہے، کہ جب وہ جے
دیکھیں گے، تو میری جان بخشی کر دیں گے۔“

سرور نے جواب دیا :

”یہ ناسنن ہے۔ کیونکہ بادشاہ آپ کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا۔“

بھرنے لگا :

”اگر اور کچھ نہیں، تو کم از کم مجھ پر اتنی مہربانی تو کرو کہ امیر المومنین کے پاس
جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ وہ ضرور تم پر ناراض ہوں گے
اور کہیں گے کہ میں نے ایسا حکم ہرگز نہیں دیا۔ اس صورت میں میری جان بخشی
ہو سکے گی، لیکن اگر امیر المومنین نے اپنے پہلے حکم پر ہی اصرار کیا، تو پھر تم
بیشک ان کے حکم کی تعمیل کر دینا۔“

سرور نے یہ بات مان لی اور جعفر کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے خلیفہ کے
پاس آیا۔ جب ہارون الرشید نے اسے دیکھا تو قبل اس کے کہ سرور اپنی زبان
سے کوئی حرف نکالتا، اس نے کہا :

”اے خاشی! جعفر کا سر کہاں ہے؟“

سرور نے جلدی سے جواب دیا : ”امیر المومنین! محل ہی میں ہے۔“
خلیفہ نے کہا :

”میں جعفر کا سر یہاں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں ورنہ یاد رکھ، جعفر
کی جگہ تیرا سر حق سے جہاں کر دیا جائے گا۔“
سرور یہ سُن کر جعفر کے پاس آیا۔ وہ ناز و چرا تھا۔ اس نے تمام ماجمے کی

اس کو خبر دی۔ اس پر جعفر نے خاموشی کے ساتھ جیب سے رو مال نکال کر اپنی آنکھوں پر باندھ لیا اور سرور سے کہا :

”جو تجھے حکم دیا گیا ہے وہ بجالا۔“

سرور نے تھوڑا سا ایک باغ مار کر جعفر کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسے لے کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

جب خلیفہ کی نظر جعفر کے سر پر پڑی تو وہ خوشی اور ہنسی کے طے ملنے جذبات سے مغلوب ہو کر چلا اٹھا۔ پھر وہ سرور کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا :

”اے جلاؤ! میرے پاس سے نود ہو۔ تو مجھے ڈراما سب سے“

سرور چلا گیا اور خلیفہ، جعفر کے سر کے ساتھ کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ وہ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ آخر بے قابو ہو کر رونے لگا۔

اسی رات اُس نے بغداد، دتہ، اور ملک کے تمام علاقوں میں قاصد روانہ کر دیئے۔ ہر قاصد کے پاس علاقے کے حاکم کے نام ایک پروانہ تھا جس میں براہِ ان کے ساتھیوں اور عددِ گادوں کو گرفتار کرنے اور ان کی تمام املاک ضبط کرنے کا حکم درج تھا۔ چنانچہ اس حکم پر بہت شدت سے عمل کیا گیا۔ براہِ کے کل مالِ اہبہ نقدی اور جاگیروں کی ضبطی سے نہیں کروڑ چھ لاکھ چھتر ہزار روپے وصول ہوئے۔ منجملہ اس کے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے کی رقم مرثِ خراج کی آمدنی تھی جو براہِ کی جاگیروں سے وصول ہو کر داخلِ خزانہ ہوئی تھی۔

یحییٰ اور اُس کے بیٹوں (فضل اور محمد) کو سوائے موسیٰ بن یحییٰ کے قید کر لیا گیا۔ انھیں ”ویر قائم“ میں رکھا گیا اور ان کی حفاظت کے لئے پورے دارمقرر کر دیئے

گئے۔ شروع میں انھیں قید میں ہر قسم کی سہولتیں مہیا تھیں۔ ان کے بیشتر خادم اور نوکر یا ان کی خدمت کے لئے ان کے پاس ہی رہنے دی گئی تھیں۔ لیکن بعد میں ہارون نے یہ سہولتیں چھین لیں اور انھیں قید یا مشقت میں ڈال کر ہر قسم کی سختیاں ان پر کرنے لگا۔

غزنی، جعفر کے قتل کی تفصیل اس طرح بیان کرتا ہے :

۱۰ ہارون ۱۸۶ھ - ۲۰۲ھ میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ واپسی میں اس نے جعفر کے ساتھ حیرہ سے ابنا رنگ گشتی میں سفر کیا۔ ابنا میں عیش و عشرت کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔ روزانہ جعفر کو ہارون کی طرف سے تحفے تحائف موصول ہوتے تھے۔ محرم کے اواخر میں ایک دن شام کو ہارون نے اپنے خادم سرور کو سکایا اور اسے حکم دیا کہ وہ جہانے اور جعفر کا سر کاٹ کر اس کے سامنے حاضر کرے چنانچہ وہ گیا۔ جعفر کے ہاں ماگ رنگ کی محفل جی ہوئی تھی۔ سرور بغیر اجازت جعفر کے پاس چلا گیا۔ اس وقت ابو رکاز یہ شعر پڑھ رہا تھا،

فلا تبعد فکل فقی مسیاقی

علیہ الموت یطرق اودیادی

(تو بے پروا نہ ہو، ہر جان کو موت آئے گی، رات کو آئے گی یا صبح کو)

جب جعفر نے سرور کو دیکھا تو اس نے کہا،

”سرور! تمہارے آنے سے خوشی ہوئی، لیکن بلا اجازت چلے آئے کا

افسوس ہے۔“

سرور نے کہا :

”میں جس کام کے لئے آیا ہوں وہ اس سے بھی زیادہ قابلِ افسوس ہے۔ ایرازلوین نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔ آپ تیار ہو جائیے۔“
 یہ سن کر جعفر، مسرود کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا:

”ایرا المومنین نے نبی کی ترنگ میں مذاقاً حکم سے دیا ہوگا۔ تم لوٹ جاؤ۔“
 لیکن مسرود نے اپنی بات پر اصرار کیا۔ اس پر جعفر نے اس سے التجا کی کہ مجھے تھوڑی سی عبادت دے دو۔ میں گھر میں جا کر جو وصیت کرنا ہے کر آؤں۔ لیکن مسرود نے یہ درخواست نامنتظر کر دی اور کہا: ”جو وصیت کرنی ہے یہیں کر لیجئے۔ یہاں سے کہیں جانے کی عبادت نہیں مل سکتی۔“

چنانچہ جعفر نے وہیں وصیت کی اور اس کے ساتھ داروں کے محل میں آیا وہاں جا کر مسرود اسے ایک بیٹھے میں لے گیا اور اس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد وہ ایک ڈھال میں اس کا سر لے کر، اور ایک چمڑے میں اس کا جسم ڈال کر، خلیفہ کے پاس لے آیا۔ داروں نے اس کے والد، بھائیوں، رشتے داروں اور ساتھیوں کو رتہ میں قید کر دیا اور ان کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا۔“

مصرودی نے مروج الذہب میں اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھی ہے:

”جعفر کو وزیر بننے ایک مدت گزر گئی تھی، اس کا باپ اور اس کے بھائی، مملکت پر پورے طور پر حاوی ہو گئے تھے۔ زبید، داروں کی نہایت ہی محبوب بیوی تھی۔ داروں اس کے کہنے کو کسی صورت میں بھی مانتا نہیں تھا۔ وہ براہِ داروں کو جعفر کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ آخر جب داروں نے اس کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا تو اس نے اپنے خاص الخاص خادم باسر کو بلایا اور اس سے کہا:

”یا سر! جس کام کے لئے میں نے تجھے اس وقت طلب کیا ہے۔ میرے نزدیک اس کے انجام دینے کی قابلیت نہ محمد (امین) میں ہے نہ عبداللہ (مامون) میں اور نہ قاسم (مؤمن) میں۔ اچھی طرح یاد رکھ، میں جو حکم دیتا ہوں، اس کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کیجو، ورنہ تیرے مرتبے اور اعزاز میں مندرق آجائے گا۔“

یا سر نے جواب دیا :

”امیر المؤمنین! اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں تلوار اپنے سینے میں پشت سے پار کر دوں تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے جو حکم دینا چاہتے ہیں دیجئے۔ میں انشاء اللہ فوراً اس کی تعمیل کروں گا۔“

دارون الرشید نے کہا :

”کیا تو جعفر بن خالد برکلی کو جانتا ہے؟“

یا سر نے جواب دیا :

”جی ہاں۔ میں جانتا ہوں۔ ایسا کون ہے جو اُسے د جانتا ہو۔“

دارون الرشید نے کہا :

”اچھا اسی وقت جہاں اور جس حالت میں بھی جعفر تجھے ملے۔ اس کا رکاڑ کر

میرے سامنے حاضر کر۔“

یہ سن کر یا سر پرگو یا بکلی گر پڑی۔ وہ حیران، پریشان، خاموش کھڑا رہا۔

دارون الرشید نے کہا :

”تجھے معلوم نہیں کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کا کیا نتیجہ ہو گا؟“

یا سر نے جواب دیا :

”امیر المؤمنین ! یقیناً مجھے پتہ ہے۔ لیکن یہ سخت مشکل کام ہے۔ میں

اس کام کی بہ نسبت مرجانا بہتر سمجھتا ہوں۔“

یادوں ارشید نے غصے میں کہا : ”مجھے یہ کام کرنا پڑے گا۔ اب اگر کوئی
عذر کیا تو تیرا سر قلم کر دیا جائے گا۔“

جبراً یا سر اراکان سلطنت اور فوجی سپاہیوں کے ایک دستے کے کہ
جعفر کی رہائش گاہ کی طرف چلا۔ جعفر کے ہاں محفل بھی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر
یا سر نے جعفر سے کہا :

”مجھے امیر المؤمنین نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔“
جعفر نے کہا :

”یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ انہوں نے غیبیہ کی ترنگ میں مذاہنہ ایسا حکم دیا
ہو گا۔ یہ ان کا اصل حکم نہیں ہے۔“

یا سر نے جواب دیا :

”آپ کا خیال غلط ہے۔ امیر المؤمنین نے مذاق میں ایسا حکم دیا ہے۔
غیبیہ کی ترنگ میں۔ انہوں نے کئی روز سے غیبیہ کی شکل تک نہیں کی۔“

اب جعفر نے انجا آیز بھو میں یا سر سے کہا :

”مجھ پر میرے ان گنت حقوق ہیں۔ جن کا تو نے آج تک کبھی بدلہ نہیں
آمارا۔ ان احسانات کا بدلہ آمار نے کایہی وقت ہے۔“

یا سر نے جواب دیا :

”میں ضرور اپنا بدلہ اُتار دیتا۔ لیکن امیر المومنین کا حکم کسی طرح ٹال نہیں سکتا۔“
جعفر نے کہا:

”تب یوں کرو کہ اس وقت واپس جاؤ۔ اگر صبح کو امیر المومنین کو پشیمان پاؤ
تو کہہ دینا کہ جعفر زندہ ہے اور اگر وہ اپنے حکم پر قائم رہیں، تب مجھے کوئی غدر نہ
ہو گا۔ رات بھر کی اس ہمت کا صلہ میں اس قدر دوں گا، جس کا حساب نہیں۔“
یا سر نے جواب دیا:

”یہ تو ناممکن ہے۔“
جعفر نے کہا:

”اگر تمہارے لئے ایسا کرنا ناممکن ہے تو میرے قتل میں تمہارا سا توقف
اور کرو اور مجھے ایسی جگہ لے چلو جہاں سے میں امیر المومنین کا حکم اپنے کانوں سے
سُن سکوں۔ اگر تمہارا غدر کام نہ آیا اور اُٹھنوں نے میرے قتل پر ہی اصرار کیا، تو پہلے
بیشک ان کے حکم کی تعمیل کر دینا۔“

یا سر نے یہ بات مان لی اور جعفر کو لے کر بارون الرشید کے محل میں آیا جعفر
کو باہر ہی چھوڑا اور خود اندر کمرے میں جا کر خلیفہ سے کہا:
”امیر المومنین! میں جعفر کا سر لے آیا ہوں۔“
خلیفہ نے کہا:

”اسی وقت حاضر کرورنہ میں تجھے قتل کرا دوں گا۔“

یا سر باہر نکلا اور جعفر سے کہا:

”اب آپ نے خلیفہ کا حکم اپنے کانوں سے سُن لیا؟“

جھفر نے کہا،

”ہاں۔ اب تم بیشک اپنا کام سلا ختام دو۔“

یہ کہہ کر اُس نے جیب سے ایک چھوٹا سا ردِ مال نکالا اور اپنی آنکھوں پر باندھ لیا۔ یا سر نے تلوار چلائی اور اس کا سر حق سے جدا کر کے داروں کے پاس لے آیا۔ جب داروں نے جھفر کا سراپنے سامنے دیکھا تو اپنی گردن اس پر تھکالی اور اُس کے گٹن ہوں کا ذکر کرنے لگا۔ اس کے بعد یا سر کے کہا کہ فلاں فلاں شخص کو سلا۔ لاؤ۔ جب یا سر اُن لوگوں کو لے کر آیا تو داروں نے ان سے کہا کہ یا سر کی گردن اُٹا دو۔ کیونکہ میں یہ پوداشت نہیں کر سکتا کہ جھفر کے قاتل کو اپنے سامنے زندہ دیکھوں۔

جعفر کی شان و شوکت

علاء فخری اپنی کتاب "آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ" میں زوالِ براکہ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اپنے زمانہٴ اقدار میں جعفر اور فضل نے بے حد شان و شوکت، بے پناہ اقدار اور خود مختاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ بادشاہ کبھی یہ نہیں چاہتے کہ ان کے وزیروں، امیروں کی طرف سے اس حدِ شان و شوکت، اقتدار اور خود مختاری کا مظاہرہ ہو کہ اس کے سامنے ان کی اپنی شان و شوکت اور اقدار ہی ماند پڑ جائے۔ اسی لئے یارون الرشید کا فیض و غضبِ براکہ پر نازل ہوا۔

جہاں تک فضل کی شان و شوکت اور خود مختاری کا سوال ہے یہ محض اتمام ہے اہل جعفر کی شان و شوکت، بے پناہ اقدار اور خود مختاری کے متعلق کتبِ سیر و تاریخ میں لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے یہاں صرف دو واقعات درج کرتے ہیں جن سے جعفر کی اس شخصیت کا پتہ چلانے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ علاء فخری کا یہ تجزیہ بالکل درست ہے کہ یہ شان و شوکوہ خلیفہ کی براکہ سے ناراضی اور بالآخر ان کی تباہی اور ان کا مال و اسباب ضبط کئے جانے کا موجب بنی۔ کیونکہ اس کے عہد میں کوئی شخص خواہ کتنی ہی مال دار کیوں نہ ہوتا اور اس کا غلبہ و اقدار کتنا ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس کو اتنی جرأت نہ ملتی کہ وہ اپنی دولت و ثروت کا مظاہرہ اس شان و شوکوہ سے کرتا جیسا جعفر کے کیا۔ جعفر نے ایک روز راگ رنگ کی محفل کا انتظام کیا۔ اس کے تمام ندیم اور

ہم مجلس دستور کے مطابق سرخ - زرد اور ہبز کپڑے پہن کر بیٹھ گئے جعفر نے اپنے دربان کو حکم دے دیا کہ اس کے ایک ندیم عبدالملک بن صالح کے علاوہ جو کسی وجہ سے اس وقت تک نہ پہنچا تھا، کسی دوسرے شخص کو محل میں داخل نہ ہونے دے۔ اس کے بعد شراب کا اندر چلنے لگا اور کنیزوں نے گانا بجانا شروع کر دیا۔

ان دنوں بغداد میں بڑا شرم کا ایک بہت معزز شخص رہتا تھا جس کا نام بھی عبدالملک بن صالح تھا۔ وہ بہت متقی، پرہیزگار اور باوقار انسان تھا۔ یاروں رشید نے ایک مرتبہ اس سے درخواست کی تھی کہ وہ بھی اس کے ندیموں میں شامل ہو کر اس کی مجالس میں شریک ہوا کرے۔ اس غرض کے لئے اس نے اس کو کثیر اقامت و اکرام سے بھی نوازا تھا۔ لیکن اس نے ایسا کرنا منظور نہ کیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس روز بھی عبدالملک بن صالح اپنی بعض ضرورتیں لے کر جعفر سے ملنے آیا۔ جب وہ خانے پہنچا تو دربان نے خیال کیا کہ یہ وہی عبدالملک بن صالح ہے، جس کے متعلق جعفر نے حکم دیا تھا کہ اسے اندر آہٹانے دیا جائے۔ چنانچہ اس نے عبدالملک کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ جب عبدالملک بن صالح عباسی، جعفر کی مجلس میں پہنچا اور جعفر نے اسے دیکھا تو حیا اور شرم کی وجہ سے وہ پانی پانی ہو گیا۔ اس نے کچھ دیا کہ نام کے اشتراک کی وجہ سے دربان کو دھوکا ہو گیا اور اس نے عبدالملک عباسی کو اس کا ندیم سمجھ کر اتفاقاً نے کی اجازت دے دی، حالانکہ اس جیسے پرہیزگار اور متقی انسان کا ایسے وقت میں اس کے پاس آنا جبکہ شراب اور رانگ رنگ کی محفل جمی ہوئی ہو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

محفل کا یہ رنگ دیکھ کر اور جعفر کے شرم آلود چہرے پر نظر کے عبدالملک جیسے سنجیدہ انسان نے فوراً اپنی حالت بدل لی اور مسکرا کر کہنے لگا۔

”کوئی حرج نہیں۔ ہمارے لئے بھی اس محفل کے مناسب کوئی بزرگ کا پٹرا لایا جائے تاکہ ہم اسے پہن کر محفل میں شامل ہو سکیں۔“

چنانچہ فوراً کپڑا لایا گیا جو اُس نے پہن لیا۔ مجلس کا لباس پہن کر وہ جعفر کے ساتھ بیٹھ گیا اور کہا: ”ہمیں بھی پلاؤ۔“ چنانچہ اس کے آگے بھی جام رکھ دیا گیا۔ خٹوڑی سی پی کر اُس نے جام رکھ دیا اور کہا: ”ہمیں اس کی عادت نہیں۔ اس کے بعد وہ کھل کر بندوں کی طرح باتیں کرنے لگا۔ یہ ماجرا دیکھ کر جعفر کے چہرے پر رونق آگئی اور شرمندگی کا شہ جاتا رہا۔ وہ بہت خوش ہوا اور عبداللہ سے کہا:

”آپ کیسے تشریف لائے؟“

عبداللہ نے کہا:

”میں اپنی تین ضرورتیں لے کر آپ کے پاس آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ ان کے متعلق امیر المومنین سے عرض کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھ پر دس لاکھ درہم خزانہ ہے اور مجھے اس کی ادائیگی کی بڑی تکلیف ہے۔ یہ قرض شاہی خزانے سے ادا کر دیا جائے تو دوسری ضرورت یہ ہے کہ میں اپنے بیٹے کے لئے کسی ملاقات کی ولایت چاہتا ہوں۔ جو اس کے شایان شان ہو۔ امیر المومنین اس کو کہیں کا حوالہ بنا کر بھیج دیں۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ امیر المومنین میرے لڑکے کو اپنی فرزندگی میں مینا قبول فرمائیں اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دیں۔“

جعفر نے جواب دیا:

”خدا تعالیٰ نے آپ کی یہ تینوں خواہشات پوری کر دیں۔ مال تو ابھی آپ کے گھر پہنچا دیا جائے گا ولایت کے متعلق یہ عرض ہے کہ میں نے آپ کے بیٹے کو مصر کا

وال بنا دیا۔ ربی شادی تو امیر المؤمنین کو اپنی بیٹی کی شادی آپ کے رُکے کے ساتھ
منقول ہے۔

جعفر کی زبان سے یہ امید افزا جواب سُن کر عبد الملک خوش خوش اپنے گھر چلا
گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ جس رقم کا اس نے مطالبہ کیا تھا وہ پہنچ چکی
ہے۔

جعفر کے نزدیک جو اس وقت حاضر تھے جعفر کی اس جرأت پر تعجب ہوئے کہ وہ
خلیفہ کے خاص الخاص اندر مئی اور گھر پر معاملات کے متعلق بھی اپنا فیصلہ سُنا دیتا ہے
لیکن اس وقت تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے اگلے روز دیکھا کہ
جعفر دوبارہ میں گیا اور تمام ہاجرا کہہ سنایا اور اس وقت تک دربار سے باہر نہ نکلا جب
سکندر بارون نے عبد الملک کے بیٹے کو مصر کی حکومت کا پروانہ دے دیا اور
سامانی کو بلایا اپنی بیٹی کا اس کے بیٹے سے نکاح نہ پڑھوا دیا۔

بارون رشید کے حضور میں جعفر کی اتنی جرأت اور دلیری کے واقعات پڑھ کر،
آج بھی انسان حیرت اور تعجب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یقیناً جس آئنا کہ ایسے
واقعات رونما ہوئے ہوں گے۔ لیکن تادمی بہر حال ان کی تائید کرتی ہے۔ جعفر کا ترتیباً
تمام بارون الرشید کے نزدیک آنا بند تھا کہ اس کے زمانے میں اور کئی شخص اس حد تک
نہیں پہنچ سکا۔ بارون الرشید کو جعفر سے اس کی مخالفت، بذکرہ نئی، ادب، حسنِ خلق اور
حسنِ بیان کی وجہ سے اتنی محبت تھی جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

جعفر اخلاق کی جندی وسیع قلبی اور نازک اور اعلیٰ جذبات کے لحاظ سے فرد
یگانہ تھا ذیل میں جو قصہ درج کیا جا رہا ہے اس سے اس کی سیرت کا یہ پہلو بھی نمایاں

ہر کر سامنے آجاتا ہے ۔

جھڑ اور والی مصر کے درمیان عداوت اور بغضِ حق جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے سے کچھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے جعفر کی طرف سے والی مصر کو ایک جھلی خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ معاملہ رقعہ بڑا ہمارے خاص آدمیوں سے ہے اور اپنی خاص ضرورت سے آپ کے پاس آ رہا ہے ۔ بھلے امید ہے کہ آپ اس کی ہر ممکن مدد کریں گے اور اس کی ساری ضروریات پوری کر دیں گے ۔ جو سلوک آپ اس کے ساتھ کریں گے اس کا احسان مجھ پر ہوگا ۔

یہ خط لے کر وہ شخص مصر پہنچ گیا اور والی مصر کی خدمت میں پیش کر دیا جب والی مصر نے وہ خط پڑھا تو اسے سخت تعجب ہوا کہ جعفر کس طرح اسے ایسا خط لکھ سکتا ہے ۔ اس کے دل میں شک گذرا کہ کہیں یہ خط جھلی نہ ہو ۔ وہ خط لانے والے سے تو بڑی تعظیم و محکم سے پیش آیا اور اس کی رہائش کا بڑا اچھا انتظام کرادیا ۔ لیکن بعد ازاں اپنے ایک خاص آدمی کو لکھا کہ ”ہمارے پاس ایک شخص جو اپنے آپ کو جعفر کا آدمی بیان کرتا ہے ۔ ایک خط لایا ہے جو اس خط کے ساتھ ہی بھیجا جا رہا ہے ۔ مجھے شک ہے کہ کہیں یہ خط جھلی نہ ہو ۔ میں حقیقت حال جاننا چاہتا ہوں ۔ تم مجھے تحقیق کر کے جواب دو کہ آیا یہ خط واقعی جعفر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ۔“

جب بعد ازاں والی مصر کے آدمی کے پاس یہ خط پہنچا تو وہ اسے لے کر جعفر کے کاتب کے پاس گیا ۔ اور اسے سارا قصہ سن کر وہ خط دکھایا ۔ کاتب نے

خطے کر جعفر کے حضور میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا سنایا۔ جب جعفر نے وہ خط دیکھا تو ایک ہی نظر میں جانپ گیا کہ خط جعلی ہے۔ اس کے پاس کئی امرا و اعیان سلطنت بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے وہ خط ان کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا :

”کیا یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ؟“

سب کو جعفر کی طرزِ تحریر کا علم تھا۔ ہر ایک نے انکار کیا اور کہا کہ یہ خط سراسر جعلی ہے۔

جعفر نے انہیں سارا قصہ سنایا اور کہا ”خط گھڑنے والا والی مصر کے پاس موجود ہے اور والی مصر صبحِ صوبتِ حال سے آگاہ ہونے کے لئے جواب کا منتظر ہے۔ اب بتاؤ میں اسے کیا جواب دوں اور اس آدمی کے ساتھ کیا سلوک کروں ؟“

اس پر ایک مصاحب کہنے لگا :

”اس آدمی کو قتل کر دینا چاہئے، تاکہ آئندہ کسی کو ایسا کام کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔“

دوسرا بولا :

”مناسب یہ ہے کہ اس کا دابنا ہاتھ، جس سے اُس نے یہ خط لکھا ہے کاٹ ڈالا جائے۔“

تیسرے نے یہ رائے دی کہ اسے سخت سزا دی جائے۔

چوتھے نے بڑی نرمی سے کام لیتے ہوئے یہ کہا :

”اس آدمی کی سزا یہ ہے کہ جو مقصد یہ شخص حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اس سے محروم کر دیا جائے اور تمام حال دہلی مصر کو مکھڑیا جائے تاکہ وہ اسے ناکام واپس لوٹا دے۔“

جب سب اپنی اپنی کہ چکے تو جعفر بولا،

”بھان! اللہ! کیا تم سب کے سب عقل سے بالکل ہی کرے ہو؟ کیا تمہیں

پتہ نہیں کہ میرے اور دہلی مصر کے درمیان کتنی عداوت اور بیگانگی ہے؟ ہم

دونوں میں سے ہر ایک کی عزت نفس اسے اس بات سے روکتی ہے کہ وہ صلح

کا دروازہ کھولے۔ خدا تعالیٰ نے ہر دونوں کے درمیان صلح صفائی کرنے کا خط

کتا بہت کا دروازہ کھولنے اور عداوت کو دور کرنے کے لئے اس آدمی کو مقرر

کیا ہے۔ کیا ایسے شخص کا یہی بدلہ ہے جو تم نے تجویز کیا ہے؟“

”یہ کہہ کر جعفر نے ہاتھ میں ستم پکڑا اور دہلی مصر کے خط کی پشت پر لکھ دیا:

”بھان! اللہ! آپ کو میرے ہر خط کے بارے میں کس طرح شک

گھڑا کہ وہ جعلی ہے؟ یقیناً وہ خط میری ہی طرف سے تھا اور وہ آدمی

جو یہ خط آپ کے پاس لے کر گیا تھا میرا خاص آدمی ہے۔ مجھے امید ہے

کہ آپ اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آئیں گے اور اسے جلدی حیر

پاس واپس بھیج دیں گے کیونکہ مجھے اس کی سزا ہی گوارا نہیں۔“

جب جعفر کا یہ خط دہلی مصر کے پاس پہنچا تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس شخص

سے پہلے سے بھی زیادہ تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور اسے بہت سامان اور کئی نادار

تختے دے کر مہذب اور عازہ کر دیا۔

جب شخص مال و اسباب اور تحفے تحائف سے لدا پھڑا ہندوا پہنچا تو سیدھا
جعفر کے پاس آیا اور اس کے پاؤں پر گر کر روتے لگا۔ جعفر نے حیرت سے
پوچھا :

”تم کون ہو ؟“

اس نے جواب دیا :

”میں آپ کا غلام ہوں اور وہی شخص ہوں جو آپ کی طرف سے جلی خط لکھ کر
والی مصر کے پاس لے گیا تھا۔“

جعفر نے پوچھا :

”والی مصر نے تمہیں کتنی رقم دی ؟“

اس نے جواب دیا :

”حضرت ! ایک لاکھ درہم۔“

جعفر نے کہا ،

”اچھا ہم اس رقم میں اتنی رقم کا اضافہ کر دیتے ہیں۔“

چنانچہ اُس نے جعفر کے ہاں سے بھی ایک لاکھ درہم پائے اور اس کے
صلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا۔

براکہ پر مظالم

ہارون الرشید کی خلافت سے لے کر جعفر کے قتل تک کا عرصہ، ستر سال
سات ماہ پندرہ دن بنتا ہے۔ یہ آل براکہ کے عروج کا زمانہ تھا۔ لیکن جعفر کے قتل
کے بعد اس تمام خاندان پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور اس پر اس قدر مظالم اُچھائے
گئے کہ پڑھ کر کلیجہ لرزہ کو آتا ہے۔

جعفر کے قتل کے بعد ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹوں فضل
اور یحییٰ اور دیگر افراد خاندان کو گرفتار کر کے، قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ مابتدایہ کے
نو کروں کو انہی کے پاس رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ قید میں بھی ان پر سختی نہ کی
جاتی تھی۔ لیکن کچھ عرصے بعد یہ تمام آسانیاں چھین لی گئیں اور دوسرے عام قیدیوں
کی طرح ان پر بھی سختیاں کی جانے لگیں۔ اس کا سبب بعض مرتدین یہ بیان کرتے
ہیں کہ ہارون الرشید کا یہ خیال تھا کہ براکہ کے پاس ابھی تک وافر مال ہے جو انہوں
نے کہیں چھپا رکھا ہے۔ اس نے چاہا کہ یہ مال مال کرے لیکن جب براکہ کے پوچھا گیا تو انہوں
نے انکار کر دیا اور انکار میں ہرگز کوئی مال نہیں چھپایا۔ اس پر ہارون الرشید نے حکم دے
دیا کہ براکہ سے راحت و آرام کے تمام اسباب چھین کر ان کی قید کو باخشت کر دیا
جائے۔ اس کا خیال تھا کہ قید کی سختیوں کو برداشت نہ کر سکیں گے اور چھپائے
ہوئے مال کا پتہ بنا دیں گے۔

خلیل بن سہیم جسے ہارون الرشید نے قید خانے میں بھیجا اور فضل کی نگرانی پر مامور کیا تھا کہتا ہے :

”میرے پاس خلیفہ کا خاص خادم مسرور آیا۔ اس کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے ان میں سے ایک شخص کے پاس ایک پٹا ہوا رمال تھا۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ خلیفہ نے ان لوگوں پر کچھ مہربانی کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ مسرور نے اگر مجھ سے کہا :

”فضل بن سہیم کو حاضر کرو۔“

جب فضل آیا تو مسرور نے اس سے کہا :

”امیر المؤمنین نے میرے ہاتھ تھیں یہ پیغام بھیجا ہے : میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم اپنا سارا مال واسباب میرے حوالے کرو۔ میرا خیال تھا کہ تم نے میرے اسی حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ ابھی تک تم نے کچھ مال چھپا رکھا ہے میں اب مسرور کو بھیجتا ہوں۔ میں نے اسے حکم دے دیا ہے کہ اگر تم نے اپنے باقی مال کا پتہ نہ بتایا، تو تمہیں سو کوڑے لگائے جائیں۔“

فضل نے جواب دیا : ”مسرور! خدا کی قسم میں نے اپنا تمام مال امیر المؤمنین کے حوالے کر دیا ہے۔“

مسرور نے کہا :

”اے ابو العباس ! میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم اپنی جان پر اپنے مال کو ترجیح دو۔ لیکن اگر تم نے مال کا پتہ نہ بتایا تو پھر مجھے مجبوراً وہ ناگوار فرض بجالانا پڑے گا جس کا مجھے خلیفہ کی بارگاہ سے حکم دیا گیا ہے۔“

یہ سن کر فضل نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہنے لگا :

”اے ابو ہاشم ! (کنیت سرور) میں نے امیر المومنین سے ہرگز جھوٹ نہیں بولا۔ اگر ساری دنیا میرے قبضے میں ہوتی اور مجھ سے کہا جاتا کہ یا تو میں ایک کوڑا کھا کر دنیا کو اپنے قبضے میں رکھوں یا کوڑا نہ کھاؤں اور دنیا کو چھوڑ دوں، تو میں دنیا کے تمام مال و منال کو چھوڑ دینے کو ترجیح دیتا۔ امیر المومنین بھی جانتے ہیں اور تو بھی جانتے ہو کہ ہم ہمیشہ اپنی دولت کے بجائے اپنی عزت بچاتے رہے ہیں۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی جانوں کے جوئے اپنے اموال بچائیں۔ البتہ اگر مجھے کوڑے ہی مارنے ہیں تو جو تھا حاجی چاہے کرو۔“

سرور نے فضل کی باتیں سن کر رومال لانے کا حکم دیا۔ جب رومال لا لیا گیا اور اُسے کھد لایا تو اُس کے اندر سے کوڑے نکلے۔ اُس نے اپنے ساتھ آسمان سے غلاموں کو حکم دیا کہ پوری شدت سے یہ کوڑے فضل کے جسم پر برسائیں چنانچہ غلاموں نے بے دردی سے فضل کو کوڑے مارنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ وہ درد کی شدت سے جے جوش ہو کر گر پڑا۔

جب سرور چلا گیا تو میں (خلیل بن مسلم نگار قید خانہ) نے ایک شخص سے جس کا نام ابو یحییٰ تھا کہا کہ ایک آدمی جو پہلے قید خانے میں ہوتا تھا وہ کوڑے کئے تو اس کے علاج کا بڑا ماہر صحت تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھ کر آیا وہ فضل کا علاج کروے گا؟ چنانچہ ابو یحییٰ اُس شخص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا وہ فضل بن یحییٰ کا علاج کروے گا۔ اُسے کوڑوں کی سزا دی گئی ہے۔

اس نے بڑی خوشی سے اپنی رضامندی ظاہر کر دی چنانچہ ابو یحییٰ اسے لے کر

تید خانے میں آیا۔ اس نے بڑی توجہ سے فضل کا علاج کیا جس سے وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔

ٹھیک ہونے کے بعد فضل نے ابو یحییٰ سے کہا: ”مجھے دس ہزار درہم کی خدمت ہے۔ تم سنائی دے پاس جاؤ اور میرا نام لے کر اس سے اتنی رقم قرض لے آؤ۔“
 چنانچہ ابو یحییٰ فضل کا رقعہ لے کر سنائی کے پاس آیا۔ اس نے فوراً دس ہزار درہم گنی دئے۔ وہ یہ رقم لے کر فضل کے پاس پہنچا۔ فضل نے اس سے کہا:
 ”اے ابو یحییٰ! تم یہ رقم لے کر اس آدمی کے پاس جاؤ جس نے میرا علاج کیا تھا۔ اس سے معذرت کرنا اور درخواست کرنا کہ وہ یہ حقیر رقم میری طرف سے قبول کرے۔“

ابو یحییٰ اس شخص کے پاس گیا وہ بڑا مفلس اور تلاش تھا چٹائی پر سوتا تھا۔ اس کے گھر کا سامان بھی بہت معمولی تھا۔ ابو یحییٰ کو دیکھ کر اس نے کہا:
 ”ابو یحییٰ! اب کسے میرے پاس کیوں آئے ہو؟“

ابو یحییٰ نے فضل کی طرف سے معذرت کہتے ہوئے دس ہزار درہم کی رقم اس کی خدمت میں پیش کی اور کہا: ”چونکہ تید میں ہونے کی وجہ سے وہ بہت ہی تنگ سیٹھا ہے اس لئے اس نے یہ حقیر رقم آپ کی خدمت میں بھیجی ہے۔“

جراح نے حیرت سے ابو یحییٰ کی طرف دیکھا اور کہا: ”دس ہزار درہم؟“
 ابو یحییٰ نے: ”ہاں یہ درہم اپنے علاج کے معاوضے میں فضل نے تمہیں بھیجے ہیں۔“

جراح: ”مگر میں تو اسی میں سے ایک درہم بھی لینے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے

معاوضے کے لالچ میں فضل کا علاج نہیں کیا۔

ابوبکھی نے بہت کوشش کی کہ وہ یہ رقم لے لے لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر ابوبکھی نے فضل کے پاس جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ فضل نے کہا "شاید اس نے یہ رقم اس وجہ سے نہیں لی کہ وہ اسے اپنے علاج کا صحیح معاوضہ نہیں سمجھتا ہو گا۔ تم سنانی کے پاس دوبارہ جاؤ اور اس سے دس ہزار درہم کی ادائیگی درخواست کرو۔ اگر وہ دس دس تو میں ہزار درہم کی رقم جراح کے پاس لے جاؤ امید ہے وہ اسے قبول کرے گا۔"

"ابوبکھی پھر سنانی کے پاس گیا اور مزید دس ہزار درہم لے کر جراح کے پاس پہنچا۔ لیکن اس نے ایک جبرجی لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "اگر ان میں ہزار درہم کی جگہ میں ہزار دینار بھی چرتے تب بھی میں انہیں قبول نہ کرتا۔"

مجبور ہو کر ابوبکھی فضل کے پاس پہنچا اور جو بتاتا تھا کہ سنایا۔ فضل نے اس سے پوچھا:

"تمہارے نزدیک ہمارے زمانہ اقتدار میں ہمارا سب سے شاندار کارنامہ کون سا ہے؟"

ابوبکھی نے کوئی واقعہ اسے سنایا۔ اس پر فضل نے کہا:

"اے چھوٹو۔ خدا کی قسم! اس جراح نے جبر کا نام لیا ہے وہ ہمارے زمانہ

اقتدار کے سب سے بڑے کارناموں سے بڑھ کر ہے۔"

مسلم بن ہارون جو براہِ کمال کا خاص آدمی تھا بیان کرتا ہے کہ ہارون الرشید

رقم میں ہرقم تھا۔ میں یہی برکتی کے ہم رکاب تھا۔ کیا ایک یہی کو خیر اندیشی۔ غوثی دیر میں

گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور کہا :

”سہل ! یہ کیا ہوا ؟ خدا کی قسم ! میری حکومت اور عزت جاتی رہی اور میرے

اقبال کا زمانہ ختم ہوا۔“

میں نے پوچھا :

”آپ کیا فرماتے ہیں ؟“

اس نے کہا :

میں نے ابھی خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھے یہ شعر سُنا رہا ہے ۔

كان لم يكن بين الصبيان الى الصفا

انيس ولم يسر بمكة سامر

(میں اب اس درجے کو پہنچ گیا ہوں گویا کبھی مجھ سے ملے کہ سفاک میرا

کوئی دوست ہی نہیں تھا اور گویا کہ میں کبھی کسی قصہ گو نے مجھ سے کوئی قصہ کہا ہی

نہیں) یعنی میں بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہوں)

میں (بھگئی) نے اس شعر سننے والے کوئی البدید یہ جواب دیا ،

بنی تخن كسنا اهلها فابادنا

صروف اليا في والجدود العواثر

(ہاں بے شک ہم وہاں کے رہنے والے تھے ، لیکن ہمیں انقلاباتِ زمانہ

اور تقدیر نے تباہ و برباد کر دیا)

سہل بن یارون بیان کرتا ہے کہ میں چپ ہو رہا لیکن برابر منتظر رہا کہ کبھی

پردہِ غیب سے کیا غمور میں آتا ہے ۔ اس واقعے کے تیسرے روز میں بھی اُس کے پاس

ہمیشہ ہوا لوگوں کی عرضیوں پر حکم رکھ رہا تھا کہ ایک شخص دھڑتا ہوا آیا اور بھیڑی پر گر پڑا۔
 یہ بھی نے اپنا سر اٹھایا اور کہا: ”کم بخت تجھے کیا ہو گیا ہے؟“
 اس نے کہا:

”امیر المومنین نے جعفر کو قتل کرا دیا ہے۔“

یہ بھی نے پوچھا: ”کیا واقعی؟“

اس نے جواب دیا: ”ہاں۔“

یہ سن کر بھی نے اپنے ہاتھ سے قلم پھینک دیا اور کہا:

”قیامت بھی اسی طرح یکا یک آئے گی۔“

جعفر کے قتل کے بعد، جہاں ہارون الرشید نے تمام بہانہ کو قید کرنے اور
 ان کا مال و اسباب اور جاگیریں ضبط کرنے کا حکم دیا تھا وہاں یہ حکم بھی دیا تھا کہ جعفر کی
 نعش کے تین ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا بغداد کے پلوں پر لٹکا دیا جائے اور
 سر علیحدہ ”جسراوسط“ (دو میانی پل) پر آویزاں کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔
 عرصہ دراز تک سر اور نعش کے ٹکڑے بغداد کے پلوں پر پھلکتے رہے اور گزرنے
 والوں کے لئے عبرت کا سامان بہم پہنچاتے رہے۔

صفر ۱۸۹ھ (جنوری ۸۰۵ء) میں ہارون الرشید نے علی بن عیسیٰ والی
 خراسان کی سرکوبی کے لئے رے کا سفر کیا۔ ذی الحجہ کے مہینے میں وہ بغداد واپس
 آیا۔ جعفر کا سر اس وقت تک بغداد کے پل پر لٹکا ہوا تھا۔ سل بن ہارون کا بیٹا بیٹا
 کہ جب ہم بغداد کے قریب پہنچے تو جعفر کا سر پل پر دکھائی دیا۔ اس وقت سورج کی
 سیدھی کرنیں جعفر کے سر پر پڑ رہی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا سورج جعفر کی

بچوں میں سے نکل رہا ہے۔ اس وقت میں دارون الرشید کے دائیں جانب تھا اور عبدالملک بن فضل دربان بائیں طرف۔ جب دارون نے جعفر کا سر دیکھا تو اس کے قریب گیا۔ بکھرے ہوئے بالوں کو جمع کر کے چہرے کو گرد و غبار سے صاف کیا اور آنکھوں کو ہلکی ہوئی تختیں بند کر دیا۔ عبدالملک بن فضل نے خلیفہ کے حضور عرض کیا کہ اس شخص جعفر کا گناہ اتنا عظیم الشان تھا کہ اس کو امیر المؤمنین کا عقد بھی معاف نہ کر سکا۔

دارون نے جواب دیا: ”جو شخص حد سے بڑھ جاتا ہے اس کی سزا یہی ہے“ پھر حکم دیا کہ جعفر کا سر اور نعش کے بقیہ ٹکڑے جلا دئے جائیں۔ جس وقت جعفر کا سر جلایا جا رہا تھا تو دارون یہ کہتا جاتا تھا:

”خدا کی قسم! اگرچہ تیرا اثر ذائل ہو گیا ہے لیکن تیرے حالات باقی رہیں گئے۔ اگرچہ تیرا تہہ گھٹ گیا ہے لیکن تیرا ڈھک بند ہے گا۔“

جب یحییٰ اور دیگر آل براہمہ کو تیرہ سو سالوں گزر گئے اور دارون کو اوپر رحم نہ آیا تو یحییٰ کی بیوی اور جعفر کی والدہ فاطمہ نے یحییٰ کی رہائی کی کوشش کرنی چاہی۔ دارون الرشید نے فاطمہ کا دودھ پیا تھا اور اس کی گود میں پلا تھا۔ وہ اپنی رضاعی ماں کی بہت عزت کرتا تھا۔ اکثر معاملات میں اس سے مشورہ لیتا تھا اور اس کے مشورہ کو بہت وقعت دیتا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ فاطمہ کو محل میں آنے کی کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ اور وہ جب چاہیں میرے پاس آ سکتی ہیں اور جس کی چاہیں بخارش کر سکتی ہیں جو خواہ قبول کی جائے گی۔

دارون نے براہمہ کے مردوں کو ”جیس زمانہ قد“ میں اور عورتوں کو ”دارالباقرہ“

میں (بارون ہارون کی بہن کا نام تھا) قید کر رکھا تھا۔ غلطی بھی دارا بارونہ میں تھی۔ اس نے وہاں سے ہارون کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ لیکن اجازت ملنے میں دیر ہو گئی۔ اس پر وہ ننگے پاؤں ننگے سر، ننگے تنہ نکل کھڑی ہوئی اور شاہی محل تک پہنچی۔ عبدالملک بن فضل و ربیع ہارون کے پاس آیا اور کہنے لگا: حضور! امیر المومنین کی واپس اس حالت میں روانہ ہے پر حاضر ہوئی ہے کہ اگر اسے دشمن بھی دیکھ لیں۔ تو ان کے بگڑاؤ ہو جائے گا۔ ہارون نے گھبرا کر فوراً اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ محل میں داخل ہوئی۔ جب ہارون نے دیکھا کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر علیٰ آویسے تو وہ ننگے پاؤں اٹھا اور چند قدم گئے پڑا کہ اس کا استقبال کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔ اس نے ہارون الرشید سے کہا:

”امیر المومنین! کیا زمانہ ہم پر اسی طرح سختی کئے جائے گا اور آپ کی نمائندگی کے باعث لوگ ہم کو روئے نہائے جائیں گے اور ہم پر ایسی ہی جھوٹی تہمتیں لگائی جائیں گی؟ میں نے تو اس واسطے آپ کو دودھ پلایا تھا اور آپ کی خدمت کی تھی کہ زمانے اور دشمنوں کے ہاتھوں سے امان ملے گی۔“

ہارون نے پوچھا:

”اے ام رشید! (وہ اسے ام جعفر کی جگہ ام رشید ہی کہتا تھا) کیا جواب؟“

اس نے جواب دیا۔

”ہمدی کے بعد بھی کا درجہ ہے۔ وہ آپ کے لئے آپ کے والد کی جگہ ہے جس رتبہ کا وہ شخص ہے اس سے آپ خوب واقف ہیں۔ آپ ابھی طرح

جانتے ہیں کہ اس نے آپ کے ساتھ کیسی کیسی مہربانیاں کی ہیں اور خصوصاً باری کے
تعالیٰ میں اس نے جو کوشش کی وہ تو ہر شخص کو معلوم ہے۔

ہارون الرشید نے کہا،

”اے ام رشید! یہ سب ٹھیک ہے، لیکن جو حکم الہی تھا جاری ہو چکا ہے
اور یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک غضب تھا۔“

خاطر نے جواب دیا،

”امیر المؤمنین! خدا تعالیٰ میں تو بہت قدرت ہے جس کو چاہے اللہ تعالیٰ
وہیکہ اور جس کو چاہتا ہے۔ باقی لکھا ہے، جن کا قصور چاہتا ہے معاف کر دیتا
ہے۔“

ہارون الرشید نے کہا،

”یہ تو پتا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے قصور معاف کر دیتا ہے، لیکن یہ
قصور ایسا نہیں ہے جس کو خدا معاف کر دے۔“

خاطر نے جواب دیا،

”غیب کی خبر تو بنیوں کو بھی نہیں ملتی۔ امیر المؤمنین کو کیسے معلوم ہو گیا کہ
خدا تعالیٰ یہ قصور معاف نہیں کرے گا۔“

ہارون الرشید نے یہ فقرہ سن کر اپنا سر جھکا لیا۔ پھر یہ شعر پڑھا،

وَإِذَا الدُّنْيَا انشَبَّتْ أَظْفَارَهَا

الْفَيْتُ كُلُّ قَسِيْبَةٍ لَا تَنْفَعُ

(جب موت اپنے ناخن چھوڑتی ہے تو پھر کوئی تغویذ ناکندہ نہیں دیتا)

لیکن غافل نے فی البدیہہ یہ جواب دیا :

”ایرالمؤمنین! میں کبھی کے حق میں تمویذ نہیں ہوں اور نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ آپ سے شام کا یہ شعر بھی پڑھئے :

وَإِذَا افْتَعَزْتَ إِلَى الذِّخَائِرِ لَمْ تَجِدْ

ذَخْرًا يَكُونُ كَصَالِحِ الْأَعْمَالِ

(جب تجھے سرمائے کی ضرورت پیش آئے تو کوئی سرمایہ نیک اعمال سے بڑھ کر نہیں ملے گا)

خدا تعالیٰ نے بھی مومنوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے عقدہ کرپنے والے اور لوگوں سے دور گزار کرنے والے ہوتے ہیں۔

یادوں نے یہ سن کر دوبارہ اپنا سر ہتھوڑی دیر کے لئے جھکالایا۔ پھر یہ شعر پڑھا :

إِذَا انْصَرَفَ نَفْسِي عَنِ الشَّيْءِ لَمْ تَكُنْ

إِلَيْهِ بِوَجْهِ أَخِي الدَّهْرِ تَعْبِلُ

(جب میرا نفس کسی سے منہ موڑ دیتا ہے تو آخر دم تک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا)

غافل نے فوراً جواب دیا :

سَتَقَطُّعُ فِي الدُّنْيَا إِذَا مَا قَطَعْتَنِي

يَمِينُكَ فَإِنَّا نَحْنُ كَيْفَ تَبْدَلُ

(اگر تجھ سے قطع تعلق کرے گا تو ایسا کرنا اپنے ہاتھ کو کاٹ کر چینک

دینے کے مزاد نہ ہو گا۔ مجھے بتا دوسری۔ اگر تُو نے اپنا دانا ہاتھ کاٹ کر چھینک دیا تو اس کے بدلے کو نہا ہاتھ لے گا۔)

رشید نے کہا: ”میں اس بات پر راضی ہوں۔“

دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن یاروں کا دل نہ سوجھا اور وہ کبھی کو چھوڑنے پر کسی طرح بھی رضامند نہ ہوا، آخر مجبور ہو کر فاطمہ نے سبز زمرہ کا ایک ٹپہ پیش کیا، جس میں سونے کا قخل لگا ہوا تھا۔ یاروں نے اسے کھولا تو اس میں سے اُس کے بال اور بچپن کے ٹٹے ہوئے دانت نکلتے جو مشک میں ڈوبے ہوئے تھے۔

فاطمہ نے کہا:

”امیر المؤمنین! میں ان چیزوں کو اپنا شیوع بناتی ہوں اور عاجزانہ التجا کرتی ہوں کہ بھیجی کو چھوڑ دیجئے۔“

یاروں نے جب ان چیزوں کو دیکھا تو اس کا دل بھر آیا اور وہ رونے لگا اس کے ساتھ سارے درباری بھی رونے لگے۔ جب رونادھونا کم ہوا تو یاروں نے تمام چیزوں کو اسی ڈبیا میں بند کر دیا اور کہا:

”آپ نے امانت کا حق خوب ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پُرایا کہ امانتیں ان کے حق داروں کو لوٹا دو۔“

فاطمہ نے جواب دیا:

”اللہ تعالیٰ یہ بھی تو حکم دیتا ہے کہ ہم جو بھی مفید کریں وہ عدل و انصاف کے ساتھ کریں اور یہ بھی تو حکم دیتا ہے کہ ہم جو بھی عہد کریں اسے

”جو ما کریں“

دارون نے کہا :

”میں چاہتا ہوں کہ ڈبیا کو آپ سے خرید لوں، بتلائیے اس کی کیا قیمت آپ کے پیش کروں۔“

فاطمہ نے جواب دیا :

اس کی قیمت یہ ہے کہ ان دو گوں کو رہا کر دیجئے جن پر ناراغز ہو کر آپ نے انہیں قید کر رکھا ہے۔“

دارون نے کہا :

”یہ تو نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے علاوہ اور چھ آپ کہیں گی۔ میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔“

فاطمہ نے کہا :

”اس صورت میں یہ ڈبیا میں آپ کو بطور تحفہ پیش کرتی ہوں۔ یہ آپ ہی کو مبارک رہے۔“

چنانچہ ڈبیا دارون کے ہاتھ میں چھوڑ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دارون بہت روگیا اور ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکا۔ اس کے بعد فاطمہ کبھی دارون کے پاس نہیں آئی۔

محمد بن عبدالرحمان اٹھی بیان کرتے ہیں کہ ”براہمہ کے دوال کے بعد، میں ایک دفعہ حمید کے روز اپنی والدہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان سے ایک بوڑھی خاتون بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ میری والدہ نے مجھ سے کہا : ”اپنی خالہ کو سلام کرو۔“ میں

نے پوچھا: ”یہ کون ہیں؟“ انھوں نے کہا: ”تم نہیں جانتے؟ یہ جعفری بھائی کی والدہ ہیں۔“ میں یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ مجھے شدید رنج ہوا۔ میں نے انھیں سلام کیا اور کہا:

”اس وقت مجھے آپ کو دیکھ کر انتہائی رنج اور افسوس ہوا۔“

انھوں نے کہا:

”بیٹے! دنیا اسی کو کہتے ہیں۔ کبھی وہ بھی زمانہ تھا کہ عید کے دن میرے سر پہ چار سو کنیزی ہوتی تھیں اور ایک یہ عید بنے کہ میرے پاس صرف دو پستیں ہیں ایک کو بچھا لیتی ہوں اور ایک کو اوڑھ لیتی ہوں۔“

میں نے ان کی خدمت میں پانچ سو درہم پیش کئے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ اپنی وفات تک ہمارے یہاں آتی رہیں۔

براہمہ کے ساتھ حمزا اور جعفر کے ساتھ خصوصاً جو کچھ ہوا اس کی وجوہات بعض سیاسی تھیں۔ جب خلیفہ نے دیکھا کہ ان کی قوت و شوکت بڑھتی جا رہی ہے اور ان کا نفوذ و امتداد نہایت تیزی سے مملکت کے ہر شعبے میں پھیلتا جا رہا ہے تو اسے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کا نتیجہ اس کی خلافت سے علیحدگی یا براہمہ کی جانب سے بغاوت کی صورت میں نہ نکلے۔ پس یاروں کا دل اس خطرے کے پیدا ہوتے ہی براہمہ کے خلاف حیف و غضب سے بھر گیا اور اس نے اُن کو شاکر ہی دم لیا۔

بعض مورخین نے جعفر کے قتل کا سبب جعفر اور یاروں کی بہن عباس کی شادی

کو قرار دیا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں قطعاً کوئی حقیقت نہیں۔ یہ قصہ اختراع کرنے والے اس بات کو قطعاً بھول جاتے ہیں کہ ہارون کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں جو خصوصیات ملی تھیں۔ وہ ان پر کس شدت سے کار بند تھا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ ابو مسلم کا دولت عباسیہ کے قیام اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں کتنا بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن منصور نے اس کو اس کے جن گناہوں کی پاداش میں قتل کرایا تھا، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس نے اپنے لئے منصور کو ایجنہ بنت علی بن عبداللہ بن عباس کی شادی کا پیغام بھیجا تھا۔ بنو عباس اپنی لڑکیوں کی شادیوں میں عجیبوں سے کرناہنت عمار سمجھتے تھے جتنی کہ اپنے ضعف کے زمانے میں بھی جب کہ آل سلجوق نے ان پر کامل تسلط جما لیا تھا اور خلفاء کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی تھی، وہ اپنے اس دستور کو چھوڑنے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھے۔ ان واقعات کی موجودگی میں ہارون جیسے انسان کے متعلق یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ اپنی بہن عباسہ کی شادی جعفر سے کر دیتا، جو اگرچہ اس کا وزیر تھا لیکن تھا بہر حال غلی۔

اصل بات یہ ہے کہ ہارون کی طبیعت ملکی معاملات میں وہم بگم و سو اس کے درجے تک پہنچی جوتی تھی۔ وہ ہر چیل خور اور حامد کی بات نہ صرف سن لیتا تھا بلکہ اس پر یقین بھی کر لیتا تھا۔ اس طرح اس نے اس عظیم الشان خاندان کو جو اپنے جوہر و کرم و داد و بخش، ملکی امور کے انتظام اور سلطنت کے ہر حصے کی دشمنوں سے حفاظت کرنے کی دھم سے مہربان رہی تھی، بکھڑا کر دیا تھا۔ محض حامدوں کی باتوں میں ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

مطلق اعلیٰ بادشاہوں کی یہی خصوصیت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی سلطنت

کو کبھی بھی اس وجہ سے بیٹھا نصیب نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم کب بادشاہ کی طرف سے ہماری معزولی اور گرفتاری کا حکم آجائے۔ جب بھی بادشاہ کے پاس ان کے خلاف کوئی شکایت کی جاتی ہے۔ وہ فوراً اس پر تحقیق کر لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں اپنے ان مخلص خادموں کو شدید ترین سزائیں دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اسے اس وقت قطعاً اس بات کا خیال نہیں آتا کہ ان کی سابقہ خدمات کتنی شاندار ہیں اور انھوں نے ملک کے انتظام اور محدودوں کی خاطر کتنی شاندار قربانیاں سرانجام دی ہیں۔

یہاں بھی یہی ہوا فضل بن ربیع ان کی تباہی کے ورپے تھا۔ وہ بڑا معتمد بادشاہ اور فتنہ پرداز شخص تھا۔ دارون الرشید کے بعد اس کے دونوں بیٹوں امین اور مامون میں جو نفرت اور دشمنی پیدا ہوئی اور ملک کو جن سختیوں و ریزجگوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کا واحد سبب بھی یہی شخص تھا۔ اگرچہ براکہ کے بعد فضل کو وزارت ملی گئی، لیکن وہ اس خلا کو کسی طرح بھی پُر نہ کر سکا جو براکہ کی تباہی کے بعد پیدا ہو گیا تھا اور نہ ہی اس میں ان کاموں کے کرنے کی اہمیت تھی جو براکہ نے سرانجام دیے تھے۔

بے شک دارون الرشید براکہ کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے ساتھیوں اور دوستوں کو سخت سزائیں دینے میں کامیاب ہو گیا، لیکن وہ تاریخ کے صفحات سے ان کا نام اور ان کے عظیم الشان کارنامے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ براکہ قریضوں میں ایڑیاں دوڑا کر مر گئے۔ جعفر کا سرعت و دما دمک بعد ازاں کے ایک پل پر ٹپکا رہا۔ لیکن براکہ کے نام اب بھی تاریخ کے صفحات، شعروں کے دواوین اور ادب کی کتابوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

گو وہ کسی حد تک اپنی قوت و شوکت اور خود مختاری کے اظہار میں مقررہ حدود سے اگے نکل گئے تھے اور بعض باتیں ان سے ایسی سرزد ہوئی تھیں جن کا ملکی سیاست تعاقباً نہیں کرتی تھی۔ لیکن ان واقعات کے باوجود ان کی خدمات ایسی نہیں ہیں جو کھلائی جاسکیں، ان کے کارنامے، جو سلطنت کے انتظام کا باعث ہوئے، ایسے نہیں ہیں کہ ان کی طرف سے آنکھیں بند کی جاسکیں اور اپنے زمانے میں علوم و فنون کی ترویج میں جو گراں قدر کوششیں کیں، وہ اس قابل نہیں ہیں کہ انھیں فراموش کیا جاسکے۔

ہارون الرشید کا رقبہ میں قیام

ہارون نے ہراکہ کو تباہ کرنے کے بعد فضل بن ربیع کو وزارت سونپ دی تھی اور خود بغداد و حیدر آباد میں مقیم ہو گیا تھا۔ مگر عین اس انقلاب کا حقیقی سبب معلوم کرنے میں ناکام رہے ہیں، جس نے اُسے دارالخلافہ حیدر آباد کو ایک دور و ماڈ شہر میں مقیم ہونے پر مجبور کیا۔ محض نے لکھا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ ہارون یہ چاہتا تھا کہ اپنی سلطنت کی سرحدوں کے قریب رہے۔ ہو سکتا ہے یہ سبب بھی ہو لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس نقل مکانی کے کچھ اور اسباب بھی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ہارون یہ چاہتا ہو کہ وہ بغداد اور ہراکہ کے محلات سے دور رہے اور اس طرح اس پریشانی اور اضطراب سے نجات پاسکے جو بغداد میں رہتے ہوئے ہر وقت ہراکہ کا خیال آتے رہنے کی وجہ سے اس کے دل میں سرزد ہوتا تھا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ ہراکہ کے استیصال کے بعد ہارون کو ایک دن بھی طینا کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ وہ ہر وقت متفکر اور پریشان رہتا تھا۔ کیونکہ اس کی سلطنت کا سامان نظام ہراکہ کی وجہ سے قائم تھا۔ وہ انتہائی اخلاص کے ساتھ سلطنت کے ہر شعبے کی نگرانی کرتے رہتے تھے اور کوئی خرابی پیدا ہوتے ہی اس کی اصلاح کر دیتے تھے۔ یہ ہراکہ ہی تھے جنہوں نے ہارون کو خلافت دلائی تھی اور اس کی راہ سے ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کیا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ہارون کی حیثیت ملک کے دوسرے

جیسا ہی امرار سے کسی طرح بہتر نہ ہوتی اور خلافت اس کے بجائی ہادی کے میٹوں کی طرف منتقل ہو جاتی۔ ہادی کی ہمت ہی رقیق القلب اور چارواک انسان تھا۔ اس نے براہِ کد کو تباہ نہ کر دیا لیکن وہ انہیں قبول کس طرح مکتا تھا؟ اور ایسے شہر میں کس طرح رہ سکتا تھا۔ جہاں ہر وقت براہِ کد کی یاد اُسے تڑپاتی رہتی اور ان کی صورتیں اُس کی آنکھوں کے آگے گردش کرتی رہتیں۔

براہِ کد کی تباہی کے بعد اُس نے شعرا کو حکم دے دیا تھا کہ کوئی ان کا مرثیہ لکھنے نہ پائے ورنہ اسے سخت سزا دی جائے گی۔ ایک دن ہادی کے بعض سپاہی براہِ کد کے کنڈرات کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ان کنڈرات میں بکھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے اور وہ بڑے سوز و گداز سے براہِ کد کا مرثیہ پڑھ رہا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ کر ہادی کے سامنے پیش کر کے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ ہادی نے پوچھا کہ جب میں نے حکم دے دیا تھا کہ کوئی شخص براہِ کد کا مرثیہ کہے نہ پڑھے تو تمہیں میری حکم عدول کی جرأت کس طرح ہوئی؟ اس شخص نے جواب دیا :

”امیر المؤمنین! آپ مجھے اپنا ایک قصہ بیان کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ جو چاہیں مجھے سزا دیں۔“

ہادی نے کہا :

”اچھا کہو۔“

اس نے قصہ سنانا شروع کیا :

میں یحییٰ بن خالد برکی کا ایک معمولی عذر تھا، اور بہت تنگ دستی سے گزارہ کرتا تھا۔ ایک دن یحییٰ نے مجھ سے کہا: ”میں چاہتا ہوں کہ کسی موقع تم اپنے گھر میں میری دعوت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! میں اس لائق کہاں! اور میرا گھر اس قابل کہاں؟ جو کچھ میری حالت ہے وہ حضور پر عیاں ہے۔“ یحییٰ نے کہا: ”نہیں تم میری دعوت ضرور کرو۔“ میں نے جواب دیا: ”اگر حضور کا یہی منشا ہے تو پھر مجھے کچھ عرصے کی ہمت دیجئے تاکہ میں اپنی اور اپنے گھر کی حالت کچھ درست کر سکوں۔“ یحییٰ نے پوچھا: ”کتنے عرصے کی ہمت چاہتے ہو؟“ میں نے عرض کیا: ”حضور ایک سال کی۔“ اُس نے کہا: ”یہ تو بہت زیادہ ہے۔“ میں نے عرض کیا: ”تو پھر چند ماہ کی ہمت دے دیں۔“ یحییٰ نے ہمت دے دی۔ میں گھر گیا۔ گھر کی حالت درست کی۔ دعوت کا سامان تیار کیا۔ جب سب سامان تیار ہو گیا تو میں نے یحییٰ کو اطلاع کر دی۔ اُس نے کہا: ”اچھا ہم کل تمہارے ہاں کھانا کھائیں گے۔“

اپنے وعدے کے مطابق اگلے روز یحییٰ اپنے بیٹوں جعفر اور فضل اور چند خادموں کے ہمراہ میرے مکان پر پہنچ گیا۔ اپنے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس کے بعد جعفر اور فضل اُتارے۔ یحییٰ نے مجھ سے کہا:

”ہمیں بہت بھوک لگی ہے اس لئے کھانا دسترخوان پر جلدی چنوا دو۔“

”چنانچہ تمام سامان دسترخوان پر چنایا گیا اور تمام حاضرین نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے بعد سب مکان میں بیٹھنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد یحییٰ نے کہا: ”ہمیں اس مکان کے دوسرے حصے میں بے چلو۔“ میں نے عرض کیا: ”حضور! میرا گھر

جو کچھ ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے علاوہ میرے گھر کا اور کوئی حصہ نہیں۔
 یحییٰ نے کہا: یہ غلط ہے اس مکان کے متصل جو زمین ہے سو بھی تمہاری ہی
 ہے۔ میں نے عرض کیا: آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں صرف اپنے اس گھر
 کا مالک ہوں۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کا نہیں۔ یحییٰ نے یہ سُن کر حکم دیا کہ
 معمار کو بلایا جائے چنانچہ فوراً ایک معمار حاضر کر دیا گیا۔ یحییٰ نے اسے کہا
 کہ اس گھر کی دیوار میں ایک دروازہ کھول۔ میں نے پھر چرات کر کے عرض کیا۔
 ”محضراً! میں اپنے پڑوسیوں کے گھروں میں اپنا دروازہ کس طرح کھول سکتا ہوں؟
 خدا تعالیٰ نے ہی پڑوسیوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔“ یحییٰ نے
 کہا: کوئی حرج نہیں۔“ اور دوبارہ معمار کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

معمار نے حکم کی تعمیل میں دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد وزیر اور اس
 کے بیٹے اُسٹے اور دروازے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہم سب
 ایک خوبصورت باغ میں جانکے۔ جہاں بے شمار پھول تھے، فوارے چل رہے
 تھے۔ بلند بالا اعمالات بنے ہوئے تھے، جن میں ہر قسم کا آرائش کا سامان موجود
 تھا۔ یحییٰ نے مجھ سے کہا: مکان اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب تمہارا ہے۔

میں یہ سُن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ بعد میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ
 جس روز میری یحییٰ سے دعوت کے متعلق بات چیت ہوئی۔ اسی روز یحییٰ نے یہ
 زمین خرید کر اس میں باغات لگوانے اور محل بنوانے شروع کر دیے تھے، اور
 آرام و آسائش کی ہر چیز ان میں مہیا کر دی تھی۔ میں اس سے بالکل بے خبر تھا اور
 خیال کرتا تھا کہ کسی اور شخص نے یہ زمین خرید کر اس میں عمارت اور باغات

بزنائے ہیں۔

یہ بھئی نے اپنے بیٹے جعفر سے کہا :

”یہ محل اور یہ باغات تو اس کے ہیں، لیکن ان کے رک رکھاؤ کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“

جعفر نے جواب دیا :

”میں اسے فلاں جاگیر رکھے دیتا ہوں اس کی آمدنی اسے کافی ہوگی۔“

یہ سن کر بھئی اپنے دوسرے بیٹے فضل کی جانب متوجہ ہوا، اور کہنے لگا :

”جب تک اس جاگیر کی آمدنی اسے وصول نہ ہو۔ اس وقت تک یہ کہاں سے خرچ کرے گا؟“

فضل نے جواب دیا :

”مگر میں میرے پاس دس ہزار دینار ہیں وہ میں ابھی بھجوا دیتا ہوں۔“

یہ بھئی نے کہا :

”بہت اچھا، تم دونوں نے جو وعدے کئے ہیں، انہیں فوراً پورا کرو۔“

چنانچہ جعفر نے موجودہ جاگیر میرے نام لکھ دی۔ فضل نے گرجا کو فوراً

مقررہ رقم میرے پاس بھجوا دی۔ میں مال دار ہو گیا اور میری حالت سدھ گئی۔

اس کے بعد میں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت مال و دولت کمائی اور اب

تک اثیر فیوں میں کھیتا ہوں۔ اسی لئے اسے امیر المؤمنین ! جب بھی مجھے موقع ملتا

ہے میں ان کے اس عظیم الشان احسان کے بدلے میں چند الفاظ ان کی تعریف میں

کہہ دیتا ہوں اور ان کی بخشش کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں۔ اگر میرا یہ
جرم آپ کی نظر میں قابلِ گرفت ہے اور میں اس وجہ سے قتل کے لائق خطیر ثابت ہوں
تو میری یہ گردن حامنہ ہے۔“

بارون الرشید پر اس داستان کے سُنے سے اتنا اثر ہوا کہ اس کی آنکھوں
میں آنسو بھر آئے۔ اس نے اس آدمی کو چھوڑ دیئے کا حکم دیا اور اس کے بعد
لوگوں کو براہِ کھ کے مرثیے پڑھنے کی اجازت دے دی۔

دولت عباسیہ اور بیزنطینی سلطنت

سلطنت کے اندرونی جھگڑوں کے ساتھ، خارجی سیاست بھی اپنا رنگ بدل رہی تھی۔ رومی ہمسایہ مملکت، ہارون کے لئے زبردست خطرہ تھی۔ رومیوں کے حملوں کے خطرے کے پیش نظر ہارون نے سرحدی علاقوں کو جزیرہ اودنسرین سے الگ کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنادیا تھا۔ جس کا نام عوامی رکھا تھا اور اس کا دارالحکومت بنج قرار دیا تھا۔ ۱۷۳ھ - ۷۹ھ میں ہارون نے عبدالملک بن صالح کو سرحدی افواج کا سپہ سالار بنا کر عوامی بھیجا، نزدوک - رحبان - قورس - انطاکیہ اور تیزان میں چھاؤنیاں بنوائیں تاکہ اسلامی فوجیں رومیوں سے جنگ کر کے آئیں، تو ان مقامات پر قیام کریں۔ ان چھاؤنیوں کے مابین کئی مضبوط تعلقے بھی بنوائے۔

اس زمانے میں رومیوں کی فرمانروا ایک عورت حکمراہ یعنی تھی جو ۱۶۴ھ - ۸۰ھ میں اپنے بیٹے قسطنطین کی جگہ تخت پر بیٹھی تھی۔ کیونکہ قسطنطین ابھی نابالغ تھا اور تخت سنبھالنے کے قابل نہیں تھا۔ ۱۷۴ھ - ۹۰ھ میں قسطنطین نے زبردستی اپنی والدہ کو تخت سے اتار دیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ تخت پر بیٹھ کر اس نے فوجیں اکٹھی کیں اور اسلامی سرحدوں پر حملے شروع کر دیے۔ پہلے تو اس علاقے میں مقیم فوجیں رومیوں کے حملوں کو پساکرتی رہیں۔ لیکن جب حملوں کا زور ختم نہ ہوا تو ہارون نے خود سرحد پر جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۱۸۱ھ - ۹۷ھ میں وہ کھاند فوج کو لے کر

رومیوں پر حملہ آور ہوا اور قلعہ مصفا صاف کو فتح کر لیا۔ عبد الملک بن صالح رومیوں کے قنائب میں انگوڑہ تک پہنچ گیا۔

اسی سال قسطنطین کو اس کی والدہ ملکہ ایرینی نے تخت سے اتار دیا اور دوبارہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ایرینی نے دیکھا کہ اس کی سلطنت اس وقت دو زبردست مخالف طاقتوں سے گھری ہوئی ہے ایک جانب ہارون الرشید کی عباسی سلطنت تھی، دوسری جانب فرانس کے بادشاہ شارلین کی سلطنت۔ ادھر سے ہارون چاہتا تھا کہ رومی سلطنت کو زبردست ٹک پہنچائے، دوسری طرف شارلین کی خواہش تھی کہ وہ مغربی اور مشرقی رومی ممالک کو ملا کر پھر ایک بڑی سلطنت قائم کرے جسے دیکھ کر پرانی عظیم اٹلان رومی سلطنت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جلے۔

ملکہ مذکورہ نے یہ دیکھ کر، کہ وہ شارلین اور ہارون الرشید دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، خوشامد کر کے ہارون کو صلح پر راضی کر لیا اور سالانہ جزیے کے طور پر ایک رقم یعنی منظور کر لی۔

۸۰۲-۸۰۶ء میں ملکہ کے خلافت، بغاوت ہوئی اعدا مارکیں سلطنت نے ایرینی کو تخت سے اتار کر نفقور (نانشفورس) کو اس کی جگہ بادشاہ بنا دیا۔ اس نے پہلے تو شارلین سے صلح کر کے اپنی سلطنت کی حدود قائم کرائیں۔ پھر ہارون کو یہ خط لکھا :

”ملکہ ایرینی نے مجھ کو ’رخ‘ کا مرتبہ دے دیا تھا اور خود ’پیارہ‘ بن گئی تھی۔
دیکھتے اپنی دولت بھیجتی رہتی تھی۔ حالانکہ تجھے اپنی دولت اسے بھیجتی رہتی تھی لیکن

ایک عورت کی کمزوری اور حماقت سے ٹوٹنے کا تذکرہ اٹھایا۔ اب تیرنی اسی میں خیریت ہے کہ جو دولت تو نے اس سے وصول کی ہے، وہ واپس کر دے اور ساتھ ہی جزیہ بھی ادا کر۔ ورنہ تلواریں اسے اور تیرے درمیان فیصلہ کرے گی۔

جب یہ خط ہارون کے پاس پہنچا تو وہ اسے پڑھ کر گنگ بگولا ہو گیا۔ امراء و وزراء میں سے کسی کو گشتگو کرنا تو درکنار، اس کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی حرات نہ تھی۔ کچھ دیر کے بعد خلیفہ نے قلم اور روایت رنگائی اور اپنے ہاتھ سے فقور کے خط کی پشت پر یہ جواب لکھا :

بسم الله الرحمن الرحيم
امیر المؤمنین ہارون الرشید کی طرف سے
مُدنی کہتے فقور کے نام

میں نے تیرا خط پڑھا، اس کا جواب تو کانوں سے سننے کے بجائے آنکھوں سے دیکھے گا۔

اس کے بعد اسی روز فوج لے کر ملک روم کی طرف کُھنچ کھدیا اور مدنی حدود میں رومیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ گشت و خون سے عاجز آکر مدنی مغلوب ہو گئے۔ فقور نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست جو اس شرط پر منظور کی گئی کہ وہ ہر سال اس سے دگنا خراج ادا کیا کرے گا، جتنا ملک اپنی برائی تھی۔ مرنے کا یہ نہ کرنا۔ فقور نے یہ شرط قبول کر لی اور ہارون نے فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہارون الرشید کے لئے سنہری موتی تھا کہ وہ قسطنطنیہ

پر حملہ کر کے اسے فوج کر لیا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ غالباً اُس نے فرماتے کے بجائے قصاص لینا ہی کافی سمجھا ہو گا اور اسی لئے صلح کے بعد وہ واپس چلا آیا۔ اگر وہ قسطنطنیہ کی تسخیر کا ارادہ کرتا تو کوئی طاقت اسے اس شہر کو فوج کرنے سے روک نہ سکتی۔

ہارون نے صلح پر عمل درآمد کرنے کا کام اپنے تیسرے بیٹے تاسم کے سپرد کر دیا تھا اور خود اپنی سلطنت کی حدود میں آکر مع لشکر کے "سرج و اباق" میں مقیم ہو گیا تھا، جو حلب کے علاقے میں واقع ہے۔ تاسم نے رومیوں سے جزیرہ وصول کیا، اپنے قیدی واپس لئے اور ہارون کے پاس پہنچ گیا۔

ہارون نے پھر کوچ شروع کر دیا۔ ابھی وہ روم بھی نہ پہنچا تھا کہ نقفور نے تمام حدود پیمانہ توڑ دیئے۔ اس کا خیال تھا کہ خلیفہ اب فوراً واپس نہیں لوٹ سکتا اور اس طرح سے اس کی حالت اس قدر مضبوط بنے گا کہ اگر ہارون نے دوبارہ اس پر چڑھائی کی بھی تو وہ اسے بآسانی شکست دے سکے گا۔

جب فوج میں نقفور کے عہد توڑنے کی خبر آئی تو ہارون کے غصے کے خیال سے کسی کی بہت نہ پڑتی تھی کہ اس کو اس عہد شکنی کی اطلاع دے۔ انھیں یہ خیال بھی تھا کہ اگر خلیفہ کو اطلاع مل گئی تو وہ بھی دوبارہ روم پہنچنے کا حکم دے گا اور اس سخت سردی میں روم واپس جانا بہت کٹھن کام ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کا تھا کہ کسی بھی عہد شکنی کو اس واقعہ کی اطلاع دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے اس شخص کے لئے، ابو محمد عبداللہ بن یوسف، ایک شاعر کو تیار کیا جس نے جاگیرداروں کو مندرجہ ذیل نظم سنائی جس میں نقفور کی عہد شکنی کا لطیف پیرائے میں ذکر تھا:

نقص الذی اعطیتہ فقور
 وعلیہ دائرۃ البوار تدور
 ابشر امیر المومنین فانہ
 فتح اتاک بہ الالہ کبیر
 اعطاک جزیتہ وطاقاخذہ
 حذر الصوارم والروی محذور
 فاجرتہ من وقعها وکانھا
 باکفنا شعل الضرام تطیر
 فقور انک حین تغدیان نائی
 عنک الامام لجاہل معرور
 اظننت حسین غدرت انک مفلت
 ہبلنک امک ما ظننت ضرور

(فقور نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اب اس پر ہلاکت کی چکی گھومے گی۔ اے
 امیر المومنین! آپ اس بات سے خوش ہوں کیونکہ درحقیقت آپ کو عظیم الشان فتح
 حاصل ہونے والی ہے۔ فقور نے تواروں کے ڈر اور ہلاکت کے خوف سے آپ کو
 جزیہ ادا کیا اور وقت سے اپنا سر بھجوا لیا۔ آپ نے اس کا سر توار سے محفوظ رکھا۔
 حالانکہ ہماری پتیلیوں سے آگ کے شعلے جڑک رہے تھے۔ اے فقور! تو نے اس
 وقت جب ہمارا امام تجھ سے دُور ہو گیا، جو دشمنی کر کے کوئی اچھا کام نہیں کیا، بلکہ نہایت
 بے مہارت کی حرکت کی جس وقت تو نے اپنا عہد توڑا، تو خیال کرتا تھا کہ تو بچ جائے گا لیکن

یہ تیرا خیال غام ہے۔ اب توبہ کر نہیں جاسکتا)

جب شاعر یہ شعر پڑھ چکا تو ہارون نے پوچھا نہ کیا واقعی قصور نے عذرت کی ہے؟ تب اسے لوگوں نے بتایا کہ آپ کے غیض و غضب سے بچنے کے لئے اس تدبیر سے آپ کو مطلع کیا گیا ہے چنانچہ ہارون نے فوراً اپنی فوج کو روم کی طرف دوبارہ کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ سرخسین روم کے نزدیک اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ سخت سردی پڑ رہی تھی اور راستہ بہت دشوار گزار تھا لیکن ہارون نے قطعاً پروا نہ کی اور اپنے لشکر کو ہر تلاء کے دروازے پر لٹکایا، جو روم کا بہت بڑا اور مضبوط شہر تھا۔ ہارون نے اپنے لشکر کے سرداروں کو بلایا اور ان سے دیا گیا کہ آیا شہر کا محاصرہ کیا جائے یا یکدم اس پر حملہ کر دیا جائے؟ اکثر نے یہ رائے دی کہ ہر تلاء کا محاصرہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ ایک عظیم الشان رومی شہر ہے اور اس کے مطلع ہونے سے رومیوں کی تمام شان و شوکت کا زبر ہو جائے گی۔ ہارون نے بھی اسی رائے کو قبول کر لیا اور تمام لشکر میں منادی کرادی کہ امیر المؤمنین نے شہر کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ لشکر کو چاہئے کہ وہ فوراً محاصرے کی تیاری کرے اور چاروں طرف پھیل کر، پوری طرح شہر کو اپنے گھیرے میں لے لے۔

جب اہل شہر نے دیکھا کہ عباسی لشکر نے شہر کا پوری قوت سے محاصرہ کر لیا ہے تو انہیں زبردست پریشانی لاحق ہوئی۔ ان میں سے بعض نے قلعوں سے باہر نکلنے اور عرب شہسواروں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک بہادر تھے سے نکل کر میدان میں پہنچا اور مبارزت کے لئے پکارا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس جہاد نکلا جو حملہ کرنے اور اپنے دشمن کو سختی سے قابو کرنے میں بے حد مشہور تھا۔ تھوڑی

دیر کی لڑائی کے بعد ابن جوزی نے اپنے درمقابل پر قابو پایا اور اس کا سر کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے شہر پر عام حملہ کر دیا۔ رومی شکر مقابلے کی تاب نہ لاسکا۔ اسے بڑی طعنے شکست ہوئی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ فتح کے بعد مسلمانوں نے تمام تلخے سمار کر دئے۔ تاکہ آئندہ رومی ان میں محصور ہو کر ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس واقعہ کو ابو القاسم حمید ذیل کے اشعار میں بیان کرتا ہے :

الایات ہر قلة بالخراب

من الملک الموفق بالصواب

غدا ہارون یرعد بالمناہیا

ویرقب بالمذکرة القضاء

ورایات یحل النصر فیہا

مترکاً نہا القطع السحاب

امیر المومنین ظفرت فاسلم

وابشر بالعنينة والایاب

(ہرگز کا شہر باد سے بادشاہ کے ہاتھوں جیسے نیک کاموں کی توفیق دی گئی

ہے، تباہ و برباد ہو گیا۔ ہارون دشمنوں کو رست سے ڈھانکا اور دشمنی راں کو چمکا تا ہے

اس کے بہت سے ایسے بھنڈے ہیں جن سے فتح چمکتی ہے اور وہ اس تیزی

سے گزرتے ہیں جیسے بادل۔ اے امیر المومنین! آپ نے فتح پالی ہے۔ آپ

کو مال غنیمت حاصل کرنا اور صحیح و سالم واپس آنا مبارک ہو)

ہر تقد کی فتح کے بعد ہارون الرشید کے سپہ سالار تمام سرزمین روم میں پھیل گئے

اور دھڑا دھڑا شہروں اور قصبوں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ امیر آل عباسی حمید قمر بن
چلا گیا اور قحطیات کے بعد وہاں کے ستر ہزار باشندوں کو غلام بنا کر اپنے
ساتھ لے آیا۔

بعد ازاں ہارون الرشید نے 'طوانہ' کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کیا۔ کچھ
عرسے بعد خود تو کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ البتہ اپنے پیچھے عقبہ بن جعفر کو چھوڑ گیا۔
آخر جب ہر طرف سے مسلمانوں کی پیش قدمیوں کی تباہی و بربادی کی خبریں
آنے لگیں تو مجبور ہو کر نفقہ دینے دوبارہ صلح کی درخواست کی۔ ہارون نے یہ
درخواست قبول کر لی اور اسے جزیرہ ادا کرنے کا حکم دیا، جس میں خود اس کا جزیرہ چار
ہزار دینار اور اس کے بیٹے مستقران کا دو ہزار دینار شامل تھا۔ ان جنگوں میں نفقہ
کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے بے شمار جنگی کشتیاں غرق ہو گئیں اور ایشیائے
کوچک کے اکثر شہر پیر و نہ خاک ہو گئے۔

ان جنگوں میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے، جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔
ہرقل کی فتح کے بعد مسلمانوں نے یہاں سے جو قیدی پکڑے ان میں شہر کے
بطریق اعظم کی حسین و گیل بیٹی بھی جو نفقہ دے بیٹے سے منسوب تھی۔ نفقہ دہندگان
اس کے قبیلہ نے کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے دو بڑے بطریقوں کے
ساتھ ہارون کو زیرِ خط بھیجا۔

عبداللہ ہارون امیر المومنین کے نام

شہنشاہ روم نفقہ دہندگان کی طرف سے

اے بادشاہ! میری ایک حاجت ہے جو اگر تو پوری کر دے تو نہ تیرے

دین کو نقصان پہنچے گا اور نہ دنیا کو۔ وہ یہ کہ ہر تہ کے بطریق کی لڑکی، جو میرے بیٹے سے منسوب تھی، اسلامی فوج کے مال غنیمت میں آگئی ہے۔ اگر تو ازراہ عنایت میری درخواست کو قبول کر کے، وہ لڑکی مجھے دے دے تو میں تیرا بیٹا ہو سکوں گا۔
ہوں گا۔

ہارون نے اس لڑکی کو طلب کیا۔ جب وہ سامنے گئی تو اسے آراستہ کر کے ہر قسم کے عروسانہ ساز و سامان کے ساتھ فقہور کے پاس بھجوا دیا اور اپنے قاصد کے ہاتھ خطریات اور تحفے بھی بھیجے۔ فقہور نے قاصد کو پچاس ہزار درہم دے دیے اور انواع و اقسام کے تحفے و دیباچ کے کپڑے، گھوڑے، شکاری کتے اور بازداروں کے لئے بھیجے۔ فریقین میں یہ حمد نامہ ہوا کہ مسلمان صلہ اور سنن کے قلعوں کو نہ تو طیں گے اور رومی ہر تہ کے برباد شہر کو آباد نہیں کریں گے اور ہر سال تین لاکھ دینار جزیرہ ادا کرتے رہیں گے۔

مغربی رومی سلطنت

۱۔ جس طرح ہارون الرشید کے عہد میں سلطنت اسلامیہ دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک سلطنت عباسیہ اور دوسری سلطنت بنو امیہ، جس نے سپین پر اپنا تسلط قائم کر رکھا تھا، اسی طرح رومی سلطنت بھی دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک مشرقی اور دوسری مغربی، مشرقی رومی سلطنت کے ہارون الرشید سے ابو تعلقات تھے ان کا ذکر صفحات ماقبل میں گزرد چکا ہے۔ یہاں مغربی رومی سلطنت کے ہارون الرشید سے تعلقات کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

اس سلطنت کا حاکم شاہ رملین شاہ فرانس تھا۔ شارلمین نے لمبارڈیا پر قبضہ کر کے سیکن قوم کو جو جرمنی میں رہتی تھی اور ریت پرست تھی، عیسائی بنا لیا تھا پھر اس نے جرمنی اور اٹلی کو بھی فتح کر لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مشرقی رومی ممالک کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لا کر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے اور خلافت اسلامیہ میں وہ دین عیسوی کا علم بردار اور مذاکرین بیت المقدس کا حامی تسلیم کیا جائے۔ اس غرض کے لئے اُس نے دولت عباسیہ سے اپنا تعلق پیدا کرنا چاہا اور ہارون کے پاس سفیر بھیجے۔ ہارون نے بھی دوستی کا جواب دوستی سے دیا اور اس طرح دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شارلمین اور ہارون الرشید کے درمیان دوستانہ

تعلقات اور سفیروں کا تبادلہ محض ایک افسانہ ہے اور اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ نہ یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے اور نہ ان کے درمیان تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ لیکن یہ خیال حقیقت پر مبنی نہیں۔

عربوں اور رومیوں میں اقتصادی تعلقات عرصے سے قائم تھے۔ عرب اور فرانسیسی تاجر ایک دوسرے کی سرزمین میں تجارت کا مال لے کر جاتے تھے اور کثیر منافع اٹھا کر واپس آتے تھے۔ ان کے علاوہ مارسیلز اور یوڈپ کے یہودی تاجر بھی اکثر تجارت کی غرض سے بلا د اسلامیر میں آتے رہتے تھے۔

اقتصادی ضروریات کے علاوہ اور روحانی کشش بھی اہل مغرب کو بلا د اسلامیر کی طرف کھینچتی تھی۔ بیت المقدس مسیحیوں کے نزدیک بھی ارض مقدس ہے اور بلا د مغرب سے سینکڑوں ہزاروں لوگ اس کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس طرح مشرق و مغرب میں دینی اور تجارتی رشتے قائم تھے۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں میں ان تعلقات کے بارے میں جو شواہد ملین اور بارون کے درمیان تھے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ فرانسیسی مورخین نے ان حقائق کو کسی قدر تفصیل اور ایضاح سے بیان کیا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تعلقات زیادہ اہم اور سیاسی رنگ کے نہیں تھے۔ اسی لئے مسلمان مورخین نے ان کا اس اہتمام سے ذکر نہیں کیا۔ شارلمین کی سلطنت دولت عباسیہ سے بہت فاصلے پر واقع تھی۔ شارلمین نے خود ہی پہل کر کے بارون الرشید کے دربار میں وفد اور سفراء بھیجے اور مغربی مقدس میں مسیحی نافرین کے کراہم و سائنس کا خیال رکھنے اور انھیں سہولتیں پہنچانے کی درخواست کی۔ بارون الرشید اور

مسلمانوں کو شارلین کا یا اس کی مملکت کا دھیان بھی نہیں آ سکتا تھا اور نہ ہی وہ اس کی شان و شوکت سے واقف تھے۔ ان تعلقات اور روابط کا فائدہ بھی ہارون سے زیادہ شارلین کو پہنچا۔ کیونکہ مؤخرالہ کر چاہتا تھا کہ خلافت اسلامیہ کے نزدیک اس کا رتبہ شاہ قسطنطنیہ نفع دے برقرار ہو جائے اور اسے خلافت اسلامیہ میں دینی عیسوی کا علم بردار اور دائرین بیت المقدس کا حامی تسلیم کر دیا جائے۔ اسی خیال کے زیر اثر اس نے ہارون الرشید کے پاس اپنے دغود بھیجے جن کے ساتھ اس نے پیش بہا تھے بھی روانہ کئے۔

برابر بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ جہاں مشرقی رومی سلطنت سے ہارون کے تعلقات غراب تھے، وہاں اندلس کی سلطنت ہنی امیہ اور ہارون کے باہمی تعلقات نہایت بُرے اور افسوس ناک تھے۔ ہارون ہنی امیہ کو باغی اور دشمن سمجھتا تھا، اسی وجہ سے ان کو مٹانے اور فنا کرنے کا خواہش نہ تھا۔ شارلین کا ہارون کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اندلس میں بنی امیہ کی سلطنت اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن مضبوط بنانے اور دونوں سلطنتوں کو کمزور کر کے ان علاقوں میں اپنا اقتدار قائم کر سکے۔

شارلین کا جو د سب سے پہلے ہارون کے پاس آیا وہ ایک یہودی ایبب اسماعیل کی زیر سرکردگی تھا۔ ایک ماذنیک ہارون نے اس دغ کو شرف باریابی نہیں بخشا۔ آخر ایک روز انھیں دربار میں بلایا جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو وہاں کی تمام دشوکت دیکھ کر ان کی آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ہارون دربار کے زپ میں سونے کے ایک تخت پر بیٹھا ہے جس پر لا تعداد جواہرات لگے ہوئے ہیں۔

تخت کے دونوں طرف جوستون ہیں ان پر سونے کے پانی سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کے قریب غلام کھڑے ہیں جو ٹنگے ہاتھوں میں لائے خلیفہ کو چھل رہے ہیں۔ تخت کے پیچھے دو غلام انگلی تھواریں لائے کھڑے ہیں۔ تخت کے اوپر ایک چھوٹا سا شامیانہ ہے جو آبنوس کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ یہ شامیانہ سیاہ دیباچ کا ہے جس پر سنہری نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہیں۔ شامیانے کے کناروں پر سونے کے ہلال بنے ہیں جن پر موتی ٹنگے ہیں اور ہر ہلال کے بیچ میں سرخ، زرد اور نیلے یا قوت لگے ہیں۔ ہارون الرشید تخت پر پیش قیمت بھر مک دار لباس پہنے بیٹھا تھا۔ یہ لباس خاص اسی غرض کے لئے تیار کیا گیا تھا کہ بیرونی ملکوں کے وفد آئے پر اسے استعمال کیا جائے۔ اُس نے وفد کے ارکان کا ان کے شایان شان استقبال کیا۔ وہ دربار کی شان و شوکت دیکھ کر بے حد مدعوب ہوئے اور ہارون کی عظمت کا جو نقشہ ان کے دلوں میں بنا ہوا تھا۔ اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ یہ پہلا وفد ۵۸۰ھ۔ ۱۱۸۰ھ میں بغداد پہنچا تھا۔

اس وفد کے جواب میں ہارون الرشید نے بھی اپنا وفد شارلمین کے دربار میں بھیجا اور اس کے ساتھ کئی قیمتی تحفے بھی روانہ کئے۔ ان میں ایک گھڑی بھی تھی غفراس کے شاہی دربار کے بہت سے لوگوں نے اس گھڑی کو جادو کا کوئی طلسم سمجھا اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس میں کوئی جن ہے جو گھنٹی بجاتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے آچا پاکر اسے توڑ ڈالیں مگر شارلمین نے انھیں روکا۔

اس موقع پر ایک معاہدہ بھی عمل میں آیا۔ جس کے تحت سلطنت عباسیہ نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ وہ مغربی مقدس فلسطین کی زیارت کرنے والے مسیحیوں کی حفاظت کا

پر راجہ انتظام کرے گی۔ اس سے پہلے مسیحی زائرین کی حالت بہت قابلِ رحم تھی اور انھیں رہزموں اور ڈاکوؤں سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔

کچھ عرصے بعد شارلین نے ہارون الرشید کے پاس ایک اور وفد روانہ کیا اور اس کے ساتھ اپنے ملک کی بعض نفیس چیزیں بھی بطور تحفہ ہارون کے پاس بھیجیں یہ وفد چار سال یہاں مقیم رہا اس دوران میں دونوں ملکوں کے درمیان اُنڈلس کی سلطنت بنی اُمیہ اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے بارے میں کئی معاہدے بھی عمل میں آئے۔

ہارون الرشید نے بھی اپنا ایک وفد دوبارہ شارلین کے پاس بھیجا جس میں بعض مسیحی بھی شامل تھے۔ وفد کا لیڈر ایک شخص عبد اللہ تھا۔ وفد کے ساتھ کئی مشرقی تحفے اور بہت خوبصورت پوشیمیں کا ایک خیمہ بھی تھا۔ جب یہ وفد یورپ کے میدانوں اور شہروں سے گزرتا تھا تو فضا اس عطر کی خوشبو سے ہمک اٹھتی تھی جو شارلین کو تحفے میں پیش کرنے کے لئے جایا جا رہا تھا اور جس سے یورپ والے اس وقت تک بالکل ناواقف تھے۔

”اے احمر! میں نے اپنے جگر کا ٹکڑا تمہارے سپرد کیا ہے، تم اسے انتہائی
 محنت اور قابلیت کے ساتھ تعلیم دو۔ تعلیم کے دوران میں جو سزا تم اسے دینا
 چاہو تمہیں اس کا اختیار ہے۔ اس پر تمہاری اطاعت اسی طرح واجب ہے،
 جس طرح میری اطاعت۔ اس کو قرآن پڑھاؤ۔ بزرگانِ سلف کے کارناموں سے
 روشناس کراؤ۔ شعر و ادب کی تعلیم دو۔ مخصوص اوقات کے علاوہ، ہنسنے اور
 مذاق کرنے سے روکو۔ اسے جزا شتم کے بزرگوں کی تعلیم کرنی سکھاؤ۔ اسے بتاؤ
 کہ اگر لشکر کے سپہ سالاروں کی مجلس بھی لگی ہو اور جزا شتم کے بزرگ اس کے
 پاس آجائیں تو اسے مجلس برخاست کر کے ان کی تعلیم و تکریم کے لئے اٹھ کھڑا
 ہونا چاہئے۔ ہر وقت اسے نیک کاموں کی نصیحت کرتے رہو۔ اسے گستاخ نہ
 ہنسنے دو۔ کبھی اس کی دور رعایت نہ کرو، جہاں تک ممکن ہو سکے اسے اپنے قریب
 رکھا کرو تاکہ اس میں بڑی حادثیں پیدا نہ ہونے پائیں۔ اگر وہ تمہارے احکام کی
 اطاعت نہ کرے تو بے شک اس سے سختی اور بددستی سے پیش آؤ۔“

مشہور عالم کسائی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ہارون کے پاس گیا۔
 معمولی سلام و آداب کے بعد میں گھر جانے لگا تو ہارون نے مجھے حکم دیا کہ
 ذرا بیٹھے رہو۔ تعمیل ارشاد میں میں بیٹھ گیا۔ جب تمام درباری رخصت ہو گئے
 اور مجلس میں خلیفہ کے صرف خاص آدمی ہی رہ گئے تو اس نے مجھ سے کہا:

”اے علی! کیا تم محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) سے ملاقات کرتا

چاہتے ہو؟“

میں نے عرض کیا: ”ایرالمونین! مجھے تو ان کے دیکھنے کا بہت اشتیاق

ہے اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم کیا اور امیر المومنین کے گھر انھیں پیدا کیا۔“

یہ سن کر ہارون الرشید نے دونوں بیٹوں کو بلوایا۔ حقوڑی دیر بعد وہ نہایت آہستگی اور وقار سے آنکھیں نمچی کئے ہوئے آئے۔ انھوں نے اپنے والد کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ہارون الرشید نے محمد الامین کو اپنے دائیں طرف اور عبد اللہ المامون کو اپنے بائیں طرف بٹھالیا۔ پھر مجھے کہا کہ قرآن مجید اور دیگر علوم میں ان کا امتحان لوں پچنانچہ میں نے ان سے مختلف سوالات کئے۔ انھوں نے میرے سوالات کا اتنی جلدی جلدی اور اتنی تہذیب کے ساتھ جواب دیا کہ میں عجب عجب حیران رہ گیا۔ میں نے خلیفہ کے سامنے ان کی بے حد تعریف کی۔ خلیفہ نے ان دونوں کو سینے سے لگا کر خوب پیار کیا اور پھر رخصت کر دیا جب وہ پہلے گئے تو میں نے دیکھا کہ ہارون کے رخساروں پر آنسو برس رہے ہیں۔ میں نے وجہ دریافت کی تو خلیفہ نے کہا :

”آئندہ ان دونوں بھائیوں میں بڑے بڑے جھگڑے اور لڑائیاں ہوں گی۔ خون بے گناہ قتل و غارت کا سلسلہ قائم ہو گا۔ عورتوں کی بے حرمتی ہو گی۔ زندے مردوں سے بھی بدتر ہوں گے اور اس بات کی تمنا ظاہر کریں گے کہ کاش وہ یہ ہونا کہ نظارہ دیکھنے سے پہلے مر گئے ہوتے۔“

ولی حمادی کے مرنے نے ہارون الرشید کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ اسے ہر وقت یہ سبب صحنی لاس رہتی تھی کہ اس کی وفات کے بعد سلطنت کا کیا بنے گا۔ اور نہ معلوم اس کے بیٹے سلطنت کا انتظام کیسے کر رہے ہوں گے یا نہیں۔

اجنبی کہتے ہیں کہ ایک روز رات کے وقت میں ہارون الرشید کے پاس گیا۔
میں نے اسے نہایت بے چینی اور اضطراب کی حالت میں پایا۔ کبھی وہ بیٹھ جاتا تھا،
کبھی لیٹ جاتا تھا۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو وہ دوڑا تھا اور یہ اشعار پڑھ
رہا تھا۔

قلد امور عباد اللہ ذا فقة
موحد الرائی لانکس ولا بوم
واترک مقالة اقوام ذوی خطل
لا یفہمہون اذا ما معشر فہما

(اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کاموں پر ایسی شخص کو مقرر کرو جو قابل اعتماد
اور عقل مزاج ہو۔ اس شخص کو کبھی کام پھرو نہ کرو جو مستولن مزاج
اور بے وقوف ہو ایسے لوگوں کی باتوں کی پروا نہ کرو جو بیوقوف گنہگار کرتے
ہیں اور انہیں بات کہنے کی تیز نہیں ہوتی)

جب میں نے یہ اشعار سنے تو اپنے دل میں خیال کیا کہ خلیفہ منور کسی اہم امر
کے متعلق سوچنے میں مشغول ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے ایک خادم کو
حکم دیا کہ یحییٰ بن خالد کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ گیا اور اسے بلانے آیا۔ خلیفہ نے
اس سے کہا،

ہاے، برا فضل! رسول اللہ صلعم نے بغیر وصیت کئے ایسے وقت میں وفات
پائی جب کہ اسلام اپنے زمانہ سلطنت میں سے گزر رہا تھا۔ رسول خدا صلعم کی وجہ سے
مرا عرب متحد اور متفق ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحمت

فرما کر انھیں خوف و خطر سے امن دیا اور ذلت کے بعد عزت سے نوازا۔ بھائی آپ کے وفات ہوئی۔ عرب کے اکثر لوگ مرتد ہو گئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد جو ہوا وہ یقین معلوم ہی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا۔ تمام امت آپ کے اس فیصلے پر راضی ہو گئی اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے آخری وقت میں خلافت کا فیصلہ کرنے کے لئے مجلس شوریٰ تمام کر دی۔ اس کے بعد خلافت کے متعلق جو جھگڑے اُٹھے اور مسلمانوں کو جس دور میں سے گزرنا پڑا، اس سے بھی تم اچھی طرح واقف ہو۔ اب میرا یہ ارادہ ہے کہ اپنے جانشینوں کے لئے کوئی بہتر انتظام کر جاؤں اور خلافت کا بار اس کے کندھوں پر ڈالوں، جو چال چلن اور علوت و اطوار کے لحاظ سے بہترین شخص ہیں، جو سیاسی امور کو اچھی طرح سمجھ سکے اور کمزوری اور ضعف اس کے پاس چھپکنے بھی نہ پائے (اس وقت یاروں اپنے بیٹے امین کے لئے دلی عہدی کا فرمان لکھ چکا تھا لیکن ناموں کے لئے کوئی فرمان نہ لکھا تھا) میں عبداللہؓ کو ان صفات کا پوری طرح حامل سمجھتا ہوں۔ لیکن بنو ہاشم اپنے بعض فرائد کو بد نظر رکھتے ہوئے امین کی خلافت کے خواہش مند ہیں۔ گو انھیں اچھی طرح علم ہے کہ امین متدلی مزاج، فضول خرچ اور عیاش ہے اور حورقوں کے کھنڈے پر چلتا ہے۔ اب اگر میں عبداللہؓ کو امین کو امین پر ترجیح دوں تو بنی ہاشم مجھ سے نامراض ہو جائیں گے اور اگر امین کو دلی عہد مقرر کروں تو مجھے اس بات کا خوف ہے کہ سلطنت کے اختتام میں بڑا خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس لئے مشورہ دے رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے، کیونکہ ان امور میں تمھاری نگاہ بڑی دور رس ہے۔

بیچنے کے لئے کہا۔ میں غور میں اس کے متعلق کچھ عرض کر سکوں گا۔" جتنی کہتا ہے کہ اس پر غلطی نے مجھے چلے جانے کو کہا۔ میں وہاں سے اٹھ کر ایسی جگہ پر اکھڑا ہوا جہاں سے میں ان دونوں کی ساری باتیں سُن سکتا تھا۔ چنانچہ وہیں تک ان میں اس معاملے پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ امین کے بعد مامون کی خلافت کا فرمان لکھا جائے۔

لیکن ہارون نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہ فرمان بھی لکھ دیا کہ اس کی وفات کے بعد مامون کو خراسان کی حکومت ملے گی اور امین عراق، افریقہ اور عرب پر قابض رہے گا اس پر امین کی والدہ زبیدہ کو بہت غصہ آیا اور اُس نے ہارون سے شکایت کی کہ آپ نے اپنے بیٹے محمد الامین سے انصاف نہیں کیا۔ ایک تو تمام سلطنت اس کے حوالے کرنے کے بجائے صرف عراق، افریقہ اور عرب کے علاقے اسے دیئے۔ خراسان اور شرقی علاقے مامون کے حوالے کر دیئے۔ دوسرے مامون کو فوج کا اکثر حصہ اور فوجی مصارف کے لئے زرق و برق دینے کا حکم بھی صادر کر دیا اور امین کو اس سے محروم رکھا۔ ہارون نے جواب دیا :

"تمہیں امور سلطنت کی سچیدگیوں کی کیا خبر؟ میں نے تمہارے بیٹے کو جو علاقہ دیا ہے اس میں ہمیشہ امن و امان رہتا ہے لیکن مامون کے حصے میں جو علاقہ دیا ہے وہ بغاوت اور شر انگیزی کا مرکز ہے۔ اس لئے اسے فوج اور روپے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ مامون سے تمہارے بیٹے امین کو کسی قسم کا خطرہ ہوگا۔ البتہ اس بات کا خوف ضرور ہے کہ تمہارا بیٹا مامون کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرے۔"

۸۱۸۶ء - ۸۱۸۲ء میں ہارون الرشید حج کے لئے گیا اور اپنے ساتھ امین اور

مامون کو نہیں لے گیا۔ مکہ معظمہ میں اس نے ان دونوں کی ولی عہدی کا فرمان لکھا اعدا کیجئے کے دروازے پر لٹکا دیا۔

ابراہیم حجازی بیان کرتے ہیں کہ جب وہ فرمان کیجئے کے دروازے پر آویزاں کیا جانے لگا تو وہ لٹکلنے والے کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا: یہ تو بڑی خال ہوئی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس معاہدے پر عمل درآمد ہونے سے پہلے ہی اس کے ٹوٹنے کی نوبت آجائے۔ یہ وہم بعد میں واقعہ بن گیا۔ ہارون نے خانہ کعبہ میں ولی عہد امین سے اس بات کا حلف لیا کہ وہ ان شرائط پر، جو فرمان میں لکھی ہیں۔ پوری طرح کاربند رہے گا، یعنی کس کی وفات کے بعد مامون کو خراسان کی ولایت سپرد کر دے گا اور اپنے بعد مامون ہی کو ولی عہد مقرر کرے گا۔ جب حلف اٹھانے کی رسم کے بعد امین خانہ کعبہ سے باہر جانے لگا تو جعفر بن یحییٰ نے اس سے کہا:

”اگر تم نے عہد شکنی کی تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرے گا۔“

اس نے امین کو اپنے عہد پر قائم رہنے کے لئے تین بار حلف اٹھانے پر بھی مجبور کیا اور امین کو مجبوراً تین بار حلف اٹھانا پڑا۔ اس واقعے سے ہارون افسردہ کی بیوی اور امین کی والدہ زبیدہ کے دل میں جعفر کی طرف سے کینہ اور بغض پیدا ہو گیا اور اس نے پورے زور و اثر سے ہارون کو جعفر کی طرف سے بھڑکانا شروع کیا جس کا نتیجہ جعفر کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔

خراسان میں بغاوت

خراسان کی بغاوت کا مختصر حال پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے یہاں اسے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

خراسان کا والی علی بن عیسیٰ تھا۔ ماردون الرشید نے جس وقت علی بن عیسیٰ کو خراسان کا والی بنایا تھا اس وقت اپنے وزیر یحییٰ بن خالد سے مشورہ کیا تھا (یہ زوالی برا کہ سے پٹنے کی بات ہے) یحییٰ نے اس کی ولایت کی مخالفت کی۔ مگر ماردون نے اس کے مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور علی ہی کو والی بنا کر بھیج دیا۔ جب علی وہاں پہنچا تو اس نے لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانا اور امراء و رؤسا کا مال و اسباب چھیننا شروع کر دیا۔ اس طرح چند ہی دنوں میں اس نے بے حد مال جمع کر لیا۔ اس میں سے اس نے ماردون کے لئے بھی قسم قسم کا عمدہ سامان، کپڑے اور گھوڑے بھیجے۔

جس وقت یہ مال و اسباب ماردون کے پاس پہنچا، وہ ایک چبوترے پر بیٹھ گیا۔ اپنے ساتھ اس نے یحییٰ بن خالد کو بٹھالیا اور اس سے مجلس کر ڈاتا گھنے لگا۔ تم نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ہم علی بن عیسیٰ کو خراسان کا والی نہ بنائیں، لیکن ہم نے تمہارا مشورہ قبول نہ کیا۔ دیکھو! اب میں تمہارا مشورہ قبول نہ کر کے کتنی برکت حاصل ہوئی اور ہم کتنے نائدہ میں رہے۔

بھیجی نے جواب دیا: "امیر المومنین! اگرچہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری ملے دست نکلے اور جو مشورہ میں دوں اسے قبول کیا جائے، لیکن اس سے بھی زیادہ میں یہ چاہتا ہوں کہ امیر المومنین کی رائے درست، اصائب اور بہتر ہو۔ کیونکہ آپ کی فراست میری فراست سے، آپ کا علم، میرے علم سے اور آپ کی معرفت، میری معرفت سے کہیں زیادہ ہے، خدا کرے کہ علی کی ولایت مبارک ثابت ہو، لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ مال علی بن عیسیٰ نے لوگوں پر ظلم و تشدد کر کے حاصل نہ کیا ہو۔ امیر المومنین! اسی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں تو کرخ کے تاجروں سے ابھی ابھی اس سے کئی گنا زیادہ مال جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا: "وہ کیسے؟"

بھیجی نے کہا: "میں نے ایک تاجر سے بیش قیمت ہیرے کا سودا کرنا چاہا تھا اور اس ہیرے کے بجائے اسے سات لاکھ دو ہجڑ پیش کئے تھے، مگر اس نے اس قیمت پر اسے بیچنے سے انکار کر دیا۔ ابھی میں اپنے غلام کو بھیج کر دوبارہ قیمت مقرر کرنے کے بہانے وہ ہیرا منگوایا تھا ہوں اور ہیرا لٹنے پر اس کے واپس کرنے سے انکار کر دیتا ہوں۔ اس سے مجھے سات لاکھ روپیہ کا فائدہ ہو جائے گا۔ اسی طرح میں کرخ کے باقی تاجروں کے ساتھ کر سکتا ہوں اور تین گھنٹوں میں بس ذرا سی کدو کاوش کے ساتھ میں اس سے بھی زیادہ قیمتی مال جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں، جتنا علی بن عیسیٰ نے تین سال میں جمع کیا ہے۔"

تاجروں کے دل میں بھی یہ بات جھڑکنی تھی، لیکن اس نے فی الحال کوئی کارروائی کوئی مناسب تدبیر اور بات کو ٹال گیا۔ لیکن جب علی بن عیسیٰ نے خراسان میں رعایا پر

سخت مظالم و جانے شروع کئے تو وہاں کے سربراہوں نے ماروں کو سارا حال لکھا اور درخواست کی کہ عدل کے واسطے اس عذاب کو ہمارے سروں سے دور کیجئے اور علی کے بھائے کسی اور کو والی بنا کر بھیجئے۔ اس پر یاروں نے بھیجی بن خالد کو بجایا اور اس سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ یزید بن مزید کو والی بنا کر بھیج دیجئے۔ اس وضع بھی خلیفہ نے اس کا مشورہ قبول نہ کیا۔

اب خلیفہ کے پاس خبریں آئی شروع ہوئیں کہ علی بن عیسیٰ خلیفہ کے خلاف نہیں جمع کر رہا ہے۔ اس پر جمادی الاول ۸۹ھ - ۸۰ھ میں خلیفہ اپنے لشکر کے ساتھ سے پہنچا اور وہاں چار ماہ ٹھہرا۔ اسی دوران میں علی بن عیسیٰ خراسان کے کثیر اموال اور ہاریا لے کر خلیفہ کے حضور میں آیا۔ پہلے تو خلیفہ کی خدمت میں تحفے پیش کئے۔ پھر خلیفہ کے سارے بیٹوں، خاندان اور خادموں کو جو اس کے ساتھ تھے مراتب کے مطابق تحفے دئے۔ چونکہ خلیفہ نے کوئی آثارِ بناوٹ کے نہ پائے، اس لئے اس نے اسے دوبارہ خراسان کا والی بنا کر بھیج دیا۔

علی بن عیسیٰ واپس پہنچا اور جس شخص کے متعلق بھی اسے پتہ چلا کہ اس نے اس کی مخالفت میں کسی قسم کا کوئی حصہ دیا تھا اس کو سخت ترین تکلیفیں پہنچانی شروع کیں اور ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔

یہ لوٹ کھسوٹ ہماری ہی تھی کہ راشد بن یثرب بن نصر بن یار نے اس کے خلاف علمِ بناوٹ بلند کر دیا (نصر بن یار بنی امیہ کے وقت میں خراسان کا والی تھا) اس بناوٹ کا سبب یہ تھا کہ ایک شخص یحییٰ بن شمش طائی نے اپنی چھاپا زاد بہی سے جو نہایت مالدار، حسین و جمیل اور ادیب و متقی، شادی کی نحوہ تو دیتا اسلام (مبدا) چلا گیا اور

اس کو سحر قند میں چھوڑ گیا۔ جب اُسے جہذا میں گئے بہت دن ہو گئے اور اُس نے پلٹ کر یوپی کی خبر نہ لی تو مجبور ہو کر یوپی سے اس سے طلاق لینی چاہی۔ رافع بن لیث کو یہ خبر پہنچ گئی۔ وہ پہلے ہی اس کے حُسن و جمال اور دولت مندی کی وجہ سے اس پر خیرینہ ہوتا تھا۔ بھٹ اس کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا کہ تمہارا خاوند تو تمہیں چھوڑ بیٹھا ہے۔ میں ایک معزز خاندان کا فرد ہوں۔ تم مجھ سے شادی کر لو۔ وہ راضی ہو گئی۔ رافع نے اسے یہ حیلہ بتایا کہ موجودہ حالت میں تو میں تم سے شادی کر نہیں سکتا کیونکہ تمہارا شوہر زندہ ہے اور اس نے تمہیں طلاق نہیں دی۔ تم یہ کام کرو کہ اسلام سے بیزاری کا اظہار کر کے مرتد ہو جاؤ اور کچھ لوگوں کو اس پر گواہ بنا لو۔ یہ کام کرنے کے بعد تم تو بر کر لینا۔ اب تمہاری شادی مجھ سے جائز ہو جائے گی۔ اس نے ایسا ہی کیا اور رافع نے بھٹ اس سے نکاح کر لیا۔

جب یحییٰ بن اشعث کو یہ خبر پہنچی تو وہ دو تار پٹیاں داروں کے پاس پہنچا اور اسے باجر آمنایا۔ داروں بہت ناراض ہوا اور علی بن عیسیٰ کو حکم بھیجا کہ دونوں کو تباہ کر دو اور رافع کو پہلے تو بے حد مارو اور پھر ایک گھسے پر سوار کر کے مارے سحر قند میں پھراؤ تاکہ دوسروں کی عبرت کا سامان بنے۔ اس کے بعد اسے قید کر دو۔ سحر قند کے عامل سلیمان بن حمید نے مار تو معاف کر دی لیکن باقی سزائیں جن کا خلیفہ نے حکم دیا تھا اسے دیں۔ پھر اسے قید کر دیا۔ وہ قید سے بھاگ نکلا اور وہاں سے سید صالح بن عیسیٰ کے پاس پہنچا اور امان کا طالب ہوا۔ علی نے اُسے تو کچھ جواب نہ دیا لیکن جلاؤ کو اس کی گردن کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اب اس کا بیٹا عیسیٰ ہی علی آٹھ آبا اور اُس نے سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرادی۔ اُس عورت کو

دوبارہ طلاق دلوائی اور رافع کو سمرقند واپس جانے کی سہارت دلا دی۔ چنانچہ وہ سمرقند چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سمرقند کے عامل سلیمان بن حمید کو قتل کر دیا اور محمود طاعت حاصل کرنی شروع کی۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس نے ماوراءالنہر تک اپنا اثر قائم کر لیا اور لوگوں نے جو حق و رجوع اگر اس کی بیعت کرنی شروع کر دی۔

جب یہ خبریں علی بن عیسیٰ کو پہنچیں تو اس نے اپنے لڑکے کو اس کے مقابلے کے لئے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے تیاریاں شروع کر دیں۔ اور حاضرانہ بہت طاقت حاصل کر لی تھی۔ اہل ہند نے اس کو لکھا کہ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ آپ کچھ آدمیوں کو بھیجئے تاکہ کسی طرح عیسیٰ بن علی کو قتل کیا جاسکے۔ چنانچہ اس نے شاس اور فرغانہ کے ترکوں کی ایک جماعت بھیجی جس نے جا کر عیسیٰ بن علی کو قتل کر ڈالا۔ لیکن اس کے ساتھیوں سے کوئی قہر من نہ کیا۔

علی بن عیسیٰ اس وقت بلخ میں تھا۔ جب اس نے اپنے بیٹے کا حال سنا تو وہ وہاں سے بھاگا اور مرو پہنچا، کیونکہ اس سے خطرہ تھا کہ کہیں رافع یہاں تک نہ پہنچ جائے اور اس کا بھی وہی حشر ہو جو اس کے بیٹے کا ہوا۔

اس کے بیٹے عیسیٰ نے بلخ میں اپنے گھر کے باغ میں ایک بیش بہا خزانہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تیس لاکھ دینار کی مالیت کا تھا، چھپا رکھا تھا، اس حید کو سوتے اس کی ایک لونڈی کے اور کوئی نہ جانتا تھا۔ حتیٰ کہ علی بن عیسیٰ کو بھی اس کی خبر نہ تھی۔ جب علی بن عیسیٰ بلخ سے بھاگ نکلا تو اس لونڈی نے بعض غلاموں کو یہ بات بتا دی۔ جیسے جیسے یہ خبر شہر میں پھیلنے لگی اور لوگوں نے اگر وہ خزانہ لوٹ لیا۔ جب دارون کو یہ خبریں ملیں کہ علی بن عیسیٰ بغیر اس کی عبادت کے بلخ سے

نکل کر جاگ گیا اور اتنا زبردست خزانہ جو لوٹ مار کے ذریعے اور خراج میں سے نجات کر کے جمع کیا گیا تھا اس کے پائیں باغ میں سے نکلا ہے۔ اور وہ رافع کا مقابلا کرنے سے بالکل عاجز ہو گیا ہے جس سے اس کی خیانت، بزدلی اور سیاست سے نااہلی پوری طرح ظاہر ہو گئی ہے تو اسے سخت طیش آیا اور اس نے اسے معزول کرنے اور سخت باز پرس کرنے کا ارادہ کیا۔

اس نے اس غرض سے ہرثمہ بن امین کو، جو بہت بہادر و جریں تھا، بلا یا اور اس سے راز دارانہ کہا کہ سرحد مشرق پر گڑ بڑ ہو رہی ہے۔ اہل فراسان نے علی بن عیسیٰ کی ولایت قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ خود بھی میرے احکامات کو پس پشت ڈال کر اپنی من مانی کرتا رہا ہے اور اب اس نے مجھے مدد بھیجنے کے لئے لکھا ہے۔ میں اسے کھٹتا ہوں کہ تمہاری درخواست پر مدد بھیجی جا رہی ہے اور میں تمہیں مال و اسباب متجہاً اور فوج سے کروڑوں بیج رہا ہوں۔ یہ سن کر وہ مطمئن ہو جائے گا کہ واقعی اس کے لئے خلیفہ نے کمک بھیجی ہے۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے ایک دستاویز لکھ دوں گا، جس کے متعلق کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ جب تم نیشاپور پہنچ جاؤ تو پھر جو کچھ اس اعلان میں لکھا ہوگا اس کے مطابق عمل کرتا۔ اور میں تمہارے ساتھ ہی ایک خادم کے ہاتھ علی بن عیسیٰ کو بھی ایک خط بھیجوں گا۔ اس خادم کو بھی یہ پتہ نہ ہونے پائے کہ تم کس مقصد کے لئے فرامان جاسے ہو، بلکہ یہ بات بالکل مخفی رہے۔ اپنے لشکر میں بھی اس بات کا اظہار کرو نہ کہ تم علی بن عیسیٰ کی مدد کے لئے جا رہے ہو۔ اس کا یہ فائدہ ہو گا کہ علی بن عیسیٰ بالکل مطمئن رہے گا اور اس کے دل میں بشارت یا بجا گئے کا خیال تک پیدا نہ ہو گا۔

علی بن عیسیٰ کو جو خط ہزاروں نے لکھا، اس میں اس کی ساری کرتوتوں کو پشت از با

کرتے ہوئے، وہ مقصد بھی بتایا گیا جس کے لئے اُس نے ہر شے کو بھیجا تھا۔ ہر شے کو جو دستاویز لکھ کر دی۔ وہ مندرجہ ذیل تھی :

”یہ وہ محمد ہے جو یارون الرشید امیر المومنین نے ہر شے بنی امین کو خزانہ کا والی اور نگرانِ خراج بناتے ہوئے کیا ہے۔ اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ تعویذی اختیار کرے۔ خدا اور رسول کی پوری اطاعت کرے اور خدا کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرے۔ ہر بات میں کتاب اللہ کے احکامات کے مطابق عمل کرے۔ خدا تعالیٰ نے جن باتوں کو حلال قرار دیا ہے انہیں حلال سمجھے اور جو تشابہات ہوں ان پر بطورِ خود عمل نہ کرے بلکہ ان کے متعلق فتوا اور علماء سے پوچھ لیا اپنے امام کو اس کی خبر دے تاکہ وہ اُسے خدا تعالیٰ کے احکام کی صحیح حقیقت بتا سکے۔ اسے اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ ناسق علی بن عیسیٰ اس کے بیٹوں۔ ادواس کے عمال کو گریز کرے۔ ان کے ذمے امیر المومنین کا جو خراج اور مسلمانوں کی جو غنیمتیں نکلتی ہیں وہ ان سے اُگلوائے۔ جب یہ معاملہ صاف ہو جائے، تو پھر سناؤ اور معاہدہ کے حقوق کی چیلنج پر تال کرے اور جس کا کوئی حق کسی کے ذمے نکلتا ہو وہ اس کو دلوائے۔ اگر امیر المومنین یا مسلمانوں کے حقوق میں سے کسی نے کچھ غصب کیا ہو اور وہ اس کے لدا کرنے سے انکار کرتا ہو تو پھر اسے لوگوں کو سخت سزائیں دے کر مجبور کرے کہ وہ سب حقوق ادا کر دیں۔ اس کے بعد ان کو باجوہ لانِ وقت کے ساتھ امیر المومنین

کے دربار میں بھیج دے۔ وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی اور حسن کا سلوک کرے۔ ان کے ساتھ کشادہ روی سے پیش آئے، انہیں ان کی توقعات سے بڑھ کر حوصلہ دے، انہیں ہر حملے سے پہلے، وہ کام کرے جسے خدا تعالیٰ اور اس کا خلیفہ خوش ہو۔ یہ میرا اہد نامہ ہے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور میں اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں، صالحین، عرش اور آسمان کے ساکنین کو گواہ بناتا ہوں۔ وکفی بالثبہ شہیداً۔“

ہر شہر خراسان روانہ ہوا اور ہارون کے حکامات پر پوری طرح عمل کیا۔ جب وہ مرد پہنچا تو علی بن عسین اس کے استقبال کے لئے نکلا۔ اسے یہ دہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ ہر شہر و بارخلافت سے اس کی گرفتاری کے لئے مقرر ہو کر آیا ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ محل میں لے گیا۔ محل میں جا کر ہر شہ نے ہارون کا فرمان ہو اس نے علی بن عسین کے لئے لکھا تھا، اسے سنانا شروع کیا۔ اس کے منہ سے پہلا فقرہ نکلتے ہی علی بن عسین کے چہرے چھوٹ گئے اور شروع ہی میں اسے اپنے انجام کی خبر ہو گئی۔ فرمان سننے کے بعد ہر شہ نے اسے اور اس کے بیٹوں کو عمال سمیت قید کر لیا۔ اس کے بعد وہ جامع مسجد گیا اور وہاں منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو بتایا کہ امیر المؤمنین نے علی بن عسین کی سرکشوں، ظلموں اور فسق و فجور کی وجہ سے اسے قید کر لینے کا حکم دیا ہے اور مجھے اس کی جگہ والی بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے بلا اور رعایت کے انصاف کروں انہیں ان کے حقوق دلاؤں اور ان پر جو کچھ ظلم ہو چکے ہیں، ان کا ازالہ کروں۔ پھر اس نے وہ زمان چار دن نے اسے کھڑکھڑایا تھا۔ ایک آدمی کو بڑھ کر سنانے کا حکم دیا، اس پر لوگ بے مدخوش ہوئے ہر طرف شادمانی کی لہر دوڑ گئی اور لوگ بے اختیار امیر المؤمنین

کو دُعائیں دینے لگے۔

اس کے بعد ہر شہ نے علی بن عیسیٰ اور اس کے خاندان اور غلاموں کے پاس جو کچھ مال و اسباب تھا، اسے جمع کیا اور پندرہ سو اونٹوں پر لاد کر بغداد روانہ کر دیا۔ خراسان پہنچ کر اُس نے جو کچھ کیا تھا، اُس کی مفصل کیفیت بھی مامون کو لکھ بھیجی جب یہ سب کچھ ہو گیا تو اُس نے علی بن عیسیٰ کو مع اُس کے بیٹوں کے پابرجا بغداد روانہ کر دیا۔

اب ہر شہ نے رافع کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ لیکن وہ اس کے تابع نہیں رہا۔ آخر کار اُس کے استیصال کے لئے خود بارہن ماہ ربیع الثانی ۱۹۳ھ - ۸۰۸ء میں خراسان روانہ ہوا۔ یہ اُس کا آخری سفر تھا۔ اسی سفر میں اس کا لوس پہنچ کر انتقال ہو گیا۔ رافع کا اس وقت تو استیصال نہ ہو سکا لیکن مامون کے زمانے میں اُس نے بغیر اسے بھڑے خلیطہ موت کی اطاعت قبول کر لی۔

ہارون کی وفات

دافع کی بغاوت کو جب ہر شرمی فرو نہ کر سکا تو ہارون نے اس کے استیصال کے لئے خود خراسان جانے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ اس سفر کے لئے رعا نہ ہوا تو اس کی طبیعت خراب تھی۔ راستے کی دشوار گزاری اور طوالت نے اس کی صحت پر اور بھی بُرا اثر ڈالا۔ اسی حالت میں اسے فضل بن یحییٰ کی وفات کی خبر پہنچی۔ ہارون اور فضل ہم عمر تھے بچہ بچہ ہارون کو علم نجوم پر بہت اعتقاد تھا اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ ستاروں کی گردش کا اس پر اور فضل پر یکساں اثر ہوتا ہے۔ اس لئے جو بھی اس نے سنا کہ فضل کی قید خانے میں وفات ہو گئی اسی وقت سے اسے اپنی موت کا بھی یقین ہو گیا۔ اس نے خراسان کی جانب بھی دو چار ہی سزلیں طے کی ہوں گی کہ اس نے اپنے ایک ذیم سے کہا "بھئی یقیو ہے کہ میرا آخری وقت قریب ہے اور میں تم لوگوں میں زیادہ حصہ نہ ہو گا کیونکہ مجھے تجھ پر تکلیف ہے تم اس سے واقف نہیں ہو۔"

ہارون اگرچہ بجا دتا تھا لیکن وہ اپنے مرض پر تاب پانے کی کوشش کر رہا تھا ڈانٹائی درد و کرب کی حالت میں اپنا سفر طے کر رہا تھا لیکن سوائے اپنے خاص غریب کے اور کسی سے اپنا حال کہنے کی جرات نہ کر سکتا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کے تمام ساتھی اس کی موت کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں اور بعض لوگ اس کے دونوں بیٹوں کی طرف سے ہارسوسی کے فرائض مراجم و سہت ہیں۔ سرور ہارون

کا جاسوس تھا اور جبریل بن بختیشوع طبیب ، امین کی جانب سے اس کا نگران تھا ۔

دو دنوں ولی عہد ، دوسرے لوگوں سے بھی زیادہ بے صبری سے اپنے والد کی موت کی گھڑیاں گن رہے تھے ، تاکہ اس کی وفات کے بعد وہ خلافت اور حکومت سے اپنا حصہ پاسکیں اور سلطنت کے خزانوں کو اپنے قبضے میں لاکر اپنے عیش و آرام کے سامان بہم پہنچاسکیں ۔ امین تو روزانہ ایک سوار بھڑا سے ہارون کے لشکر میں بھیجا کرتا تھا کہ وہ ہارون کی صحت کے متعلق معلوم کر کے آئے بتایا کرے ۔

آہستہ آہستہ ہارون کی کمزوری بڑھتی گئی اور وہ مزید سفر کرنے کے بالکل قابل نہ رہا ۔ مجبوراً اس کو خراسان کے شہر طوس میں پڑاؤ گزارا پڑا ۔

خفیضہ شہر کے فواح میں ایک پُر فضا جگہ منتقل ہو گیا اور اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ طبیب کو حاضر کیا جائے ۔ طبیب آیا اور اس نے ہارون کا اچھی طرح معائنہ کیا لیکن اس کی حالت دیکھ کر مایوسی کا اظہار کیا اور اس کے غدیوں سے کہہ دیا کہ اگر میری عمر اب باقی نہیں ہو سکتی ، ان سے کہہ دو کہ اگر وہ کوئی دھیت کرنا چاہتے ہیں ، تو کریں ۔

ہارون کو جب طبیب کا یہ جواب سنایا گیا تو وہ بے اختیار رو پڑا ۔ اس وقت اس کی زبان سے یہ شعر نکلے ۔

ان الطیب بطنہ و دوائہ لا یتضع دفاح محمد و راق
ما للطیب موت بالدار الذی قد کان یدبرئ مثله فیما مضی

(طیب اپنے تمام علم طلب اور دوا کے باوجود میری بیماریوں کو دُور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ طیب کا علم کس کام کا، کہ وہ اسی دوا کے استعمال سے مرہتا ہے جس کے استعمال سے پچھلے لوگ اچھے ہو گئے ہوں)

آخر اس کی طاقت نے جواب دینا شروع کر دیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر تمام فوج میں گجراہٹ پھیل گئی۔ جب اُسے یہ بات معلوم ہوئی، تو اُس نے ایک گھوڑا احاطہ کرنے کا حکم دیا۔ جب گھوڑا آیا تو اُس نے گھوڑے پر سوار ہونے کی بڑی کوشش کی تاکہ فوج اس کو بچشم خود دیکھ لے اور اس کی گجراہٹ جاتی رہے لیکن اپنی کوشش کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور مجبوراً اسے واپس اپنے بستر پر جانا پڑا۔

اب ہارون کو چار پانی سے اٹھنے کا بھی یار نہ رہا۔ ہر وقت موت اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کرتی رہتی تھی اور موت ہی کے خواب نظر آتے رہتے تھے۔ جبریل بن بختیشوع کا بیان ہے کہ ایک روز میں رقبہ میں ہارون کے پاس ہوا۔ وہ اس وقت بالکل چُپ چاپ لیٹا ہوا تھا۔ میں نے طبیعت دریافت کی تو اس نے کہا، آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص کا ہاتھ میرے بستر کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے کچھ سُرخ مٹی دکھائی۔ اسی وقت ایک آدمی آئی کہ یہ اس زمین کی مٹی ہے جہاں تم دفن کئے جاؤ گے۔ میں نے دریافت کیا کہ اس علاقے کا نام کیا ہے۔ جواب ملا: اس علاقے کا نام طوس ہے۔

جبریل کہتا ہے میں نے خلیفہ کو تسلی بخشی دی اور کہا کہ خراسان کی بنیاد کی وجہ سے آپ کے خیال پریشان ہو گئے ہیں اور اسی وجہ سے ایسے خواب نظر آ رہے ہیں

آپ نہ کر سکیں۔ لیکن جب طوس میں خلیفہ کی طبیعت بگڑ گئی تو اُس نے مجھ سے کہا کہ رقت میں میں نے تم سے جو خواب بیان کیا تھا وہ تمہیں یاد ہے؟ اس کے بعد مسرد کو حکم دیا اس بارخ کی مٹی جہاں میں مقبرہ میں، جھٹلی پر اٹھا لاؤ۔ مسرد فوراً اس بارخ کی مٹی اپنی جھٹلی پر اٹھا لایا اور خلیفہ کو دکھائی۔ خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ یہ وہی سُرخ مٹی ہے اور یہ وہی ہاتھ اور بازو ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا؟ اس کے بعد اُس نے کفن تیار کرنے اور قبر کھودنے کا حکم دیا جب قبر کھود کر تیار ہو گئی اور خلیفہ نے اُسے دیکھا تو اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے :

ما اغنی عنی مالہ

ہلک عنی سلطانہ

میرے مال نے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ میرا تمام غلبہ و اقتدار جاتا رہا۔
 اجمعی ذکر کرتا ہے کہ میں ہارون کے پاس اس کے مرض الموت کی حالت میں گید میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے اور وہ اسے پر محو رہا ہے اور اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ جب ہارون نے مجھے دیکھا تو اُس نے مجھے پیٹنے کا حکم دیا اور وہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھا دیا۔ اس کاغذ پر ابراہیم کے چند اشعار لکھے تھے :

هل انت معتبر بمن خلعت

منذ غداة مضى دساكره

و بمن اذل الموت مصرعه

فتبرأت منذ عشا سره

و بمن خلعت منه اسبته
 و بمن خلعت منه منابره
 ابن الملوك و ابن غيرهم
 صاروا مصيراً انت صائرہ
 يا مؤثر الدنيا بلذته
 والمستعد لمن يفاخره

نل عابد الک ان تنال
 من الدنيا فان الممات آخره

(کیا تو ان لوگوں سے بہتر نہیں پکڑتا جو تجھ سے پہلے گزر گئے، جنہیں موت نے پچھاڑ کر خاک میں ملا دیا۔ ان کے مملکت اور جاہ و چشم کے سامان ان کے کچھ کام نہ آئے۔ ان کے دوست، احباب اور دشمنہ دار ان کی کچھ مدد نہ کر سکے اور ان کی سب شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ موت کے آگے وہ بادشاہوں کا کچھ زور چل سکا اور نہ دوسرے لوگوں کا۔ وہ سب اسی منزل کی طرف روانہ ہو گئے جہاں کا سفر اب تجھے درپیش ہے۔ اسے وہ شخص جو دنیا کو لذتوں کی وجہ سے ترجیح دیتا ہے اور دنیوی فخر و مہابت کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے! جتنا ہو سکے دنیا سے فائدہ اٹھائے کیونکہ بالآخر موت کے ذریعے سے آرام و سائنس کے سب اسباب چھین جانے والے ہیں)

اصمعی کہتا ہے کہ جب میں یہ اشعار پڑھ چکا تو دل روئے لگا۔ ان اشعار کا

مناط اب اس وقت میں ہی ہوں۔

۳ جمادی الثانی ۱۹۳ء مطابق ۲۲ مارچ ۸۰۹ھ کو یارون کی طبیعت پچھنے
 و نون کی برصبت کہیں زلیہ و خراب تھی، اسی حالت میں اس کے عاجب نے اسے
 انگریز بتایا کہ راف کا بھائی بشیر جو باغیوں کا سرغنہ ہے، قید کر کے لایا گیا ہے۔ یارون نے
 اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ اس کے سامنے لایا گیا تو یارون نے کہا:

”تو نے مجھے انتہائی شدید تکلیف دی ہے، مجھے باوجود بھنت بیماری اور صنعت
 کے یہ سفر اختیار کرنا پڑا۔ خدا کی قسم! میں تجھے اس طرح قتل کراؤں گا کہ اس سے پہلے
 آج تک کسی نے کسی کو نہ کرایا ہو گا۔“

چنانچہ اُس نے جلاہ کو حکم دیا کہ اس کے سامنے اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر
 اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جب یارون نے دیکھا کہ اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے تو اُس نے تمام
 بنی یا شتم کو، جو لشکر میں موجود تھے، بلایا اور انھیں یہ وصیت کی:

”ہر مخلوق کو بالآخر موت کا شکار رہنا پڑتا ہے۔ اس وقت جو کچھ میری حالت
 ہے وہ تم پر عیاں ہے۔ میں تجھے تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ پہلی یہ کہ اپنی امانتوں
 کی حفاظت کرنا۔ دوسری یہ کہ اپنے حاکموں کی ہر وقت خیر خواہی کرنا۔ تیسری یہ کہ ہمیشہ
 منہ دہنا۔ تم لوگ محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) پر ہمیشہ نظر رکھنا۔ اگر ان میں سے
 کوئی اپنے بھائی کے خلاف بغاوت کرنا چاہے تو اسے اس بغاوت سے باز رکھنا۔
 وہم یہاں نئے نئے کا قلع قمع کرنے اور باغیوں سے جنگ کرنے آئے تھے۔ تم اپنا
 کام ختم مت کیجنا بلکہ لشکر کے ساتھ خراسان جانا اور نئے کی جڑ کاٹنے اور باغیوں کو جڑ سے
 سزائیں دینے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ میری وفات سے تم و لگیر نہ ہونا کیونکہ میرے

ابھراویں سے کسی نے بھی راحت و آرام سے جان نہیں دی۔

اس کے بعد اُس نے بہت سامان و اسباب اپنے خاص ساتھیوں اور غلاموں میں ان کی گوشہ خدمات کے صلے میں تقسیم کیا۔ اسی روز رات کو یہ حبیب اللہ خلیفہ دنیاوی لکھنؤ اور رنج و کرب سے نجات پا کر اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ کل من علیہا فان و یبقی وجہ ذوالجلال والا کرام

وفات کے بعد اس کے تین غلاموں، مسرور، حسین اور راشد نے اسے غسل دیا اور کفن پہنایا اور شہر طوس میں اسی قبر میں جس کے بنوانے کا بارون نے اپنی زندگی میں ہی حکم دیا تھا دفن دیا۔ جنازے کی نماز اُس کے بیٹے صالح نے پڑھائی۔ مگر اس وقت حاضر نہیں تھا۔ دو کچھ عرصہ پہلے خراسان کے دارالحکومت مرو چلا گیا تھا تاکہ وہاں لشکر کی رہائش اور اس کی رسید اور سامان خوراک وغیرہ کا انتظام کر سکے۔

امین کی خلافت

تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس فصل میں امین کی خلافت اور اس کے عبرت نامہ انجام کے متعلق مختصر عرض کیا جائے گا تاکہ تاریخی آن حواث سے بھی باخبر ہو سکیں جو ہارون کی وفات کے بعد پیش آئے اور اس اندرونی فساد اور خانگی فتنے کے اسباب معلوم کر سکیں جس نے امین کی خلافت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

ہارون نے لوگوں سے امین کی اور اس کے بعد مامون کی ولی عہدی کی بیعت لی تھی اور باقاعدہ فرمان بھی لکھا تھا جس پر متعدد افسران فوج اور سلطنت کے معزز عہدہ داروں کے دستخط بھی بطور گواہ لگے تھے۔ بعد ازاں اس معاہدے کی نقلیں سلطنت کے تمام حصوں میں بھیج دی گئیں اور ایک نقل خانہ کعبہ میں بھی لٹکا دی تھی۔ غرضیکہ ہارون نے اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی تھی کہ اس کے بعد اس کے فرمان پر پوری طرح عمل ہو۔ جب ہارون نے طوس میں وفات پائی۔ اس وقت مامون خراسان میں تھا۔ اس کے ساتھ فوج کے بڑے بڑے افسر تھے اور اس کا زبردست مددگار فضل بن ربیع بھی اسی کے ساتھ تھا۔ امین بغداد میں تھا اور اس کا بچہ جوش حامی فضل بن ربیع جو رشید کا وزیر تھا، ہارون کے ساتھ طوس میں تھا۔

ہارون کی وفات کے بعد فضل بن ربیع نے تمام لشکر کو اکٹھا کیا اور اسے کہے کہ بغداد کی طرف چل پڑا۔ حالانکہ ہارون نے وصیت کر دی تھی کہ حاکم خراسان کی مخالفت کے لئے

مامون کے حوالے کر دیا جائے۔ ہارون کے بیٹے صالح نے ایک غلام کے ذریعے اپنے والد کی وفات کی خبر فوراً امین کو بھجوا دی۔ وہ غلام تیزی سے سفر کرتا ہوا بارہ روز میں بغداد پہنچ گیا۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ خاندانِ براء کی تباہی کا وتر دار فضل بن ربیع ہی تھا جو فطرتاً ہی مفسدہ پر داز و قاتع ہوا تھا۔ یہی شخص امین اور مامون کی باہمی عداوت کا جوہر بنا اور اسی شخص کی خفیہ پروازیوں سے وہ ہر ناک جنگ وقوع میں آئی جس میں امین کو اپنی جان سے ہاتھ دھوئے پڑے۔

جب ہارون طوس میں تھا تو اُس نے لشکر کے سپہ سالاروں سے اپنے بیٹے مامون کے لئے دوبارہ بیعت لی تھی اور تمام افسروں اور کل لشکر کو اس بات پر گواہ بنایا تھا کہ اس کی وفات کے بعد تمام لشکر مامون کے حوالے کر دیا جائے گا اور لشکر کے ساتھ جو کچھ مال و متاع اور سامانِ جنگ ہے وہ بھی مامون کو دے دیا جائے گا۔ امین کو بھی یہ خبری برابر پہنچی رہتی تھیں تاہم شروع میں اس کا ارادہ ان مسابدون کو ٹوٹنے کا نہ تھا جو اُس نے اپنے باپ سے کئے تھے۔

جب ہارون کی وفات ہو گئی تو امین نے مامون کو خراسان خط کھاجس میں اپنے والد کی وفات پر انہوں نے کا اظہار کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں سے اس (امین) کی خلافت اور اپنی (مامون کی) اور قاسم ثقفی کی ولی عہدی کی بیعت لے۔

اس کے علاوہ ایک خط اپنے بھائی صالح کو طوس کھاجس میں اسے بھی حکم دیا کہ وہ تمام لشکر سے ان شرائط کے مطابق جو ہارون نے مقرر کی تھیں، امین کی خلافت اور مامون اور قاسم کی ولی عہدی کی بیعت لے اور لشکر اور سامانِ جنگ کے ساتھ

مامون کے پاس پہنچ جائے۔ اسی خط میں اُس نے یہ بھی لکھ کر قم فصل بن ربیع کے مشورہ کے بغیر کسی اہم کام میں ہاتھ نہ ڈالنا۔ اگر تو لشکر کو کچھ عطایا دینا چاہو تو یہ کام فصل بن ربیع کے ذریعے سے ہی سرانجام دینا کیونکہ آج تک فصل ہی یہ سب کام کرتا چلا آیا ہے۔

جب امین کے خطوط طوس پہنچے تو لشکر کے افسروں ہسلطنت کے عہدہ داروں اور مارون کے بیٹوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ بجائے مامون کے پاس جانے کے واپس امین کے پاس پہنچنا چاہئے۔ یہ رائے دینے میں فصل بن ربیع سب سے پیش پیش تھا اور اسی نے تمام لشکر کو بغداؤ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ فوج نے اپنے گھروں کو واپس جانے اور اپنے بیوی بچوں سے ملنے کی خوشی میں اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور ان وعدہ دہوں کو پس پشت ڈال دیا جو مارون نے ان سے لئے تھے۔ خراسان میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی تو یہ سب اس کو فرو کرنے کے لئے آئے تھے لیکن انھوں نے کسی بات کا خیال نہ کیا۔

جب فصل بن ربیع امین کے پاس پہنچا تو اُس نے سلطنت کا سارا کاروبار فصل بن ربیع کے سپرد کر دیا اور خود لہو و لعب اور عیاشی میں ڈوب گیا۔ حالانکہ اس وقت کی سیاسی حالت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ سلطنت کے معاملات کی طرف نہایت ہوشیاری اور توجہ کے ساتھ توجہ کی جاتی۔

اس کے برخلاف مامون کے وزیر فصل بن یسار نے اسے مشغول دیا کہ وہ جس چیز اور نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کیے اور ہر قسم کے لہو و لعب سے پرہیز کرنے تاکہ وہ

لوگوں کے دل اپنی طرف کھینچ سکے۔ خود مامون بھی نہایت عقل مند اور دیر شخص تھا، سلطنت کے معاملات کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا اور لہو و لعب کے پاس بھی نہ چلکتا تھا۔ انہی صفات کی وجہ سے خراسان میں اس کے پاؤں اچھی طرح جم گئے۔ فوج کے تمام جرنیل، عہدے دار اور عامۃ الناس دل و جان سے اس کے ساتھ تھے۔

فضل بن ربیع نے مامون کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اور مامون کی وصیت کی تصریح خلاف ورزی کرتے ہوئے طوس سے فوجیں لے کر بھائے خراسان چلنے کے بعد اوجھلا آیا تھا تو اُسے ڈرتا کہ اگر مامون خلیفہ بن گیا تو وہ اس سے ضرور سخت انتقام لے گا اور وزارت کی ساری شان و شوکت اُس سے چھین جائے گی۔ اس لئے اُس نے امین کو مشورہ دیا کہ وہ مامون کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد مقرر کر دے۔ فضل کی اس رائے سے امین کے بعض مومنین حاشیہ برداروں نے بھی اتفاق کیا۔ امین بے وقوف تو تھا ہی، ان لوگوں کی باتوں میں آگیا۔ جب اس کا پترہ امین کے بعض عقلمند اور ذریک مصاحبوں کو لگا تو انہوں نے امین کو ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ ان لوگوں کا جو آپ کو اس قسم کے مشورے دے رہے ہیں کوئی بھروسہ نہیں، وقت پڑنے پر یہ سب لوگ جاگ جائیں گے اور خود آپ کی خلافت سے معزولی کے ندبے پر جائیں گے لیکن امین کی آنکھوں پر پروا پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسی عاملانہ اور خفیہ مشوروں پر قطعاً کان نہ دھرا اور فضل بن ربیع کی رائے پر ہی عمل کرنے کا ارادہ کر دیا۔

فضل کے مشورے سے اس نے مامون کو ایک خط لکھا جس میں اس سے بغداد آنے کی استدعا کی۔ مامون اس کے دعوے کے میں نہ آیا اور معذوری کا اظہار کر دیا۔

امین نے بہت زیادہ سی اور برابر اُسے خطوط بھیجنا دیا اور اپنے اہل اس کا بڑے شد و دھم
 اظہار کرتا رہا۔ آخر مامون کچھ نرم پڑا اور اُس نے بغداد جانے کا ارادہ کر لیا لیکن اس کا ذمہ
 فضل بن یسہل آٹھ لاکھ آیا اور اُس نے بڑی سختی سے مامون کو ایسا کرنے سے روکا اور
 اسے صلاح دی کہ وہ خلافت کا دعویٰ کر دے۔ چنانچہ مامون نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح
 دونوں بھائیوں میں شدید عداوت پیدا ہو گئی۔ فضل بن یسہل نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ
 لوگوں کو مامون کی خلافت قبول کرنے کے لئے تیار کیا۔ خراسان کے ان تمام
 راستوں پر جو مغرب سے آتے تھے محافظ مقرر کر دیئے جو کسی مسافر یا تاجر کو
 بلا تفتیش گزرنے نہ دیتے تھے۔ اس کاروائی کا مقصد یہ تھا کہ خراسان کی کوئی خبر
 بغداد پہنچنے نہ پائے اور نہ امین اور فضل بن ربیع کی کوئی سازش یہاں پھیل سکے۔
 فضل بن ربیع نے چاہا کہ خراسان کے امراء کو مامون کے خلافت کو دے۔
 اس غرض کے لئے اُس نے کئی خطوط انھیں لکھے لیکن حفاظتی تدابیر کی وجہ سے
 کوئی خط اور کوئی قاصد بھی خراسان نہ پہنچ سکا اور یہ تمام علاقہ پورے طور پر مامون
 کا وفادار رہا۔

امین نے بغداد میں خطبے میں سے مامون کا نام نکال دیا تھا اور اس کے
 طرفداروں کو قید کر لیا تھا، مامون نے بھی خراسان میں یہی کیا۔ اب دونوں طرف سے
 جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، لیکن جہاں مامون ہر کام انتہائی احتیاط اور خود فکر
 سے کرتا تھا وہاں امین کا ہر عمل بے عقلی اور بے تدبیری پر مبنی ہوتا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ مامون نے اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کی جو
 امین کو کسی طرح شک میں ڈالنے والی ہوتی۔ شروع میں جو خطوط اس نے امین کو

بھیجے۔ ان میں اس نے امین کو خلافتِ تکریم کو تعظیم سے خطاب کیا خطوط کے ساتھ وہ اپنے بھائی کو خراسان سے مشیتِ تھائف بھی بھیجتا رہتا تھا۔ امین بھی طبیعت کے لحاظ سے بڑا نہ تھا اس کا ابراہہ مامون کو ولی حمدی سے معزول کرنے اور اس کا جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی حمد بنانے کا نہ تھا۔ لیکن اس کے وزیر فضل بن ربیع نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کرنا شروع کیا اور آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ امین نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ موتحن کو اس ولایت سے معزول کر کے جس پر مامون اسے مقرر کر گیا تھا ہذا دُلا یا۔

جب مامون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے فوراً یہ اندازہ لگایا کہ امین اسے بھی معزول کرنا چاہتا ہے۔ اس غرض کے لئے اس نے احتیاطی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیں۔ اب امین نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ خراسان میں اس کے بھائی کے مقرر کردہ عمال کا اس جھگڑے کے بارے میں کیا رویہ ہے۔ چنانچہ اُس نے سب کے عامل عباس بن عبد اللہ بن مالک کو خط لکھا اور اس سے رُسنے میں لگنے والے کسی پروے کی فرمائش کی۔ اس سے اس کی غرض یہ معلوم کرنا تھی کہ آیا وہ اس کے احکام مان سکتا ہے یا نہیں۔ عباس نے اس کے حسب الطلب پروا بھیج دیا۔ مامون کو بھی اس واسطے کا پتہ چل گیا اور اس نے عباس کو اس کی ولایت سے معزول کر دیا۔

اس کے بعد امین نے مامون کے پاس تین اشخاص پر مشتمل ایک وفد عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ کی سرکردگی میں روانہ کیا تاکہ وہ ولی حمد بن موسیٰ بن امین کی تقدیم پر راضی ہو جائے۔ مامون نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ فضل بن سہل عباس

بنی موسیٰ سے علیحدگی میں ملا اور اسے کثیر انعام و اکرام کی امیدیں دلا کر مامون کا طرفدار بنا لیا۔ چنانچہ وہ بغداد میں آنے کے بعد خفیہ طور پر یہاں کی خبریں مامون کو بھیجا کرتا تھا اور اسے مشورے بھی دیا کرتا تھا۔

جب مذکورہ وفد کا کام ہو کر بغداد واپس آیا تو فضل بن ربیع نے مامون کی معزولی پر اصرار کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اپنی مامون کی معزولی پر اور اس کے بجائے اپنے بیٹے موسیٰ کو نام زد کرنے پر راضی ہو گیا۔ فضل نے تمام صوبوں میں فرمان بھیج دیا کہ منبروں پر خلیفہ کے بعد موسیٰ کا نام لیا جائے۔ اور مامون اور موتمن کے نام خطبوں سے خارج کر دئے جائیں۔ سب سے پہلے اسی قسم کا ایک فرمان بھیجا اور جس خاصہ کے ہاتھ یہ فرمان روانہ کیا، اسے حکم دیا کہ داروں نے خانہ کعبہ میں جو عہد نامہ لٹکایا تھا۔ وہ اپنے ساتھ لیتا آئے چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور عہد نامے کے بغداد پہنچنے پر امین نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ایک ہفتے تک دونوں جماعتوں میں خط و کتابت ہوتی رہی لیکن سب سے نتیجہ یہی نکلا کہ دونوں جماعتی اپنی اپنی سیاست پر ہی چلنا چاہتے تھے۔ اور دونوں کے نزدیک بھی اپنے اپنے آقاؤں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ امین کا وفد فضل بن ربیع مامون کا سخت دشمن تھا۔ اسے مامون کی خلافت کے ذکر سے ہی لرزہ آتا تھا۔ مامون کا وفد فضل بن بھل تھا جس کی پوری کوششیں اس مقصد کے لئے وقف تھیں کہ خلافت مامون کو ملے اور بجائے بغداد کے مروء سلطنت جاریہ کا دار الحکومت ہو تاکہ فراسان پھر اپنی پہلی سی عظمت حاصل کرے۔

اب لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں فضل بن بھل نے ایک عظیم لشکر جمع کیا

اور اسے مامون کے غلام طاہر بن حسین خزاعی کی قیادت میں 'مرو' سے 'رے' روانہ کر دیا۔ طاہر نے رے پہنچ کر ہر طرف اپنے جاسوس پھیلا دیے جو اسے دشمنوں کی حرکات و سکنات سے براہِ مطلع کرتے رہتے تھے۔

فضل بن ربیع نے عراقی فوج کی قیادت کے لئے علی بن عیسیٰ کو چنا۔ یہی نے اسے جبل، نہادند، حمزہ ان اور مصنفان کی ولایت سپرد کی اور اس کے لشکر کو بے شمار سامان جنگ دیا۔

اگر دیکھ جائے تو امین نے علی بن عیسیٰ کو فوج کا سپہ سالار بنا کر اپنے بھائی مالک کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی کیونکہ اہل خراسان اب تک اپنے عامل علی بن عیسیٰ کے ان مظالم کو نہ بھولے تھے جو اس نے مامون کے عہد میں ان پر ڈھائے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ مامون کا مقابلہ کرنے کے لئے وہی بدنام شخص آ رہا ہے تو ان کی غیرت بھڑک اٹھی اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ اب کسی قیمت پر بھی علی بن عیسیٰ کی ماتحتی گوارا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس ظالم شخص کے بدلے میں انہیں مامون جیسا عادل و نرم دل اور نیک سیرت حاکم عنایت فرما دیا تھا۔

علی بن عیسیٰ خراسان روانہ ہونے سے پہلے امین کی والدہ زبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زبیدہ نے اس سے کہا :

۱۰۔ اے علی ! اگرچہ امیر المومنین (امین) میرا لختِ جگر ہے اور مجھے اس سے بے انتہا محبت ہے تاہم مجھے عبد اللہ (مامون) سے بھی کچھ کم محبت نہیں۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے۔ اس لئے جب تم اس پر قابو

پار تو اس سے نہایت نرمی کا سلوک کرنا اور اس کے حقوق کا پوری
 اگر وہ کوئی بات کہے تو تم اٹ کر جواب نہ دینا۔ کیونکہ تمہارا اور اس کا کوئی مقابلہ
 نہیں ہے۔ تم اس سے غلاموں کا سا برتاؤ نہ کرنا۔ قید میں اس کے ساتھ سختی سے
 پیش نہ آنا۔ کسی گونڈی یا خادم کو اس کی خدمت سے نہ روکنا۔ سفر میں اس کے آرام
 آسائش کا پورا خیال رکھنا۔ اس کے سوار ہونے سے پہلے سوار نہ ہونا۔ جب وہ
 سوار ہو جائے تو خود اس کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر تھوڑی دُور تک چلنا اگر وہ
 تمہیں برا بھلا کہے تو اسے خندہ چشانی سے برداشت کرنا۔
 یہ نصیحت کرنے کے بعد زبیدہ نے اسے چاندی کی ایک زنجیر دی اور
 کہا :

”جب تم اس پر فتح پاؤ تو اسے اس زنجیر میں مقید کر کے لانا۔“
 علی بن عسین نے جواب دیا۔ ”آپ نے مجھے جو حکم دیا ہے میں اسی کے
 مطابق عمل کروں گا۔“

علی بن عسین چالیس ہزار فوج لے کر بغداد سے نکلا۔ اس کی فوج کے پاس
 کثیر سامان جنگ اور دوا فر سامان رسد تھا۔ امین بھی اس کی مشابعت کے لئے کچھ
 دُور تک گیا۔

یہ لشکر نہزلیں بار بار اس کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں مارن کا پہلا دھڑا
 بن حسین اپنا لشکر لئے ہوئے مقیم تھا۔ علی بن عسین کو خیال تھا کہ ظاہر اس کے متعلق ہے
 کہ وہ اس طرح بھی ٹھہر نہیں سکے گا۔ وہ اکثر کہتا تھا :
 ”ظاہر کی حیثیت کیا ہے ؟ وہ میری شاخوں کی ایک ٹہنی ہے اور میری آگ کا

اُسے کیا خبر جنگ کیا ہوتی ہے۔ کہاں غلام کہاں لشکر کشی؟ وہ میرے مقابلے سے اس طرح بھاگے گا جس طرح لومڑی شیر سے بھاگتی ہے۔

اس کے بیٹے نے اُسے مشورہ دیا کہ میں ہراول دستے اور آدھریجے پہلے طاہر کے لشکر میں جاسوس مقرر کرو جسے چاہئیں اور اپنے لشکر کے قیام کے لئے کوئی مناسب موقع تلاش کرنا چاہئے۔

علی بن عیسیٰ ہنسنا اور کہنے لگا: طاہر کے لئے ان حیلوں اور تیرائیوں کی کیا ضرورت ہے؟ وہ یا تو رے میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے گا اور محاصرے سے تنگ آکر اہل شہر خود اس کا خاتمہ کر دیں گے یا وہ بھاگ جائے گا اور ہمیں لڑنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔

جب علی بن عیسیٰ رے کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اُسے پتہ چلا کہ طاہر نے جنگ کے لئے کس قدر انتظامات کئے ہوئے ہیں۔ اس نے عام رات چھوڑ کر رے کے نواح میں اپنا پٹا اوڑالا اور جنگ کے انتظامات کرنے لگا۔

طاہر کے ساتھ صرف چار ہزار سوار تھے۔ جب اُس نے علی بن عیسیٰ کے چالیس ہزار کے لشکر کو دیکھا تو اس نے سوچا کہ اس وقت اپنی جان کو جو کھوں میں ڈالنے کے علاوہ علی کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی اور کوئی سبیل نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام سپاہیوں کو جمع کیا۔ انھیں چند بد امتیں دیں اور پھر یک دم انتہائی بہادری کے ساتھ صرف سات سو سوار اپنے ہمراہ لے کر علی بن عیسیٰ کی فوج کے قلعہ میں گھس گیا اور اپنے قلیل لشکر کے ساتھ دشمن کا اس بے جگر تی سے مقابلہ کیا کہ اسے نیچے ہٹتے ہی ہی پڑی۔ علی بن عیسیٰ قتل ہوا۔ طاہر نے اس کا سر ماموں کے پاس روانہ کیا

اور ایک خط میں فتح کی خوشخبری ان الفاظ میں دی :
 "میں امیر المومنین کو یہ خط اس سال میں لکھ رہا ہوں کہ علی بن عیسیٰ کا سر میرے
 سامنے پڑا ہوا ہے۔ اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے اور اس کا لشکر میرے ماتحت
 ہے۔"

جس مقاصد کے ساتھ اُس نے یہ خط اور سر بھیجا وہ مامون کے پاس تین دن میں
 پہنچ گیا حالانکہ دسے اور مرو کے درمیان ڈھائی سو فرساح کا فاصلہ ہے۔
 جب امین کو علی بن عیسیٰ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ اس وقت مچھلیاں پکڑ رہا تھا
 اُس نے مقاصد سے کہا :
 "ابھی ٹھہرو۔ مجھے پریشان نہ کرو۔ کوثر نے تو دو مچھلیاں پکڑ لی ہیں اور میں نے
 ابھی تک ایک بھی نہیں پکڑی۔"

امین کے آدمیوں اور حاشیہ برداروں کو اس بات کا وہم بھی نہیں ہو سکتا
 تھا کہ خراسان میں علی بن عیسیٰ کے ساتھ یہ گزرے گی اور اس کا تمام لشکر مامون کے
 قبضہ میں آجائے گا۔ یہ خبر سُن کر ان کے اوسان جاتے رہے۔ تاہم فضل بن ربیع نے
 عبدالرحمن بن جلد انباری کی سرکردگی میں بیس ہزار فوج دوبارہ مامون کے مقابلے
 کے لئے روانہ کی۔ اس لشکر کو ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے مسلح کیا گیا تھا اور بڑے
 بڑے ہلاد اور جری اس میں شامل تھے فیصل بن ربیع نے عبدالرحمن کو اچھی طرح سمجھا دیا
 تھا کہ وہ لشکر کی حفاظت کا اچھی طرح انتظام کرے اور علی بن عیسیٰ نے جس لاپرواہی اور
 غرور کا مظاہرہ کیا تھا اس سے ڈر رہے۔

عبدالرحمن لشکر لے کر ہمدان پہنچا وہاں کے قلعے کو ٹھیک ٹھاک درایا۔ نصیبیں

اور دروازے درست کوائے۔ قلعے کی کمزور جگہوں کی مرمت کروائی اور اس میں جگہ جگہ آلات حرب نصب کر دئے۔ کئی ماہ کی فضا بھی قلعے میں اکٹھی کر لی۔ اس طرح طاہر سے لڑنے کے لئے پوری تیاری کر لی۔

جب طاہر کو عبدالرحمن کے آنے کی خبر ملی تو وہ بھی اپنی فوج لے کر ہمدان پہنچا۔ عبدالرحمن اپنی منظم فوج لے کر طاہر کے مقابلہ کے لئے باہر نکلا۔ دونوں فریقوں میں سخت جنگ ہوئی لیکن عبدالرحمن کو شکست کھانی پڑی اور وہ اپنی شکست خوردہ فوج لے کر قلعے میں داخل ہو گیا اور ایک لمبے عرصے تک اسی میں رہا۔ جب اس کے لشکر کی حالت ٹھیک ہو گئی اور زخمیوں کے زخم بھر گئے تو دوبارہ مقابلے کے لئے نکلا۔ لیکن اس بار بھی شکست کھائی اور قلعہ بند ہو گیا۔ اب کے طاہر نے قلعے کا بڑا سخت محاصرہ کیا اور باہر سے کھانے پینے کی کوئی چیز اندر نہ پہنچنے دی۔ جب عبدالرحمن کی فوج کے پاس کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں اور وہ مجبوراً مرنے لگی تو عبدالرحمن نے مجبور ہو کر طاہر سے اپنے اور اپنی فوج کے لئے امان طلب کی جو طاہر نے قبول کر لی۔

جب ان واقعات کی خبر دارالخلافہ میں پہنچی تو ایک انتظار اب رہا ہر گیلہ میں اور فضل بن ربیع نے محسوس کر دیا کہ اب ان کا غلبہ اور اقتدار چند روز کا همان ہے۔ ادھر مامون کی محبت ان سے ورپے فتوحات سے بے حد بڑھ گئی اور اس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں منقسم کیا۔ ایک حصے کا سالار ہرثمہ بن اعین کو بنایا جسے ہارون نے خراسان کی ولایت اور کرمل بن صبیح اور راسخ کے مقابلے کے لئے بھیجا تھا اور دوسرے حصے کی قیادت طاہر بن حسین کے سپرد کی اور دونوں کو حکم دیا

کہ وہ علیحدہ علیحدہ راستوں سے بغداد پر حملہ آور ہوں۔ چنانچہ طاہر پہلے فارس گیا اور سارے علاقے پر اپنا تسلط جما لیا۔ فارس پر قبضہ کرنے سے اس کی طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ابو ازا اور بصرے کی طرف بڑھا۔ راستے میں امین کے جتنے عامل تھے وہ یا تو بھاگ گئے یا انھوں نے مامون کی اطاعت قبول کر لی۔ اب بصرہ منصور بن محمدی نے بھی مامون کی سمیت کر لی۔ یہاں سے فارغ ہو کر طاہر مدائن پہنچا اور بغیر ٹھہرے بڑے اس پر قابض ہو گیا۔

اسی اثنا میں کتے امداد دینے میں امین کے عاملوں نے بھی مامون کی سمیت کر لی۔ اس سے مامون کی قوت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ طاہر اور ہرثمہ کی فوجیں بڑے اطمینان سے مختلف راستوں سے بغداد کی طرف بڑھیں اور تین اطراف سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اب امین کے لئے کوئی جائے فرار نہ رہی۔ محاصرہ شدت اختیار کر گیا۔ امین کے لشکر کے پاس جو کچھ کھانے پینے کا تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ اس پر امین نے مجبور ہو کر خزانے کا آدھا تہائی ساز و سامان بیچنے کا حکم دیا۔ سونے چاندی کے برتنوں کو گچھلا کر دینار اور درہم ڈھالے تاکہ ان کے ذریعے سے فوج کی غذا کا کچھ انتظام ہو سکے۔

لیکن محاصرے کی سختیاں بڑھتی گئیں آخر امین کے تمام وسائل و دنان ختم ہو گئے اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر چند روز اور مزاحمت کی گئی تو اس کی اور تمام فوج کی تباہی یقینی ہے۔ اس نے لشکر کے سرداروں سے مشورہ کیا۔ انھوں نے اسے یہ صلاح دی کہ وہ ہرثمہ بن امین سے اپنی جان کی امان طلب کرے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے۔ امین راضی ہو گیا اور ہرثمہ سے امان طلب کی جو اس نے قبول کر لی۔

جب طاہر کو اس کا علم ہوا تو اُس نے امان مسترد کر دی اور مطالبہ کیا کہ امین اس سے امان طلب کرے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرے۔

امین اپنے آپ کو طاہر کے سپرد کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس کے درباریوں نے آپ سے یہ مشورہ دیا کہ وہ خفیہ طور پر اپنے آپ کو ہرثمہ کے سپرد کر دے اور طاہر کو خاتم، چھپرے اور چادر، جو خلافت کا منظر تھے، بھیج دے۔ ہرثمہ اس پر بھی راضی ہو گیا۔ طاہر کو بھی اس کا پتہ چل گیا۔ وہ چند آدمیوں کو لے کر محل کے قریب پہنچا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب امین محل سے باہر نکلا تو ہرثمہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے اُسے ایک کشتی میں بٹھایا۔ جسے وہ اسی غرض کے لئے لایا تھا۔ کشتی ابھی تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ طاہر کے کلاہنی باہر نکل آئے اور انہوں نے کشتی پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ کشتی اُلٹ گئی اور ہرثمہ اور امین پانی میں گئے۔ ہرثمہ کو تو اُس کے آدمیوں نے باہر نکال دیا، امین پانی میں تیرنے لگا لیکن طاہر کے آدمیوں نے اسے پکڑ لیا اور طاہر کے سامنے پیش کر دیا۔ جس نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ دل دوز واقعہ ۲۵۔ عرم ۱۹۸ء کی رات کو پیش آیا۔

صبح کو طاہر نے مامون کو خط لکھا جس میں بغداد کی پوری کیفیت سے اس کو مطلع کیا اور وہ اسباب بھی بیان کئے جن کی بنا پر اسے امین کے قتل کا حکم صادر کرنا پڑا۔ اس کے بعد وہ بغداد میں داخل ہوا اور اس کے تمام باشندوں کو امن کا جواز دے کر اطمینان دلایا۔ جس روز طاہر بغداد میں داخل ہوا وہ جمعہ کا دن تھا۔ طاہر نے جامع مسجد میں آکر نماز پڑھائی۔ خطبے میں لوگوں کو تاکید کی کہ مامون کی دل سے اطمینان کریں اور فتنہ و فساد اور سرکشی سے دور رہیں۔ نماز پڑھانے کے بعد وہ اپنے لشکر میں

چلا گیا۔ اس طرح امین کی خلافت کا خاتمہ اور مامون کی خلافت کا آغاز ہوا۔

ہم نے ان واقعات کی تفصیل اس لئے بیان کی ہے کہ ہارون کی سیاست اور اس کے عہد سے ان واقعات کا گہرا تعلق ہے اور اکثر تو جنہیں ان افسوس ناک حواث کی ذمہ داری سب سے پہلے ہارون پر اور اس کے بعد اس کے وزیر فضل بن ربیع پر ڈالتے ہیں۔

ان خون ریزیوں اور فتنہ فساد کی ذمہ داری ہارون الرشید پر اس لئے ہے کہ اس نے پہلے امین کو ولی عہد بنایا۔ حالانکہ مامون اپنے علم، فضل، تجربے، شعور اور عمر کے لحاظ سے امین پر عبوت رکھتا تھا۔ امین کو اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت حاصل نہ تھی کہ وہ ملکہ زبیدہ کا بیٹا تھا۔ لیکن عقلاء کی نظروں میں یہ امر ترجیح کا سبب نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر یہ امر ترجیح کا سبب ہو سکتا تھا تو صرف خواہش پرستوں اور نادانوں کی نظروں میں۔

پھر جب ہارون کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے اس کا تدارک کرنا چاہا۔ لیکن جو کچھ کیا وہ پہلے اقدام سے بھی بدتر تھا، وہ یہ کہ مامون کو امین کے بعد ولی عہد کر دیا۔ اور اس کو ہر قسم کے امتیازات دے کر خراسان اور رے کا مستقل فرمانروا بنا دیا، جس کا امین سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا۔

یہ بات یقینی ہے کہ امتیازات جتنے زیادہ ہوں گے مشکلات اور فتنہ و فساد کے دروازے اتنے ہی زیادہ کھلیں گے۔ امین اور مامون اگر چہ بھائی بھائی تھے لیکن دونوں ایک دوسرے کے حریف اور مخالف تھے۔ امین چاہتا تھا کہ خلافت پر پورے طور سے حاوی ہو اور مامون چاہتا تھا کہ وہ اپنے امتیازات سے کبھی طور پر

متفق ہو۔ دونوں کے پاس لشکر بھی موجود تھے جنہیں وہ اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق استعمال کر سکتے تھے۔ اس لئے یہ خیال نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ہارون کی وفات کے بعد ان دونوں بھائیوں کے دلوں میں صفائی رہے گی۔

پھر ہارون نے ولی عہدی کے معاملے میں ان دونوں پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ قیسرے بھائی کو بھی شریک کر دیا اور اس کو جزیرہ اور آرمینیا میں وہی حقوق عطا کئے جو اُس نے مامون کو خراسان میں کئے تھے۔ اس بات نے بھی ایسی کو اپنا حصہ توڑنے کی جرأت دلائی کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بازو کٹے ہوئے ہیں اور اسلامی مملکت کے دو عظیم اشراف جیسے اس کے حلیہ اقتدار سے باہر ہیں فضل بن ربیع کے متعلق زیادہ کھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی نے ہارون کے زمانے میں براہ کی شکایتیں کر کے انہیں مٹایا تھا اور اسی نے امین کو نقص عہد کی جرأت دلا کر اسے تباہ و برباد کرایا۔ حسن سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے بدعیت شخص کو کسی صورت میں وزارت کی کنجیاں سپرد نہ کی جاتیں لیکن تقدیر کے نوشتے پورے ہونے لگے تھے اور کوئی طاقت انہیں پورا کرنے سے نہ روک سکی۔ وکان امر أمقضیا۔

ہارون الرشید کے اخلاق و عادات

ہارون الرشید جنہاں اپنے وقت کا عظیم الشان سیاسی حکمران تھا وہاں خلیفہ اور محافظ دین بھی تھا۔ جو ان کے زمانے میں تو اسے مذہب سے زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ بلکہ وہ ہر وہ لعب اور راگ رنگ کا بہت شائق تھا۔ یکسے عمر کی بھنگی کے ساتھ ساتھ وہ دینی لحاظ سے بھی کالی ہونے لگا۔ اور بڑا دین دار اور فرائض شریعہ کا پابند ہو گیا۔ کبھی نماز قضا نہ کرتا تھا اور لڑائی میں مصروف نہ ہونے کی صورت میں کبھی حج سے غیر حاضر نہ ہوتا تھا۔ ایک دن اس کے پاس اس کا ایک مسخرہ غلام ابن ابی مریم مدنی بیٹھا تھا کہ اس نے نماز شروع کر دی اور نماز میں یہ آیت پڑھی: ”وَعَالَى لَا اَعْبُدُ الذِّیْ فُطِرْنِیْ وَالِیْہِ رُجُوعُ“ (بے کیا ہو گیا ہے میں کیوں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے)۔

ابن مریم یہ سن کر کہنے لگا:

لا اِحدَیْ وَاَللّٰہُ (خدا کی قسم میں نہیں جانتا)

ہارون نماز میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ لیکن جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے

بڑے غصے سے کہا:

”اے ابن مریم! کیا تم نماز میں ایسی باتیں کہتے ہو؟ قرآن اور دین کی باتوں

میں ہنسی کی کوئی گنجائش نہیں۔“

وہ اکثر علماء کے مراءعظ مٹا کرتا تھا۔ وعظ و نصیحت کا اس کے دل پر بہت اثر ہوتا تھا۔ دوران وعظ میں اکثر اس کے آنسو نکل آتے تھے۔

ایک مرتبہ مشہور داعظ ابن ہماک اس کے پاس آئے۔ اس نے ان سے کہا: ”مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔“ اس پر وہ کہنے لگے:

”اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ سے ڈریئے اور اچھی طرح جان لیجئے کہ آپ کا کل اپنے رب کے حضور پیش ہوتا ہے۔ اس روز آپ کے دو ہی ٹھکانے ہوں گے تیسرا کوئی نہیں ہو گا یا جنت یا دوزخ۔“

ہارون یہ سُن کر بہت رویا، یہاں تک کہ اس کی واڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

ہارون کا وزیر فضل بن ربیع اسے روتا دیکھ کر ابن ہماک سے مخاطب ہوا:

”سبحان اللہ! کیا کسی کے دل میں اس بات کا شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ امیر المؤمنین جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پوری نگہداشت کرتے ہیں اور اس کے بندوں سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں، پھر آپ کے جنت میں داخل ہونے میں کیا دکاوا ہو سکتی ہے؟“

ابن ہماک نے فضل کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور اس کی طرف رخ کیا بلکہ ہارون سے کہنے لگے:

”اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم یہ (فضل بن ربیع) اس روز آپ کے ساتھ

ہو گا اور نہ آپ کے کسی کام آسکے گا۔ اس لئے آپ اللہ سے ڈریں اور اپنے آپ پر
نظر ڈال کر اپنے نفس کی اصلاح کریں۔

ہارون بن یسین کو اور بھی شدت سے ملنے لگا۔ فضل بن ربیع شرمندہ ہو کر رہ
گیا اور پھر منہ سے ایک حرف بھی نہ نکالا۔

ہارون اپنے دادا منصور کے قدم بہ قدم چلتا تھا۔ کوئی حاجت منہ انعام کے
بغیر اس کے پاس نہ جاسکتا تھا اور نہ کوئی مخلص عامل اپنی کارگزاریوں کے صلے
سے حرم درہتا تھا۔ وہ شعر اور شعراء کو بہت پسند کرتا تھا۔ اہل ادب اور فقہاء کا بڑا
گرویدہ تھا اور ریاضی کا کوئی نہایت ناپسند کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا :

”ریاضی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ ریاضی کا آدمی نہ دنیا میں کسی ختم کا فائدہ حاصل
کرتا ہے اور نہ آخرت میں کسی ثواب کا حق دار ہو گا۔“

وہ بڑا شجاع اور بہادر تھا۔ جنگ کے موقعوں پر لشکروں کی قیادت خود کرتا
تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کبھی اس کے عہد میں دنیا کے اتنے وسیع مہمے پر اس کا قبضہ نہ
رہتا۔ لیکن ساتھ ہی اس میں خستہ بھی بلا کا تھا۔ پھر ایک عیب اس میں یہ تھا کہ وہ انتہائی
درجے کا دہی تھا۔ پھل خوردوں کی باتیں غور سے سنتا تھا اور ان پر فوراً یقین کر لیتا تھا۔
اگر اسے سلطنت کے کسی عہد سے دار کے خلاف جھوٹی بھی کوئی شکایت پہنچتی تو
اس کے خلیفہ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ اس وقت کوئی شخص اس سے
بات کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اگر دشمن اس کے تابو آجاتا تو اسے

عبرت ناک سزائیں دے کر بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ اس نے کسی
دشمن کو معاف کیا ہو۔

داروں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نمید کی قسم کی ایک شراب پیتا تھا جسے فقہاء عراق نے سلال قرار دے دیا تھا۔ وہ ماگ کا بہت شائق تھا اور اس کے لئے بڑی بڑی رقمیں لٹا دیتا تھا۔ اس کے زمانے میں بغداد میں موسیقی کے فن نے بڑی ترقی پائی۔

بعد اویں اگر کوئی امیر یا وزیر یا دربار کا کوئی معزز فرد راگ رنگ کی کئی محفل منعقد کرنا چاہتا تو وہ اس کی تیاری کے لئے اپنے غنیمت کو حکم دیتا تھا جو عمدہ عمدہ کھانے پکواتا اور سفینوں، ستار بھلنے والوں اور ناچنے والی گونڈیوں کا انتظام کرتا تھا۔ شعراء کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ جب یہ تمام انتظام مکمل ہو جاتا تو صاحب مجلس اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ غنیمت لانا تمام لوگ اپنے اپنے حصے پر کھڑے اتار کر ایک خاص لباس پہن لیتے جو لباس کا لباس کہلاتا تھا۔ یہ لباس کٹھن، زرد اور سبز رنگ کے کپڑوں پر مشتمل اور بہت قیمتی اور باریک ہوتا تھا۔

اس کے بعد گھر کا غنیمت انیس ایک بٹے ڈال کر سے میں لاتا جہاں بہت عمدہ فرش بچھا ہوتا تھا۔ درمیان میں آبنوس کی کھڑی کا ایک چوڑا ہوتا، جس کے چاروں طرف کرسیاں بچھا دی جاتی تھیں۔ چوڑے پردے کا ایک دسترخوان بچھا ہوتا تھا۔

جب تمام اہل مجلس بٹے ہو جاتے اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے تو ملازم بلوری صراحیاں لاتے، جن میں نمید ہوتی تھی۔ دسترخوان پر مختلف مشکوں اور رنگوں کے جام بھی موجود ہوتے جن میں نمید انڈیل کر پی جاتی تھی۔ مختلف میوؤں اور ٹھنڈے گوشت کی رکابیاں بھی موجود ہوتی تھیں۔ عطریات سے تمام فضا مکی ہوتی تھی، کھانے پینے کے دوران میں مختلف قسم کی بحثیں ہوتی رہتیں۔ کھانے کے بعد راگ رنگ کی

محفل شروع ہو جاتی تھی۔

جب خلیفہ شکار کے لئے جانا چاہتا تو اپنے ارادے سے اپنے حاجب کو مطلع کرتا تھا۔ حاجب ان تمام لوگوں کو، جن سے شکار میں مدد مل سکتی اکٹھا کرتا تھا یا زوں اور کتوں کا انتظام کرتا تھا، محل کے ملازموں کو تیار کرتا تھا، جب تمام تیاری مکمل ہو جاتی تو خلیفہ کو اطلاع دیتا تھا۔ خلیفہ تمام لوگوں کو لے کر بعد اوسے باہر نکلتا اور وحیل پہنچتا تھا۔

وحیل کا علاقہ کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعض حصوں کو ایک مضبوط دیوار نے گھیرا ہوا تھا، جو نصف دائرے کی شکل میں بنی ہوئی تھی۔ تمام لوگ جو خلیفہ کے ساتھ آتے، جنگل کے چاروں طرف چل جاتے اور جی جانوروں کا شکار کرنا ہوتا ان کو اپنے گھوڑوں اور کتوں کی مدد سے اس دیوار کی طرف بھگاتے اور دائرہ تنگ کرتے جاتے تھے۔ جانوروں کو اور کسی جانب راہ فرار نہیں ملتی تھی تو انھیں جھوٹا اس دیوار کی طرف ہی بھاگنا پڑتا تھا۔ جب وہ اس محلے میں پہنچ جاتے تو ان کا مکمل محاصرہ کر لیا جاتا اور خلیفہ کو اطلاع دی جاتی۔ خلیفہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ آتا جتنے جانور چاہتا شکار کر لیتا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔

جب تک خلیفہ کے خادم شکار بھگانے میں لگے رہتے تھے اتنی دیر خلیفہ بعد اوس کے زخمی ملا توں کا پیکر لگاتا رہتا اور ندرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا رہتا تھا۔ جب اسے اطلاع ملتی کہ شکار کو گھیر لیا گیا ہے تو وہ مقررہ جگہ پر آتا اور شکار کرتا۔

جب کسی پرندے کا شکار کرنا ہوتا، تو وہ لوگ جن کے پاس باز اور شکاری ہوتے

اپنے بازوؤں اور کندوں کو ہوا میں اُڑا دیتے، وہ ٹکرا رہے تھے اور آں واحد میں اسے زمین پر لے آتے تھے۔

سیر و تکار کے تذکرے کے بعد اب غلیفہ کے باغ کا مختصر سا حال بیان کیا جاتا ہے جو اپنی خوبصورتی اور ترتیب میں اپنی نظیر آپ تھا غلیفہ اکثر اس میں ریکر کئے جابا کرتا تھا۔ باغ کی کھادوں میں سینکڑوں شمع کے خوش نما چھول کھلے رہتے تھے۔ مختلف شمع کے درخت آگے ہوئے تھے۔ یہ درخت ہندوستان، خراسان اور ترکستان تک سے ملگو کر لگائے گئے تھے۔ ہا بجاء خوبصورت جھاڑیاں آگے ہوئی تھیں جنہیں تنگی سے کاٹ کر حیوانات کی شکل دی ہوئی تھی۔ بعض جھاڑیاں مرد کی شکل کی تھیں، بعض دوسرے خوبصورت پرندوں کی شکل کی، بعض کی شکل سانپوں جیسی تھی اور بعض کی وحشی جانوروں، شیر اور پتے جیسی۔

کیا ریوں کے درمیان حوض بنے ہوئے تھے جن میں چھوٹی چھوٹی نہروں کے ذریعے پانی آتا تھا۔ ان حوضوں میں خوش نما رنگ کی چھوٹی چھوٹی پھلیاں تیرتی رہتی تھیں۔ باغ کی دیواروں پر چھوٹے چھوٹے رنگین پتھروں کو جو کہ مختلف جانوروں اور چھوٹوں کی نہایت خوش نما قصا ویر بنائی گئی تھیں جو بچی کاری کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھیں۔ ان کاموں کے لئے فارسی، روم اور ہند تک سے کاریگر منگائے گئے تھے۔ غلیفہ اپنے محل میں اکثر مجالس منعقد کیا کرتا تھا جن میں اس کے سلطنت، مغنی اور شعرا جمع ہوا کرتے تھے۔ نادہ اور ہارون اپنی ولی عہدی کے زمانے ہی سے اس حتم کی مجالس کے بے حد شوقین تھے، لیکن ان کے والد غلیفہ ہمدی کو ان مجالس سے سخت نفرت تھی۔ شاہراہم مصلیٰ، جو ہارون الرشید کے عہد کا مشہور مغنی تھا، بیان کرتا

ہے کہ ہمدی شراب بالکل نہیں پیتا تھا۔ اُس نے مجھے اس شرط پر ملازم رکھنے کا وعدہ کیا کہ میں شراب چھوڑ دوں، لیکن میں نے ایسا کرنے سے معذوری ظاہر کی اور چند روز دربار میں دایا۔ ایک روز جب میں دربار میں آیا تو شراب پئے ہوئے تھا۔ ہمدی کو جب معلوم ہوا کہ میں نے شراب پی رکھی ہے تو وہ سخت ناراض ہوا، سرور بار مجھے پڑایا اور مجھے قید کر دیا۔ میں نے قید خانے میں کتابت اور قراءت کی۔ ایک روز ہمدی نے مجھے قید خانے سے اپنے حضور طلب کیا اور مجھے برسرِ عام شراب پینے اور گانے بجانے پر پھر بُرا جھٹکا۔ میں نے عرض کیا :

”امیر المومنین! گانے بجانے کا فن میں نے اپنی روزی کمانے کے لئے سیکھا ہے اور اس کے لئے شراب پینا ضروری ہے۔ اگر میں گانا بجانا اور شراب پینا ترک کر دوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی رازی سے لاتعلو و مضبوط ہوں۔“

ہمدی یہ سُن کر بہت غضب ناک ہوا۔ مجھے قید سے تو رہا کر دیا لیکن یہ حکم دیا کہ میں ہادی اور ہارون کے پاس کبھی نہ جاؤں۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ اگر تم کبھی ان دونوں کے پاس گئے تو میں سخت سزا دوں گا۔

ایک روز ہمدی کو پتہ چلا کہ میں اس کے ڈاکوں کے پاس گیا تھا اور ان دونوں کے ساتھ شراب بھی پانی تھی۔ یہ سُن کر ہمدی کے طیش کو کوئی انتہاء نہ رہی۔ اس نے مجھے ہلا کر تین سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور دوبارہ قید کر دیا۔ جب میں نے بڑی منت سماجت کی تو سخت قسمیں لے کر کہ میں آئندہ کبھی ہادی اور ہارون کے پاس نہ جاؤں گا مجھے چھوڑا۔

جب ہادی خلیفہ بُرا تو میں قسم کے مطابق اس کے پاس نہ گیا اور ادھر ادھر

چھاپا۔ ہادی کو میرے بغیر چین داتا تھا۔ اس نے میرا کھونٹ لگانے کے لئے آدمی بھیجے۔ آخر انہوں نے مجھے ڈھونڈ لیا اور خلیفہ کے دربار میں لے گئے۔ جب دربار میں پہنچا تو خلیفہ کے سامنے یہ اشرار پڑے :

یا ابن خیر الملوک لا تترکشی خدضا للعدو یرمی حیالی
فلقد فی ہواک فارقہ اہلی ثم عرضت منہجتی للزوالی
ولقد عفت فی ہواک حیالی

وتعزبت بین اہلی و صالی

(میں بہترین خن کے بیٹے! مجھے دشمنوں کا نشانہ بنانے کے لئے نہ چھوڑ
میں نے تیری محبت میں اپنے اہل و عیال کو چھوڑنا گوارا کر لیا، اس کے بعد اپنی
روح بھی تیرے لئے پیش کر دی۔ میں نے تیری محبت میں اپنی زندگی تباہ کر لی اور مجھے
اپنے اہل و عیال اور مال سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی)

ہادی مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آیا اور مجھے میری گزشتہ تکلیف کے بدلے
میں، جو مجھے ہمدی کے زلمے میں پہنچی تھیں، کثیر انعام و اکرام دینے کا حکم دیا اور
اپنے خدیووں میں شامل کر دیا۔

دارون الرشید بھی ہادی کی طرح عیش و نشاط کی محفلوں کا بے حد شائق تھا اور
اس غرض کے لئے اس نے اپنے ارد گرد مغنیوں اور شعرا کی ایک بڑی جماعت
اکٹھی کر لی تھی۔ اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد اس نے مشہور شاعر ابو العباس کو
بلایا اور اس سے چند عشقہ اشعار کہنے کی فرمائش کی۔ ابوالعباس نے کہا: میں ہادی
کے سامنے کے بعد اب کسی شعر نہیں کہوں گا۔ دارون نے ناراض ہو کر اسے قید کر دیا۔

اس کے بعد ابراہیم وصی کو گانے کا حکم دیا، اس نے بھی ابراہیم کی طرح گانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ہادی کے مرنے کے بعد نہیں گائوں گا۔ ہارون نے اسے بھی قید کر دیا جب ہارون رتہ گیا تو ان دونوں کو ساتھ لے گیا، رتہ میں ایک کنواں کھدایا اس کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کروائی اور ابراہیم اور ابراہیم کو اس کنوئیں میں قید کر دیا۔ دونوں کے درمیان دیوار حائل تھی۔ اس کنوئیں میں قید کرتے ہوئے ہارون نے کہا: تم دونوں اس وقت تک اس میں رہو گے جب تک شعر کہنے اور گلے کی حامی نہ بھرو گے۔ ”چنانچہ مدت تک وہ دونوں اس کنوئیں میں قید رہے۔ ایک دن ہارون کے سامنے ایک کینز بڑی سُرنی آواز میں ایک شعر گارہی تھی۔ ہارون کو اس کی آواز بہت جلی گئی۔ اس نے اپنے وزیر جعفر سے کہا کہ اگر اس کے ساتھ ہی چند شعر لودہ جوتے تو مطلب دو بالا ہو جاتا۔ جعفر نے کہا: اگر آپ ابراہیم سے کہیں تو وہ شاعری میں مہارت کی وجہ سے اسی شعر کے ہم وزن کی اور شعر کہہ کر سُنا دے گا۔“

ہارون نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا، ہرگز ہماری فرمائش پوری نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ قید میں ہے اور ہم اسے اُڑا رہے ہیں۔ لیکن جعفر نے اپنی بات پر اصرار کیا اور اسی وقت ابراہیم کو ایک خط لکھا جس میں چند شعر کہنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ ابراہیم نے جواب میں شعر کہنے سے معذوری کا اظہار کر دیا۔

جب ابراہیم کا جواب ہارون کے پاس پہنچا تو اس نے جعفر سے کہا: میں نہ کہتا تھا کہ وہ ہماری فرمائش پوری نہیں کرے گا، چنانچہ ایسی ہی ہو رہی ہے۔ جعفر نے عرض کیا: آپ یوں کریں کہ اسے قید سے آزاد کریں اور پھر اس سے فرمائش کریں۔“

لیکن ہارون نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ شمر نہ کھے گا۔ میں اسے قید میں سے نہ نکالوں گا۔

جب ابوالعتاہیر اور ابراہیم موصلی کو قید ہوئے عرصہ گزر گیا تو ایک روز ابوالعتاہیر نے ابراہیم سے کہا: ”آخر خلیفہ کسے کب تک جھگڑا چلے گا؟ میرے خیال میں تو اب اس جھگڑے کو ختم کر دینا چاہئے۔ میں شکر مانتا ہوں اور تم انھیں گاؤ۔ چنانچہ ابوالعتاہیر نے خلیفہ کی شان میں چند اشعار کہے اور ابراہیم نے انھیں گانا شروع کیا جب خلیفہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے دونوں کو قید سے نکلا کر اپنے حضور طلب کیا، خلیفہ کے دربار میں ابوالعتاہیر نے اپنے کچھ ہوئے اشعار سنائے اور ابراہیم نے خاص لئے میں انھیں گایا۔ خلیفہ نے دونوں کو ایک ایک لاکھ درہم اور ایک سو خلعت مرحمت کئے۔ اس کے بعد وہ مستقل طور پر خلیفہ کے دربار کے منسلک ہو گئے۔ اگرچہ ہارون الرشید راگ رنگ کا بہت شائق تھا، لیکن اگر محفل کے دوران میں کسی جانب سے کوئی نصیحت ہارون کے کان میں پڑ جاتی تو اس کا اثر بھی خلیفہ کے دل پر ہوتا اور بسا اوقات اسی اثر کی وجہ سے مجلس بھی درجہ برہم ہو جاتی تھی۔

ایک دفعہ اسی طرح محفل بھی ہوئی تھی، ابوالعتاہیر نظم پڑھ رہا تھا اور کمرہ ہاتھ، اسے خلیفہ! خدا کے تو ہمیشہ بند و بالا محلات کے زیر سایہ رہے بہتم کی نعمتیں صبح و شام تیرے پاس آئیں اور تو ان سے فائدہ اٹھائے۔“

خلیفہ بڑی دلچسپی اور شوق سے نظم سن رہا تھا یہاں تک کہ ابوالعتاہیر نے یہ اشعار پڑھے۔

لیکن جب نزع کا وقت آپہنچا اور سامن بیٹھنے کے اندر گر کر لڑنے لگا، اس

وقت تجھے اس بات کا علم ہو گا کہ اب تک تو اندھیرے اور دھوکے میں رہا۔
 یہ اشعار سننے ہی یاروں کی ہچکی بندھ گئی اور بے اختیار رونے لگا۔ فضل بن
 یحییٰ نے رشید کی یہ حالت دیکھ کر ابو العتاہمید سے کہا:

”میں نے تجھے اس لئے بلایا تھا کہ تو امیر المؤمنین کو خوش کرے لیکن اُٹی
 تو نے انھیں رُلا کر شروع کر دیا۔“

لیکن یاروں اور شیصہ نے فضل بن یحییٰ کو خاموش کر دیا اور کہا:
 ”ابو العتاہمید کو کچھ نہ کہو، یہ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ اس نے ہمارے
 چچا کا حال دیکھا ہوا ہے یہ نہیں چاہتا کہ ہمارا بھی وہی حال ہو۔“

ہارون الرشید کے عہد کا بغداد

بغداد کی بنا ہارون الرشید کے دادا منصور نے ڈالی تھی اور اسے اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اسی کے عہد میں بغداد نے ایک عظیم الشان شہر کی حیثیت حاصل کر لی تھی، لیکن جو شان و شوکت اور عروج اس شہر کو ہارون الرشید کے زمانے میں حاصل ہوا، وہ نہ اسے پہلے حاصل تھا اور نہ مامون کے آئندہ نصیب ہوا۔

عمارات کے لحاظ سے بغداد اس وقت دنیا کے تمام شہروں سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ یہاں بڑے بڑے محلات تعمیر کئے گئے تھے، جن میں سے بعض پر کروڑوں دینار خرچ ہوئے تھے۔ انجینئروں نے ان کے بنانے میں قواعد مضبوطی اور محل وقوع کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔ بغداد کی مشرقی جانب کے محلات کو مغربی جانب کے محلات سے ایک پل کے ذریعے سے ملایا گیا تھا۔ مشرقی جانب پر لکھ کے محلات، بڑے بڑے بازار، بلند و بالا مساجد اور حمام بنے ہوئے تھے اور مغربی جانب خلیفہ کے محلات واقع تھے۔ جن کی خوبصورتی اور وسعت دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ بغداد کے ارد گرد جو بستیاں بنائی گئی تھیں۔ عمارات کی وسعت کی وجہ سے وہ آپس میں مل گئی تھیں۔ یہ سب علاقہ بغداد ہی میں شمار ہوتا تھا۔ اسی بستیاں و محلہ کے دونوں جانب چالیس کی تعداد میں تھیں۔

بغداد کی شان و شوکت کا حال سن کر لوگ سینکڑوں میل سے اس کی طرف کھنچے

چلے آتے تھے، یہاں کی آبادی لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اور شہر نے ایک زبردست تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ خراسانی، ماوراءالنہر، ہندوستانی، چین، شام اور جزیرے سے تجارتی قافلے کثرت سے یہاں آتے دہستے تھے۔ راستے پر گئے تھے اور قافلوں کو راہ میں ڈاکہ زنی کا مطلق خطرہ نہ رہتا تھا۔

اس وقت دولت و ثروت کے لحاظ سے بھی کوئی شہر بغداد کا ہم پلہ نہ تھا۔ سلطنت اسلامیہ کے تمام صوبوں کا خراج، جو صوبوں کی ضروریات سے پرچ جاتا تھا، جمع ہو کر خلیفہ کے پاس بغداد میں آتا تھا۔ اس خراج کا اندازہ مؤرخین نے چالیس کروڑ درہم لگایا ہے۔ یہ سب مال بیت المال میں داخل ہوتا تھا۔ جہاں سے خلیفہ اپنے ذریعوں، و خلیفہ خواروں اور خدام کو تنخواہیں دیتا تھا۔ باقی مال خلیفہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتا خرچ کرتا تھا۔

سخاوت کے لحاظ سے ہارون الرشید دوسرے سب خلفاء بنی عباس سے ممتاز تھا۔ قصیدہ خوانوں، شاعروں، غریبوں اور حاجت مندوں پر بے دریغ مال خرچ کرتا تھا۔ اس کے نقش قدم پر اس کے امیر و وزیر، رئیس اور لشکر کے سردار بھی چلتے تھے اور سخاوت کا بازار پورے طود پر گرم تھا۔ تاریخ کے صفحات اس زمانے کی سخاوت کے قصوں سے پُر ہیں۔ اس طرح نہ صرف طرہ باد کی زندگی بڑے آرام سے گزرتی تھی بلکہ عظیم الشان نائندہ بھی حاصل ہوتا تھا کہ بے شمار مال لوگوں کے ہاتھوں میں پکڑ لگاتا رہتا تھا، جس کی وجہ سے تجارت میں بڑی ترقی ہو گئی تھی۔ لوگوں کی ضروریات بخوبی پوری ہو جاتی تھیں۔ دولت کا ایک سیلاب تھا جو ہارون کے عہد میں بغداد میں بہا رہا تھا اور ہر چھوٹا بڑا اس میں سے حصہ لے رہا تھا۔ دولت و

ثروت کا بختہ، ہوا کہ لوگوں کی طبیعتیں اور دلب کی طرف مائل ہو گئیں اور ہر طرف عیش و نشاط اور راگ رنگ کی غنچیں منقذ ہونے لگیں۔

علم کے لحاظ سے بھی بغداد تمام دولت اسلامیہ کا منبع اور مطلاب علم کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر طرف سے علم کے پیاسے اپنی پیالیں بچھانے کی غرض سے کشاں کشاں بغداد کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ اُس نے علوم دنیویہ اور علوم دینیہ دونوں قسم کے علوم کی ایک ذبردست یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ یہاں بڑے بڑے محدثین، قراء، فقہاء، لغت، آداب العرب اور صرف و نحو کے امام موجود تھے جنہوں نے بڑی بڑی مسجدوں میں درس کے مسئلے قائم کر رکھے تھے۔ ان مدارس میں ہزاروں لوگ علم حاصل کرتے تھے۔ جب تک کوئی شخص بغداد آکر علم حاصل نہ کرتا تھا اور یہاں کے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کرتا تھا۔ اس وقت تک نہ اسے شہرت نصیب ہوتی تھی اور نہ ہی اُسے علماء کے زمرے میں شمار کیا جاتا تھا۔

بغداد کے تمام علماء بڑے آرام اور فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ ہارون اور براء نے ان کے لئے بہت بڑے بڑے گزائرے مقرر کر رکھے تھے۔ ہارون علماء کی بے حد توقیر و تعظیم کرتا تھا اور انھیں بیش تر اقسام کا کرام سے نوازا رہتا تھا۔ اس کا ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ سے برآسانی مل سکتا ہے۔

ابو معاویہ مغیرہ، جو اپنے وقت کے بڑے جلیل القدر عالم تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے ہارون کے ساتھ کھانا کھا یا۔ کھانا کھانے سے پہلے کبھی شخص نے میرے ہاتھ دھلائے، لیکن اندھیرے کی وجہ سے مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ کس شخص نے میرے ہاتھ دھلائے۔ مجھے خیال تھا کہ کسی غلام نے دھلائے ہوں گے۔

جب کھانے کا سلسلہ ختم ہو چکا تو دارون نے مجھ سے پوچھا :
 ”اے ابو معاویہ ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے ہاتھ کس نے دھلائے
 تھے ؟“

میں نے جواب دیا : ”امیر المومنین ! مجھے تو پتہ نہیں ہے۔“
 دارون نے کہا : ”میں نے دھلائے تھے۔“

میں نے پوچھا : ”امیر المومنین ! کیا آپ نے یہ کام علم کی تعلیم کی خاطر کیا ؟“
 دارون نے جواب دیا : ”ہاں۔“

دارون علوم و فنون کا بے حد دلدادہ تھا اور جس شخص کے متعلق سنسنا کہ اسے
 علم و فن میں یدِ مہر ملے گا اسے فوراً اُسے اپنے دربار میں بلا لیتا اور ہمیشہ تیار و متوجہ
 مقرر کر دیتا تھا۔

جب اُس نے بلند و بالا اور رفیع الشان مملکت بنانے کا ارادہ کیا تو ملک کے
 ہر حصے سے چُن چُن کر اصحابِ فن بلائے، جن کے پس و نمازات کی تزیین، بیل بوٹے
 اور نقش و نگار بنانے کا کام کیا۔

اسے راگ سے بے حد دلچسپی تھی۔ اس غرض کے لئے اُس نے ملک کے
 بہترین مغنیوں کی خدمات حاصل کیں اور بے شمار رقم ان پر صرف کی۔

اسے اشعار سننے کا بھی بے حد شوق تھا۔ اس غرض کے لئے اُس نے
 مملکت کے بہترین شاعروں کو اپنے دربار میں جمع کر لیا اور لاکھوں درہم ان کو انعام
 کرام اور تحفہ دینے میں خرچ کئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے دہلے میں عربی شاعر
 کو بے حد عروج حاصل ہوا۔

اُس نے اپنے گرد نلاسز، قضاۃ، علما اور منطقیوں کو جمع کیا جن سے وہ اکثر بحث رہا سزا اور علمی بات چیت کیا کرتا تھا اور ان کی تنخواہوں پر بے شمار رقم خرچ کرتا تھا۔ بیسیوں اطباء کو اُس نے اپنے دربار میں بلایا اور بعض کو تو ہندوستان سے منگوایا۔

اس طرح بغداد اہل علم و فن کا ملجا و مادی اور علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔

بارون الرشید کا عہد حکومت

بارون الرشید کے عہد پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے عادات و خصائل میں بہت بڑا فرق تھا۔ امویوں نے رسوم و رواج اور اپنی عادات و خصائل کو خالص عربی رنگ میں ڈھالا ہوا تھا۔ عباسیوں نے آ کر اسی کو بالکل بدل ڈالا۔ مثال کے طور پر نوروز کا معاملہ ہے۔ نوروز قدیم زمانے سے ایرانوں کا تہوار تھا اور ان لوگوں میں یہ عید کا دن شمار ہوتا تھا۔ حمید اموی میں یہ دن کبھی بھی نہیں منایا گیا، لیکن عباسیوں نے اسے قومی تہوار قرار دیا۔ اس روز کے لئے عید کی طرح تیاریاں کی جاتی تھیں۔ ایک دوسرے کو تحفے تحائف دئے جاتے تھے۔ قصائد پڑھے جلتے تھے، خلفاء برہمی شان سے دربار منعقد کرتے تھے اور درباری نمینت اور مبارک باد پیش کرتے تھے۔ یہی حال دوسری رسوم کا تھا۔

اسی عہد میں امیر اور غریب کے درمیان لباس کے معاملے میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی تھی جس قسم کا لباس امیر پہنتے تھے، اسی قسم کا لباس غریب بھی پہنتے تھے۔ لیکن عباسی عہد میں ایرانی عادت کے غالب ہو جانے کی وجہ سے امراء و وزراء کے لباسوں میں تفریق ہونے لگی۔ گچڑی باندھنے کا طریقہ بھی بالکل ایرانی تھا، سر پر ٹوپی رکھ کر اس پر گچڑی باندھ کر جاتی تھی۔ مزید برآں ہر طبقے کی گچڑی باندھنے کی طرز علیحدہ ہوتی تھی۔ خلفاء کی طرز علیحدہ ہوتی تھی۔ فقراء کی انگوٹھ۔ عام لوگوں اور احراب کے گچڑی باندھنے کے طریقے میں بھی فرق تھا۔ یہی طرز

باقی لباس کا معاملہ تھا۔ تفساۃ کا لباس علیحدہ ہوتا تھا قرآبی مقدس کا علیحدہ۔ پولیس کے سپاہیوں کا لباس ان دونوں سے علیحدہ۔ سلطنت کے باقی عہدیداروں کا بھی یہی حال تھا۔ ہر عہدے دار کا حسب مرتبہ علیحدہ لباس ہوتا تھا۔

اموی خلفاء جب انعام و اکرام دیتے تھے تو ان کے انعام و اکرام اونٹوں یا زیروں کی شکل میں ہوتے تھے، لیکن جب ان کی جگہ عباسیوں نے لی تو انعام و اکرام دینے میں بھی انھوں نے اپنی طرز امویوں سے بالکل علیحدہ رکھی۔ وہ لوگوں کو درہم و دینار، عمدہ عمدہ لباس اور گھوڑوں کی شکل میں نوازتے تھے۔ اس طرح جہاں امویوں نے اپنے عہد میں عربی خصوصیات کو پورے طور پر قائم رکھا تھا، عباسیوں نے اگر انھیں بالکل تبدیل کر ڈالا اور مختلف وجوہات کی بنا پر جن کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے فارسی تہذیب و تمدن کو اپنا لیا۔

ثالث کتاب الافغانی نامہ جس بن شولہ کی ایک حکایت بیان کرتا ہے۔ جنس حمد عباسی کا ایک بدو شاعر تھا۔ ایک روز وہ حطب میں ایک فقریب میں شامل ہوا۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ جب اس نے شادی کا سامان اور قسم قسم کے بھر پور کپڑے لباس، رنگارنگ کھانے، قسم قسم کی شرابیں اور ایرانی آلات طرب دیکھے تو اس کی عقل چکرائی اور وہ بالکل مبہوت ہو کر کھٹکی باندھے یہ سارا انتظام دیکھتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی حرکات و سکنات سے لوگوں کو ہنسنے اور مذاق کرنے کا سامان ہم پہنچا دیا۔ اگر وہ بغداد میں کسی شادی کی محفل میں شرکت کرتا تو یقیناً حطب سے کہیں زیادہ عیش و عشرت کے سامان اس کی نگاہوں کے سامنے آتے۔

خفقار عباسیہ کا شروع میں یہ حال نہ تھا۔ ابوالعباس سفاح اور منصور عیش و عشرت کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ خصوصاً منصور تو اس معاملے میں بہت صحت تھا۔ اُس نے شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھا۔ کسی شاعر، ادیب یا مداح کو انعام و اکرام دینے میں اسراف سے کام نہیں لیا۔ اپنی اولاد کو جب وہ ایسا کرتے دیکھتا تھا تو سختی کے ساتھ منع کرتا تھا۔ بڑھکیلے اور تھپی کپڑے اس نے کبھی زیب تن نہیں کئے۔ ہمیشہ معمولی کپڑے پہنے۔ دسترخوان ہمیشہ سادہ ہوتا تھا۔ دوسری باتوں میں بھی وہ بہت کفایت شعار تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب اُس نے وفات پائی۔ تو وہ خزانے میں ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار اور ساٹھ کروڑ درہم چھوڑ گیا، جنہیں ہمدی نے بے دردی سے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

جس قدر منصور کفایت شعار تھا، اسی قدر ہمدی فضول خرچ تھا۔ سینکڑوں شعراء، ادباء اور مغنیوں کو اس نے اپنے دربار میں اکٹھا کر رکھا تھا اور انہیں عطیے اور تحفے تھاٹھ دیتا رہتا تھا۔ اسی طرح کھانے پینے میں بھی بے حد رقم خرچ کر دیتا تھا جب وہ حج کے لئے مکہ معظمہ جاتا تھا تو اس کے لئے راستہ میں صرف اکیرہ سے برف تیار کی جاتی تھی۔

ہارون کے زمانہ میں تو اسراف کی حد ہر گز تھی۔ اس کے کئی اسباب تھے سب سے بڑا سبب تو دولت کی فراوانی تھا۔ یہ ایک طبعی امر ہے کہ جس قوم میں دولت کی افزائش ہو وہاں عیش و عشرت اور اسراف راہ پا لیتے ہیں۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق ہارون کے ہمدیوں کی سالانہ آمدنی سات کروڑ ایک لاکھ پچاس ہزار دینار تھی۔ جس مملکت کی آمدنی اتنی زبردست ہو، وہاں کے باشندوں

کامیش و آرام سے زندگی گزارنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہارون کے زمانے میں ایرانی اثرات اور تہذیب و تمدن نے عربی تہذیب و تمدن پر غلبہ پالیا تھا۔ براہِ مکہ کی وجہ سے یہ اثرات اور بھی نمایاں ہو گئے تھے۔ ایرانی قدیم زمانے سے لہو و لعب، راگ رنگ کی محفوں اور شراب کے شوقین تھے۔ جب انھوں نے ہارون اور ہارون کے زمانے میں سلطنت کے بڑے بڑے حہدے حاصل کئے اور ان کا اقتدار تمام مملکت پر قائم ہو گیا تو انھوں نے اپنی اسی قدیم تہذیب کو، جو عربی غلبے کی وجہ سے نابود ہو چکی تھی، دوبارہ زندہ کیا اور جہاں سلطنت کا تمام کاروبار ایرانی نظام حکومت کے مطابق ترتیب دیا، وہیں لہو و لعب اور راگ رنگ کی محفوں کو بھی از سر نو زندگی بخشی۔

ہارون نے عجیب متضاد طبیعت پائی تھی۔ وہ کثرت سے علماء سے وعظ و نصیحت کی باتیں سنتا تھا اور ان کو احاطہ کا اس پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ وہ تے دھتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی لیکن ساتھ ہی راگ رنگ کا بے حد شوقین تھا۔ جہاں اس میں تھوڑی اور پرہیزگاری پائی جاتی تھی وہاں لہو و لعب کا نظری میلان بھی تھا۔ جہاں ایک منتر اس کے دینی جذبات بہت کچھ تھتے اور وہ کثرت سے نمازیں پڑھتا تھا وہاں راگ رنگ کی محفیں بھی بہت ذوق و شوق سے منعقد کرتا تھا۔ جن میں اس کے وزراء، مفتی اور شعراء شریک ہوا کرتے تھے۔ جہاں وہ اپنے ندیموں کی بے سرو پا باتوں پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتا تھا۔ وہاں ابراہیم بن جعفیہ شاعروں کے اس قسم کے اشارے سناتا تھا تو وحال میں مار مار کر دھن دھن بھی گھناتا تھا۔

هل المطلوب بدن نب قوبہ منہ نصوح

کیف اصلاح قلوب انما هن فتوح
سیصیر المرء یوما جسدا ما فیہ روح
بین عینی کل حسی علم الیوت یلوح

کلنا فی غفلة والموت یغدر ویروح

(کیا گناہوں سے تو پر کرنے کا کوئی ارادہ ہے یا نہیں؟ دلوں کی اصلاح کس طرح ہوگی؟ وہ تو پھوٹے ہی چکے ہیں۔ عنقریب آدمی کا جسم روح سے خالی ہو جائے گا۔ ہر زندہ شخص اپنی آنکھوں کے سامنے موت کا جھنڈا اٹاتا ہوا دیکھ لے گا۔ ہم سب غفلت میں ہیں لیکن موت صبح و شام چکر کاٹتی رہتی ہے)

اردن جب برا کہہ سے راضی ہوتا ہے تو سلطنت کے کل مناصب ان کے پروردگار دیتا ہے۔ یحییٰ بن خالد برکی کے ہاتھ میں سلطنت کے کل امتیازات دے دیے گئے کہ ان کو جس طرح چاہے استعمال کرے، لیکن جب ان پر نا ماض ہوئے اور حاسدین اس کے جذبات کو بھڑکا دیتے ہیں تو وہ ان کو اس بُری طرح تباہ و برباد کر دیتا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

ایک طرف اس کے دربار میں امام ابو یوسف، ابی سماک اور قاضی ابو یحییٰ جیسے عالم فاضل موجود ہوتے ہیں جن کا خلیفہ پر زبردست اثر ہے، دوسری طرف مشہور مغنی ابو ایسم موسیقی بھی ہے۔ مغنیوں اور شعرا پر بے دریغ مال ٹھکنے میں وہ کسی قسم کی پچھلا ہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔

اردنی الخدیجہ کے اوصاف کی صحیح تصویر ٹولفت کتاب الافغانی ان الفاظ میں

کھینچتا ہے،

”ہارون الرشید و عطا و نصیحت کے وقت سب سے زیادہ آنسو بہانے والا ایک
 خفیض و غضب کے وقت شدید ترین ظلم کرنے والا تھا۔“
 جہاں کتاب الاغانی میں ہارون کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے جو
 عیش و طرب اور لہو و لعب میں بسر ہوتی تھی وہاں ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں اس
 پہلو کو اجاگر کیا ہے جو تقویٰ و عبادت کا رنگ رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمیں
 ہارون کی زندگی کے حقیقی خد و خال معلوم کرنے ہوں تو اس کی زندگی کے مختلف
 پہلوؤں کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا، کسی ایک پہلو پر نظر دوڑا کر اس کی زندگی کے
 صحیح خد و خال متعین نہیں کئے جاسکتے۔

تاضی ابوالحسنی کہتے ہیں کہ ایک دن میں ہارون کے دربار میں حاضر ہوا۔
 ہارون نے خادم سے برت کاٹھنڈا پانی مانگا۔ اتفاق سے اس روز خزانے میں
 برت نہیں تھی۔ خادم نے معذرت کی اور بغیر برت کے پانی حاضر کر دیا۔ ہارون نے
 غصے میں اگر گلاس غلام کے منہ پر دے مارا۔ میں نے خلیفہ سے عرض کیا کہ اگر
 جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔ خلیفہ نے جواب دیا: ”کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“
 میں نے عرض کیا: ”امیر المؤمنین! بنی امیہ کی حکومت کا زوال آپ کے سامنے
 ہے۔ یونیاغانی ہے اور اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ دانائی اور عقل مندی اسی بات میں
 ہے کہ آپ اپنے آپ کو ناز و فہم کا عادی نہ بنائیں۔ بلکہ جو کچھ مل جائے وہی استعمال
 کر لیا کریں۔ اگر لذیذ کھانا مل جائے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کیجیے اگر
 سادہ کھانا ہو تو وہ بھی بڑی خوشی سے کھا لیا کریں۔ اگر وقت پر قیمتی لباس میسر آجائے
 تو بہت ہی اچھا ہے لیکن اگر کسی وقت قیمتی لباس میسر نہ آ سکے تو سادہ لباس زیب تن۔“

کرنے میں کوئی عار نہیں۔ اب اگر بوت کا ٹھنڈا پانی بستر آسکا تو بیزربت کا پانی خواہ وہ گرم ہی کیوں نہ ہوتا چھینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

یہ سن کر ہارون نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے جھڑکا اور کہنے لگا: جو نصیحت تم نے مجھے اس وقت کی ہے میں اس پر عمل کرنے کو قطعاً تیار نہیں ہوں۔ اگر نہ آئے مجھے ایک نعمت سے سرفراز کیا ہے تو میں اس سے نادمہ کیوں نہ حاصل کروں؟
تو غصے میں اس امر پر کافی بحث ہوئی ہے کہ ہارون کے زمانے میں جو شراب استعمال کی جاتی تھی اور جسے ہارون اور اس کے وزراء اور امراء بھی بڑی کثرت سے پیتے تھے وہ حقیقی معنوں میں شراب ہوتی تھی یا نہیں۔ ابن خلدون کی یہ رائے ہے کہ عباسی خلفاء اس بنید پیتے تھے جو شراب کے دائرے میں نہیں آتی۔ بنید اور اہل شراب میں بہت بڑا فرق ہے۔

عرب شراب کثرت سے پیتے تھے۔ ان کے ان کئی قسم کی شرابیں استعمال کی جاتی تھیں۔ ان کی جہاں یہ تو میں بھی شرابیں بنایا کرتی تھیں لیکن وہ اپنے افریقہ میں عربوں کی بنائی ہوئی شرابوں سے کم درجہ کی ہوتی تھیں۔ اہل شام ایک شراب بنایا کرتے تھے جو شہد میں ملی ہوتی تھی۔ اس کا نام ”رسلطون“ تھا، لیکن اہل حجاز اس قسم کی شراب سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی طرح بعض امویوں نے شراب بنائی تھی جس کا نام ”جندہ“ تھا۔ جب مکتد اسلامیہ میں دولت کی پیل پیل ہوئی اور بے گدنی کا دور شروع ہوا۔ تو اور چیزوں کے ساتھ یہ شرابیں بھی مسلمانوں کے استعمال میں آنے لگیں۔ جب عباسیوں کا دور آیا تو انھوں نے ان کی تیاری میں جدت سے کام لینا شروع کیا اور مجالس میں کثرت سے ان کا استعمال ہونے لگا۔

فخار میں ان شرابیوں کے حلال یا حرام ہونے میں بہت زبردست اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض نے ان کو قطعاً حرام قرار دیا لیکن بعض نے استعمال کرنے کی اجازت دی۔ اس اختلاف نے پوری شدت صحابہ کے عہد کے آخر میں، جب کہ اہریوں کا زمانہ تھا، اختیار کی۔ فقہار کے مابین یہ مسئلہ چرچا گیا کہ آیا بغیر حلال ہے یا حرام اور اگر حلال ہے تو کس مقدار تک۔

اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس اختلاف کے نقصانات کو عرصہ کیا اور تمام بلا و امصار میں بغیر کے حرام ہونے کا حکم بھیج دیا۔ جب آئندہ کا زمانہ آیا تو آخر خلافت حضرت امام مالک حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبلہ نے اس کے حرام ہونے کا فتوے دے دیا۔ انہوں نے لفظ "خمر" جس کی تعریف قرآن مجید میں آئی تھی اکلا اطلاق تمام شہ کی نشہ آور بغیروں پر کیا جو کھجور، کشمش، جو، انگوروں اور شہد سے تیار کی جاتی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ تمام خمریات میں اس لئے ان کو بغیر حرام ہے۔

ان تینوں اماموں کے برخلاف حضرت امام ابو حنیفہؒ نے "خمر" کے لفظ کو لغوی معنوں میں لئے ہوئے اس کا اطلاق صرف انگور کے پکے ہوئے شیرے پر کیا۔ اور شراب کی بعض متون مثلاً کھجور اور کشمش کی بغیر کو جائز قرار دیا، بشرطیکہ اسے بہت جلی آگ میں غوثی دینا تک چکایا گیا ہو، اور صرف اتنا پایا جائے جس سے نشہ نہ ہو۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید میں عراق کے اکثر فقہار نے بھی شراب کی بعض قسموں کو جائز قرار دے دیا۔ اسی وجہ سے عراق کے لوگ بغیر پینے میں دوسرے تمام اسلامی علاقوں کے لوگوں سے بڑھ گئے۔

جاسیوں کا مستقر عراق ہی تھا اس لئے اگر ان کے زمانے میں شراب کا استعمال
 بے حد بڑھ گیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہارون الرشید بھی ایسی شراب کھڑ
 سے پیار کرتا تھا جس میں نشہ نہ ہوتا تھا۔ وہ شرابیں جن کے پینے سے نشہ ہو جاتا ہو۔
 تمام ختمہ کے نزدیک حرام ہیں۔ لیکن اس نرم روی سے لوگوں میں جرأت پیدا
 ہوئی اور وہ ایسی شرابیں بھی استعمال کرنے لگے جن کے پینے سے نشہ ہو جاتا تھا اور
 جن کو ختمہ نے بالافتاق حرام قرار دیا ہوا تھا۔

ملک کے دوسرے امراء نے جب خلفاء کو اس قسم کی عیش و عشرت کی زندگی
 گزارتے دیکھا تو انہوں نے بھی ان کی تقلید کرنی شروع کر دی اور ان کی مجالس میں
 بھی وہی سماں نظر آنے لگا جو خلفاء اور ان کے وزیروں کی مجالس کا ہوتا تھا۔ حقیقت
 تو یہ ہے کہ لہو و لعب میں امراء، خلفاء اور وزراء سے بھی بڑھ گئے تھے۔ کیوں کہ
 خلفاء کی مجالس میں مقدار اور شاہی حشمت کا بہت لحاظ رکھا جاتا تھا، لیکن دوسرے امراء
 کے ہاں یہ بات نہیں تھی، وہ آزادوی سے جو کچھ چاہتے تھے کرتے تھے۔

ابو العباس بیان کرتا ہے کہ ہارون الرشید کے عہد کے ایک مغنی، غمارق نے
 میری دعوت کی۔ میں اس کے مکان پر گیا۔ اس کا مکان نہایت آراستہ پر استرا تھا۔
 زمیں پر بہت نفیس فرش بچھا تھا۔ میرے پہنچنے پر اس نے خادموں کو کھانا لانے کا
 حکم دیا، چنانچہ ہمارے سامنے کھانا پُچھ دیا گیا۔ میوے کی روٹیاں تھیں اور کئی
 قسم کے اعلیٰ سامان تھے۔ کھانا کھانے کے بعد ٹہنی ہوئی ٹھیل لائی گئی۔ پھل کے بعد
 دسترخوان پر مٹھائی آئی، جب ہم نے کھانے سے فارغ ہو کر مائدہ وصال کے تو پھل
 میوے اور مختلف قسم کے مشروبات لائے گئے۔

اس صبر کی مجالس کی صحیح کیفیت کا اندازہ کتاب الاغانی اور اس زمانے کے شعراء کے دیوانوں کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

بے تکراری کی وجہ سے امراء میں نزاد و شطرنج کھیلنے کا رواج ہو گیا تھا۔ کبوتر اڑانے کے مقابلے منعقد ہوا کرتے تھے جن کی وجہ سے کبوتروں کی قیمتیں بے حد چڑھ گئی تھیں۔ مرغوں اور کتوں کی لڑائیاں بڑی شان سے منعقد ہوا کرتی تھیں نقشب و نگار اور تصاویر بنانے کا فن بے حد ترقی کر گیا تھا۔ شراب کے جاموں پر مختلف چیزوں کی تصاویر بنی ہوتی تھیں۔ اس کی تصدیق بشار اور ابو نواس کے اشعار سے ہوتی ہے۔ رقص کے فن نے بھی بے حد ترقی کر لی تھی۔ بعض لوگ نے مالیات رقص کا بھی بہترین مظاہرہ کیا کرتی تھیں۔ تمام شہروں میں پرفضا باغات موجود تھے جن کی گھمٹا کی طرف کافی توجہ دی جاتی تھی اور قسم قسم کے پھول ان میں لگائے جاتے تھے جن سے ان کی خوب صورتی دو بالا ہو جاتی تھی۔ لوگ باغات میں سیر کرنے کے بے حد شوقین تھے اور اکثر مجلسیں باغوں میں ہی منعقد ہوا کرتی تھیں۔

غرض کہ اس زمانے میں عراق پر ایک ہمارا آئی ہوئی تھی اور ہر جانب مسرت اور شادمانی کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ وہ خطہ زمین جو امویوں کے عہد میں بالکل بخر تھا جو بایسویں کے عہد میں نہ صرف سرسبز ہو چکا تھا بلکہ اس کی سرسبزی اور شادابی کو دیکھنے سے کہہ سکتے دینا کے کناروں سے لوگ چلے آ رہے تھے۔

تاہم عراق کا جو حال اور پر بیان کیا گیا ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے کہ ملک کے تمام باشندے اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ عیش و عشرت کا مظاہرہ کرنے والی جماعت سے بالکل الگ ایک اور جماعت بھی تھی جسے ان دلچسپیوں سے

مطلق واسطہ نہ تھا اور وہ دوسری اطراف سے آنکھیں بند کئے اپنے مخصوص کام کی تکمیل میں مصروف تھے۔ یہ جماعت ادباء، مصنفین، مترجمین، مفکرین، اور فلسفیوں کی تھی۔ یہ لوگ بڑے اہمک سے صرف اس کام میں مشغول تھے، جسے پورا کرنے کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔

ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کو وہی حیثیت حاصل تھی جو آج کل یورپ میں پیرس کو ہے۔ ہر جانب شراب، راکگ، رنگ اور اوروں کو لعب کا تذکرہ تھا۔ اس لئے پاکباز، زہاد اور متقی لوگ یہاں رہنے کو اپنے لئے ایک مصیبت سمجھتے تھے۔ ایک شخص کا مقولہ تھا کہ بغداد متقیوں کے لئے ننگ ہے، کسی عرصے کو اس میں رہائش اختیار نہیں کرنی چاہئے۔

بغداد کی گلیاں ان لوگوں کے علاوہ غریبوں کے لئے بھی تنگ تھیں، کیوں کہ دولت و ثروت کی وجہ سے ہر چیز کے بھاؤ آسمان تک پہنچے ہوئے تھے اور غریبوں میں اتنے ہلکے داموں چیزیں خریدنے کی سکت نہ تھی۔

بغداد کی اس حالت کو دیکھ کر یہاں ایک جماعت ایسی بھی بن گئی تھی جو دولت و ثروت کے اس بے جا مظاہرے کو روکنے کا عزم کئے ہوئے تھی۔ یہ جماعت لوگوں کو زہد و تقویٰ کی طرف بلاتی تھی۔ جہاں ابوزہر اس اپنے اشارے سے ہر عیب کی آگ بجھاتا تھا۔ وہاں ابوالغائبہ اپنے اشارے میں پرہیزگاری کا دھڑکاتا تھا جہاں ابوزہر اس کھتا تھا،

تمتع من شباب لیس یسقی

وص یبوی الغیوق عوی الصبوح

(جوانی سے جتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے اٹھائے، کیوں کر باقاغزوہ باقی نہیں رہے گا اور نشے کا لطف اٹھانے کے لئے شام کی شراب کے ساتھ صبح کی شراب پی لے) وہاں ابراہیم ابیہ اس طرح زہد و اتقا کی تلقین کرتا تھا :

و غیث خبز یا بس	تاکلہ فی زاویۃ
و کوز ماء بارد	تشر بہ من صافیۃ
و غرفۃ ضیقۃ	فنک فیہا خالیۃ
او مسجد بمعزل	عن الوری فی ناحیہ
معتبرا بمن مضی	من القرون الخالیۃ
خیر من الساعات فی	فیئ القصور العالیۃ

(سو کھ دوٹی کا ٹکڑا، جسے تو ایک کونے میں بیٹھ کر کھا لے، ٹھنڈے پانی کا پیالہ جسے تو پی لے، ایک تنگ کمرہ جس میں تو یکہ و تنہا بیٹھا ہو یا ایک مسجد جس میں تو تمام دنیا سے علیحدہ بیٹھ کر، ان لوگوں کے حال سے جہت پکڑ رہا ہو جو پہلے زمانوں میں گزر چکے ہیں، ان چند گزریوں کے سلسلے سے بہتر ہے جو بلند و بالا محلات کے نیچے بیٹھ کر حاصل ہوتا ہے)

اموال کی کثرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں علم و فن کی ترویج بڑی تیزی سے ہونے لگی۔ شاعری کا بازار گرم ہو گیا اور تہذیب و تمدن کے چٹھے پتھر ٹھنسنے لگے۔ مولف کتاب الاغانی کہتا ہے کہ مشہور مغنی ابراہیم مروسی نے باروں سے جو رقص و سول کیا وہ وہاں تک دینا نہ سے ہی زیادہ تھیں۔ جب ایک مغنی پر اس قدر مدد بردست رقم خرید کی جا سکتی تھی، تو نہ معلوم اس کے سوا بغداد میں اور جو ہزاروں اداکار، شعراء اور

مفتی ہوں گے، ان پر کس قدر رقم خرچ کی گئی ہوگی۔ اس طرح علوم و فنون کی جو گرم بازاری ہوئی۔ اس کا سہرا کلی طور پر ہارون الرشید کے سر بند تھا ہے۔

ہارون الرشید کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے زمانے میں غصے کی کئی مشہور پرانی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اس اہم کام کی طرف اس نے اپنی پوری توجہ مبذول کر رکھی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے وزرائے بھی کتابوں کے ترجموں کی طرف اپنی توجہات مبذول کیں۔ اس طرح یونانی اور فارسی اسالیب فکر کی اشاعت بڑی تیزی سے ہوئی اور اس کا کارنامہ قدیم و جدید تہذیبوں کو ملانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

ادب، صرف و نحو اور فقہ کو بھی ہارون کے زمانے میں بہت ترویج حاصل ہوئی۔ جہاں نحو کے بارے میں بصری اور کوئی دو گروہ بن گئے، وہاں فقہ نے بھی حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مذاہب کی صورت اختیار کر لی۔

بکمیالے بھی اس کے عہد میں بے حد ترقی ہو گئی۔ جہاں تک مصوری کا تعلق ہے اس کے عہد میں جو عملات تعمیر کئے گئے۔ ان میں تصاویر بھی بنائی گئی تھیں۔

موسیقی کے فن نے تو اس کے عہد میں انتہائی عروج حاصل کیا۔ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس فن نے ہارون کے عہد میں کس قدر ترقی کر لی تھی۔ اور خود ہارون کو اس میں کس قدر شغف تھا۔

علوم و فنون کی یہ گرم بازاری محض ہارون کی وجہ سے نہ تھی۔ اس کے امراء و وزراء میں ان کی ترویج میں برابر کے شریک تھے۔ اس کی بڑی ذمہ دہی نے کونخ میں اپنے ایک بندو بالا محل بنوایا جو اس وقت کے فن تعمیر کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ زمین دہنے عاجیوں کی بہبودی کے لئے بھی بہت بڑے کارندے سرانجام دیئے۔ کہ موعظہ کے واسطے

میں جا بجا سرسائیں بنوائیں، جہاں مسافر آرام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک نہر بنوائی جس پر کروڑوں درہم خرچ آئے اور اسی کے نام پر اس کا نام نہر زبیدہ رکھا گیا۔

براہمک نے علوم و فنون کی ترویج میں جو کام کیا وہ تو برہمنوں و نیا تک ان کی یادگار رہے گا۔ نہ صرف انھوں نے محلات بنوائے، بلکہ علوم و فنون کی ترویج میں بھی بہت بڑا کام کیا۔ ان کی علم پروری کا حال سن کر ہر چار جانب سے علماء، ادبا اور شعرا ان کی طرف آنے لگے اور بغداد نے ایک عظیم الشان دارالعلوم کی حیثیت حاصل کر لی۔

جس طرح ہارون الرشید علم و ادب کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا، اسی طرح براہمک بھی اپنے اور گرد علماء، ادبا اور شعراء کو جمع رکھتے تھے۔ اکثر علماء اور ادبا کے باہم مباحثے ہوا کرتے تھے جن سے علوم کے نئے نئے دروازے کھلتے تھے۔ براہمک ان علماء و ادبا پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اطباء پر تو براہمک کی خاص عنایات تھیں اور انھوں نے ان کی بیش قرار خواہی مقرر کر رکھی تھیں۔

یہیں یہ بات بھولنی نہیں چاہئے کہ براہمک فارسی الاصل تھے۔ اسی لئے وہ ایرانی تہذیب کے زبردست ولادہ اور فارسی ثقافت کی ترویج میں پیش پیش تھے۔ سلطنت کا تمام نظام انھوں نے ایرانی سانچوں میں ڈھالا ہوا تھا۔ فضل بن یسار کو (جو بعد میں مؤذراہ استین کے لقب سے مشہور ہوا اور امین کا وزیر اعظم بنا) کیلے برکی نے ایرانی کتب کا ترجمہ عربی میں کسے پر مقرر کر رکھا تھا۔ اس نے یہ کام بڑی لیاقت اور عمدگی سے کیا۔ بھئی اس کی لیاقت سے بہت غور ہوا اور اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ اس پر بھئی نے اسے اور اس کے لڑکے کو خواہاں بھیج دیا، تاکہ وہ وہاں لوگوں کو علم و حکمت کا سبق دے۔

لیکن بالکل نے اپنی کوششیں صرف فارسی ثقافت کی ترویج تک ہی محدود نہیں کیں بلکہ دوسری ثقافتوں کی ترقی کے سلسلے میں بھی بہت بڑا کام سرانجام دیا۔ ابن ندیم ذکر کرتے ہیں کہ بیہیت کے بارے میں مصطلح کی کتاب کو عربی میں ترجمہ کر لے اور اس کی شرح لکھوانے کا خیال سب سے پہلے یحییٰ برکی کو ہوا۔ اس نے علماء کی ایک جماعت اس غرض کے لئے مقرر کی کہ وہ اس کا ترجمہ کریں اور شرح بھی لکھیں۔ جب کتاب یونانی سے ترجمہ ہو کر اس کے سامنے آئی تو وہ مطمئن نہ ہوا اور اس نے: بیت اٹھکڑے کے دو اور عالموں ابو حسان اور مسلم کو دوبارہ اس کی شرح لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھوں نے بڑی محنت سے یہ کام کیا اور پہلے علماء کی لکھی ہوئی شرح میں جو خامیاں باقی رہ گئی تھیں، انھیں دور کیا۔ اسی طرح یحییٰ نے مشہور ہندوستانی طبیب، منک، کی ایک کتاب کا ترجمہ عربی میں کرایا اور ایک آدمی کو خاص اس غرض کے لئے ہندوستان روانہ کیا کہ وہ منک سے ان جڑی بوٹیوں کا مفصل حال پوچھ کر لے جن کا ذکر اس کی کتاب میں تھا۔ منک کے نام جو خط اس نے تحریر کیا، اس میں یہ درخواست بھی کی کہ وہ ہندوستان کے تمام مذاہب کا حال بھی اسے لکھ کر بھیجے۔ چنانچہ منک نے تمام جڑی بوٹیوں اور ہندوستانی کے مذاہب کا حال مفصل طور پر لکھ کر بھیج دیا۔

دارونی نے منک کو بعد میں ہندوستان سے بلا کر بغداد کے تمام شفاخانوں کا افسر مقرر کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ہندوستان سے چند اولیوں کو بھی بلا کر اپنے ہاں ملازم رکھا جن کے نام منک، بنجمل، شاناق اور جودر تھے۔ ان ہندو اطباء کی مدد سے سکرت کی بعض طبی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

یہ بہت ہی مختصر سا بیان الی علی، اہل، ثقافتی اور صحافتی ترقیوں کا ہے جو

عہدِ اُردو میں ہوئیں۔ اس کے زمانے میں علوم و فنون کے ہر شعبے میں بے شمار کام ہوئے
 کھلی گئیں اور بغداد میں علم کا دریا زور شور سے بہنے لگا۔

فاروق نے نہایت دریاواری کے ساتھ علماء و فضلاء اور اربابِ قدرت و ان
 کی اور ان لوگوں نے شاہی سرپرستی میں آکر اور معاش کی طرف سے کلی طور پر بے فکر
 اپنی زندگیاں ترویجِ علم اور تدوینِ کتب کے لئے وقف کر دیں جس کا نتیجہ یہ
 ہوا کہ بغداد کا ہر گھر علم و فن کا مرکز بن گیا اور شہر کا ہر چھوٹا بڑا علم کے نشے میں
 سرشار رہنے لگا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں ایک کتب خانہ نہ ہو اور کوئی شخص ایسا
 نہ تھا جسے کتابیں جمع کرنے کا شوق نہ ہو۔

علوم کی ہر شاخ میں جس قدر ترقی اُردو کے عہد میں ہوئی، اگر اس کی تفصیل
 بیان کی جائے تو ایک پوری کتاب بن جائے۔ اس لئے اس کا نہایت مختصر بیان
 کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ہم یہ سوانح عمری ختم کرتے ہیں۔

تخت نشینی تک کے اہم تاریخی واقعات

سن عیسوی	سنہ ہجری	واقعات
۶۲۲ء	۱ھ	ہجرت نبوی
۶۴۲ء	۱۱ھ	بشی کریم صلعم کی وفات
۶۴۲ء تا ۶۶۱ء	۱۱ھ تا ۱۴ھ	خلفاء راشدین کا زمانہ
۶۶۱ء تا ۷۵۰ء	۱۴ھ تا ۱۳۳ھ	خلفاء امویہ کا زمانہ
۶۸۰ء	۶۱ھ	کربلا میں حضرت امام حسین کی شہادت
۷۵۶ء	۳۶ھ	اندلس میں خلافت امویہ کی ابتدا
۷۵۰ء تا ۷۵۵ء	۱۳۳ھ تا ۱۳۷ھ	عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابراہیم اسحاق کا زمانہ
۷۵۵ء تا ۷۷۵ء	۱۳۷ھ تا ۱۵۹ھ	دارون الرشید کے دادا منصور کا زمانہ
۷۷۵ء تا ۷۸۵ء	۱۵۹ھ تا ۱۶۹ھ	دارون الرشید کے والد مہدی کا زمانہ
۷۸۵ء تا ۸۰۶ء	۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ	دارون الرشید کے بھائی ہادی کا زمانہ
۷۴۳ء تا ۷۶۶ء	۱۴۶ھ تا ۱۴۹ھ	دارون الرشید کی ولادت
۷۷۰ء	۱۶۴ھ	عکبر ایرانی کی قسطنطنیہ میں تخت نشینی

۸۰ء تا ۸۲ء	۱۹۴ تا ۱۹۶ء	دارون الرشید کا لشکر کے ساتھ دوم جانا۔
۸۱ء تا ۸۲ء	۱۹۵ تا ۱۹۶ء	دارون الرشید کی زبیدہ کے ساتھ شادی
۴۔ اگست ۸۷ء	۱۹۹ء	مہدی کی وفات
۱۷۔ ستمبر ۸۶ء	۱۷۰ء	مہدی کی وفات اور دارون کی تخت نشینی
۱۷۔ ستمبر ۸۶ء تا	۱۷۰ء	دارون الرشید کا زمانہ
۲۴ مارچ ۸۰۹ء	۱۹۴ء تا	
۲۴۔ مارچ ۸۰۹ء	۱۹۴ء	دارون کی وفات

ماخذ

عربی کتب

تاریخ طبری

مروج الذهب از مسعودی

المعززی از ابن طباطبائی

کتاب الاغانی از ابو الفرج اصفهانی

وفیات الاعیان از ابن خلکان

نخوات الریاض حاشیه ابن خلکان

تاریخ ابن اثیر

تاریخ ابو الفداء

تاریخ ابن خلدون

حدیث الاربعاء از ذاکر طه حسین

محاضرات تاریخ الامم الاسلامیه از خضری

الفهرست از ابن ندیم

دیوان ابوالقاسم

دیوان ابونواس

فائل رسالہ الفتحت

فائل رسالہ الہلال

فائل رسالہ المشرق

دارۃ المعارف الاسلامیہ از فرید وجدی

العقد الفرید از ابن خلدون

نہایت الارب از نویری

فائل رسالہ الجمع العلوی دمشق

انخبار العلماء باخبار الحکماء از وزیر جمال الدین

غنی الاسلام از احمد امین

خطط الشام از محمد کرد علی

(یورپی کتب)

انسائیکلو پیڈیا آت اسلام

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا

خریج انسائیکلو پیڈیا

تاریخ عام (مطبوعہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کینی)

تاریخ عام از پروفیسر ولز

تاریخ عرب از ہزار - جلد اول و دوم مطبوعہ ۱۹۱۶ء

براہمہ از ہوز - مطبوعہ ۱۹۱۲ء

- خلافت کا حرج و مرجع و زوال از ولیم میور ۔ مطبوعہ ۱۸۹۱ء
- مفکرین اسلام از کاراوی نو
- بندہ دولت اسلامیہ میں از اسٹریچ مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۰۰ء
- شارلیمان اور ہارون الرشید از شمیدت
- شارلیمان اور ہارون الرشید از برٹولڈ
- شام اور فرانس کے ابتدائی تعلقات کے اسباب از برہیہ ۱۹۱۹ء
- مشرق و مغرب از ایبرسلٹ ۱۹۳۸ء
- فرانس پر عربوں کی چڑھائی از رینہ ۱۹۳۸ء
- اسلامی نظام از رینہ ۱۹۳۸ء
- عربوں میں صید و شکار از ولیم میور ۱۹۲۷ء
- اسلامی معلومات از ہنری ولسن ۱۹۳۲ء
- ابوہیم بن ہدی
- فرس صدی میں عباسی سنہ کا اجراء ۱۹۰۹
- عربی تہذیب و تمدن گشتاں یبان
- انسائیکلو پیڈیا آف سانگ
- فرانسیسی ادب میں مشرق کا اثر از مارٹینو
- نشاة اسلام از لامنس
- اسلام کے متعلق مقالات از ڈوڈی
- براہمہ ، تاریخی نادرل از ادب

بنداد کی رایتیں از جیزون وکوزا ۱۹۰۴ء

عربی ادب از گب مطبوعہ کیمبرج

اسلام از ماسیہ

اسلام از مونتہ

اختتامیہ

(شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

مشرق کا وہ رفیع الشان اور عظیم القدر شاہ، جس کا نام ابو جعفر دارون الرشید تھا، دولت جاسید کا ایسا اولوالعزم تاجدار تھا کہ پورے سات سو برس سے دنیا کے اسلام اور سرزمینِ یورپ میں کیساں شہرت کا مالک ہے۔ جیسی جن الاقرامی مقبولیت اور عزت مشرق و مغرب میں دارون الرشید کو حاصل ہے، صلاح الدین اعظم کے سوا اتنی شہرت کسی اور مسلمان فرماؤ اور حاصل نہیں ہوئی۔ یہی وہ خوش قسمت حکمران ہے جس کی متعدد سوانح عمریاں فرانسیسی، انگریزی اور دوسری یورپین زبانوں میں لکھی گئیں۔ جہاں سے وہ مشرقی زبانوں میں منتقل ہوئیں۔ صلاح الدین اعظم کی حیثیت یورپ میں ایک بے نظیر پہلو اور فناخ کی ہے۔ دارون الرشید اس کے بالمقابل یورپ میں کمانیوں کا بادشاہ ہے۔ وہ مجلسِ پیش و نشا کا گُل سرسبز ہے۔ چنانچہ جیسے کہ سارے کوائف کی حکایتیں یورپ کا بچہ بچہ پڑھتا ہے اور جس کثرت کے ساتھ یورپ کی مختلف زبانوں میں دنیا کی اس دلچسپ ترین کتاب کے ترجمے ہوئے ہیں اتنے شوق کے ساتھ شاید ہی مشرق کی کوئی کتاب مغرب میں پڑھی جاتی ہو۔

دارون الرشید کا عہد حکومت کچھ بہت زیادہ طویل نہیں تھا مگر یہ پانچ سو سال

دلت میں بھی ایسے پائدار نقش چھوڑ گیا جو تاریں کنکے صفحات پر ہمیشہ نمایاں اور روشن رہیں
ایک اعلیٰ حکمران، ایک دانش مند شہنشاہ اور ایک اولوالعزم سیاست دان میں غنیمت فرمائیے
اور ان کے پھل پھلائیائیں جو کتنی تھیں۔ قدرت نے وہ سب ہارونی الرشید کے وجود میں جمع کر دیا
تھیں۔ وہ گنگا نہروں کا دریا اور غلوم وغنیہ کا بہت بڑا عالم تھا۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا
ہر اور سیاست مکی کا بے نظیر ماہر تھا۔ زاہد اور خدا ترس اس قدر تھا کہ ناز چنگا نہ کے
تعلو وہ ہر روز سونفل اوکرتا اور روزانہ ایک ہزار درہم خیرات کرتا تھا۔ دین کا اس
قدر عشق رکھتا تھا کہ متعدد حج اس نے پایادہ کئے ہیں۔ جس سال خود حج کو نہ جا
سکتا تو اپنے بھائے تین سو آدمیوں کو سفر خرچ دے کر حج کے لئے بھیجا کرتا تھا
نرم دل اس قدر تھا کہ کوئی اسے نصیحت کرتا تو زار و قطار رٹنے لگتا اور دلاورایا
تھا کہ شاہزادگی کے زمانے میں جبکہ وہ صرف ستروہ برس کا فوجوان تھا۔ باپ نے اسے
دوبی سلطنت پر حملہ کرنے کا حکم دیا جو اس وقت یورپ کی نہایت طاقتور حکومت
تھی اور جس پر فوج کشی کرنا بڑے دل گروے کا کام تھا۔ مگر ہارون الرشید اپنی کم عمری
کے باوجود بالکل نہ ڈرا۔ اور ۹۵ ہزار ۹ سو سپاہیوں کو لے کر دوم پر حملہ کر دیا۔
اس وقت قسطنطنیہ پر کنگد ایرینی حکمران تھی، اسے خبر ہوئی تو اس نے سرحد پر جہاز
فوجیں منتخب بنا دیں۔ اسے ہارون الرشید کی بیخبر کو روکنے کے لئے روانہ
کیں مگر ہارون الرشید نے ایسی بے جگری کے ساتھ حملہ کیا کہ کوئی بھی سردار اور جنرل
اسے روک نہ سکا اور ہر ایک کو اس کے ہاتھ بلی شکست کھانی پڑی۔ سرحد سے
لے کر قسطنطنیہ تک قلعوں اور علاقوں کے گورنروں سے ایک لاکھ ۹۲ ہزار ۶۰
پچاس دینار اور وہ کوڑ ۱۱ لاکھ ۴۰ ہزار آٹھ سو درہم خراج میں وصول ہوا۔

جب ملک ایرینی نے یہ حالت دیکھی اور اپنے آپ کو دارون الرشید کے مقابلے میں بالکل بے بس محسوس کیا تو اُس نے ۷۰ ہزار دینار سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدے پر بڑی ذلت کے ساتھ دارون سے صلح کی۔ اس جگہ میں مختلف محاذات پر دارون الرشید نے دشمن کے ۵۵ ہزار آدمیوں کو تاریخ ۵ ہزار ۶ سو ۴۳ روپوں کو قید کر کے غلام بنایا۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ بیس ہزار گائیں اور بکریاں اس کے قبضے میں آئیں۔ (تاریخ تمدن اسلام از جرجی زیدان جلد دوم صفحہ ۲۱۰)

مختلف حیثیتوں کا ایسا باجبروت شہنشاہ پر وہ عالم پر شاید کوئی گزرا ہو ضرورت ہے کہ اس کے کارنامے، اس کی فتوحات، اس کے عہد کے واقعات، اُس کی شان و شوکت، ہمسایہ سلطنتوں سے اس کے تعلقات اور اُس کی سلطنت کی وسعت و دولت کا ایک مکمل نقشہ آنکھوں کے آگے کھینچ جائے۔ یہ قصہ بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بغیر مکمل نہ ہو سکتا تھا۔ میں اپنی حوصلہ دہانگی سعی و تلاش کے نتائج ذیل کے صفحات میں پیش کر رہا ہوں۔ ان صفحات کا مقصد یہ ہے کہ جو معلومات یا واقعات عمر ابو النصر کی کتاب 'الامان' میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں انہیں اختصار کی صورت میں شامل کر دیا جائے تاکہ اُنہو وہاں جلتے کو عہد دارون کے بارے میں اسی ایک کتاب کی بدولت ہر قسم کی معلومات مہیا ہو سکیں۔

سلطنت دارون الرشید کی وسعت اور عظمت

اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے یہ بیان کریں گے کہ دارون الرشید کی سلطنت دنیا کے کتنے حصے پر پھیلی ہوئی تھی، کون کون سے ممالک اس کے قبضے میں تھے اور اس کی سلطنت کی حدود کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی تھیں تاکہ اندازہ ہو کہ وہ کس درجے اور کس رتبے کا شہنشاہ تھا اور اس وقت کے دوسرے حکمرانوں کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت تھی۔

دارون کے انگریز سوانح نویس مشر یاہراچی کتاب 'دارون الرشید' میں لکھتے

ہیں،

”شہر بغداد ایک ایسی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کا دار الخلافہ تھا جو ہندوستان اور تاتار سے لے کر بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس حدود کے اندر کے تمام وسیع و عریض ممالک پر وہ انسانی حکمرانی تھا جس کے قبضے میں آمدنی کے بے انتہا ذرائع تھے اور جو پوری اور کامل مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرتا تھا، جس کے ارد گرد بے شمار اہل کمال، علماء، فضلاء اور شعراء کا ہر وقت جھگڑا لگا رہتا تھا۔ یہ تھا خلیفہ دارون الرشید۔“

مصنف 'البراکہ' مولوی عبدالرزاق کانیوری مندرجہ بالا بیان پر یہ حاشیہ

چڑھاتے ہیں :

• سوائے سپین کے اس وقت کی کل اسلامی دنیا ہارون الرشید کے تابع فرمان تھی۔ یورپ جس پر نادر کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کے ملک تھے اور یہ دونوں عباسی خلیفہ کے باجگزار تھے۔ یہ

ہارون الرشید کی وسیع و عریض سلطنت کے حدود اربعہ اسیطری، ابن حوقل اور ابن الخفیف کے بموجب حسب ذیل تھے :

شمالی جانب ، براعظم ایشیا میں سریر، خزر اور لان کے ممالک اور یورپ میں بیریشیا کا پھاڑی سلسلہ موجودہ اٹلی میں بحر قزویں اور بحیرہ روم سے نکلا ہر گئے جلتے ہیں۔

جنوب میں خلیج فارس ، بحر ہند اور افریقہ میں ملک فہر کے دو حصے جو مصر سے ملتی ہیں۔

مشرق میں ہندوستان اور ملک چین کا کچھ حصہ۔

مغرب میں بحیرہ اسود، ایشیائے کوچک کا کچھ حصہ اور رومن و بلغاریہ کا علاقہ۔

تذکرہ بالاحدود سے گہری جوئی سلطنت ۲۷ ممالک پر مشتمل تھی۔ ان میں سے سات ممالک مغرب میں تھے اور ۲۰ ممالک مشرق میں۔ جن کی تفصیل یہ ہے :

(۱) ہارون الرشید کی سلطنت کے مغربی ممالک :

(۱) ممالک عرب (۲) فلسطین و شام (۳) بحر فارس (۴) الجزائر۔

(۵) بحیرہ روم (۶) مصر (۷) دیار مغرب
(ب) مشرقی ممالک :

(۱) عراق عجم (۲) کوجستان (۳) خوزستان (۴) دلم (۵) فارس -
(۶) طبرستان (۷) کرمان (۸) جرجان (۹) مکران (۱۰) قزوین (۱۱) طبرستان
(۱۲) صحرائے خراسان کے شہر (۱۳) سندھ (۱۴) سجستان (۱۵) آرمینیا -
(۱۶) خراسان (۱۷) آذربائیجان (۱۸) مادائینہر (۱۹) بلاد ایران -
(۲۰) خوارزم

اب ان ۲۷ ممالک کا حال مختصر طور پر سنئے جو بارون ارنشید کے
ذیر فرمان تھے۔ یہ بات شروع ہی میں ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ ان ممالک میں
سے ہر ملک کئی کئی علیحدہ اور مستقل حصوں اور ٹکڑوں میں منقسم تھا۔

(۱) مغربی مقبوضات

۱۔ ممالک عرب

عرب کئی مختلف ممالک کا مجموعہ ہے۔ جس کی حد بندی مشہور مصری فاضل
جرجی زیدان اپنی کتاب "تاریخ تمدن اسلام" میں قدیم عربی جغرافیہ دانوں کے
بیان کے مطابق اس طرح کرتا ہے :

"اس ملک کو عبادان یعنی رملہ کے دہانے سے بحر فارس نے گھیر رکھا ہے
جو بحرین سے جوتا ہوا عمان کو نکل گیا ہے اور وہاں سے مدین تک پھینک ہوا ایل
ملک چاہنپا ہے۔ عربی جغرافیہ دان ان تمام دریائوں کو بحر فارس سے مربوط کرتے

ہیں جو عرب ممالک کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہیں۔ مگر اس میں اتنا فرق ہے کہ سمندر کا وہ حصہ جو بحر عمان سے لے کر عدن تک چلا گیا ہے وہ محیط الہندی یا بحیرہ عرب کہلاتا ہے اور جو حصہ آبنائے باب المندب سے ایلہ تک چلا گیا ہے اسے بحیرہ قلزم یا بحر احمر کہتے ہیں۔ اس کی شمال مغربی جانب کی حد بندی ممالک شام و فلسطین ایک غدار خط سے کرتے ہیں جو ایلہ سے بحیرہ مردار کو ملا کر فرات بلقارہ، افدمات، سلیمہ اور خناصرہ کو اپنے سلسلے میں لیتا ہوا دریائے فرات سے جا ملا ہے اور وہاں سے رقدہ، قر قیسیا، رجبہ اور کوفہ کو گھیرتا ہوا بطاخ اور واسطہ کو شامل کرتا ہوا عبادان تک گیا ہے۔

آج کل کے جغرافیہ میں عرب کا حدود اربعہ یہ بیان کرتے ہیں :
 مشرق میں ایران کا ملک - خلیج فارس اور بحر عمان -
 جنوب میں بحر ہند اور بحیرہ عرب -

مغرب میں بحر احمر یا بحیرہ قلزم، نہر نیل، بحر روم - ابی سینیا، سرڈان اور مصر -

شمال میں بحر میت، صحرائے شام اور فلسطین -

ہمارے قدیم جغرافیہ میں کسی ملک کی مساحت کا اندازہ بالعموم رتبا سے کیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر مشہور جغرافیہ اسماعیل ابوالفداء اپنی کتاب تقویم البلدان میں لکھتا ہے کہ "اگر کوئی شخص سات جہینے اور گیارہ دن تک بارہیقا رہے جب عرب کے گرد ایک چکر پورا لگا سکے گا۔" موجودہ پیمائش کے لحاظ سے عرب کا طول بند و معید سے عدن تک پندرہ سو میل اور عرض العرش سے دریائے فرات تک

چھ سو میل ہے۔ مجموعی رقبہ ۱۲ لاکھ مربع میل ہے۔

عرب ممالک چار حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ جی میں سے ہر ایک حصہ ایک جدا گانہ ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان چاروں حصوں کے نام یہ ہیں، (۱) عروض (۲) نجد (۳) یمن (۴) حجاز۔ ان میں سے ہر ایک قطعہ مختلف صوبوں پر منقسم ہے۔ تفصیل یہ ہے :

۱۔ عروض

صوبہ عروض حدود عراق سے خلیج فارس کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے، اس میں مندرجہ ذیل تین بڑے قطعات شامل ہیں :

۱۔ یساعہ۔ صوبہ نجد کے متصل اور اس کے جنوب میں واقع ہے۔ عرب کی تعلیم قوموں میں اہم اور جدید کا یہی سکھ تھا۔ زرتا را اسی صوبے کی دہن سے والی تھی جو اتنی تیز نظر تھی کہ تین روز کے فاصلے سے آنے والے تافے کو دیکھ پا کر کہتی تھی۔ مشورہ ملی نبوت سیلہ کذاب اسی علاقے کا باشندہ تھا۔

۲۔ بحرین یا الحساء۔ خلیج فارس پر ساحلی علاقہ ہے۔ یہ قطعہ مزین ترین کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ساحل پر جب دیکھو۔ خواص مسند رکی تریں سے موتی نکالتے نظر آتے ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں جو موتی یہاں سے نکالے گئے تھے۔ ان کی قیمت ۱۲ لاکھ پونڈ تھی۔

۳۔ عمان : اس کے ایک طرف خلیج فارس اور دوسری طرف بحرین ہے۔ دارالحکومت سقطہ ہے۔ رقبہ اسی ہزار مربع میل ہے۔ سرزمین عرب میں بڑا عجیب علاقہ ہے۔ اس کے پناہ قیمتی مہنات سے، اس کے مسند و پیش باہر تریں

سے، اس کی دادیاں خوشبودار مکڑیوں سے، اس کے جنگلی لذیذ پھلوں سے اور اس کے کھیت ہر قسم کے غلوں سے جڑے پڑے ہیں۔ یہاں کے گھوٹے اچھیا اور بکریاں بھی سارے عرب میں مشہور ہیں۔

۲۔ نجد

نجد وسط عرب میں ایک سرسبز و شاداب اور بلند و فراز قطعہ زمین ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجد ہی میں ہی کے رہنے والے تھے، جی کے پیرو دہانی کھلاتے ہیں۔ سلطان ابن سعود بھی یہیں کے فراز واقعہ جھوں نے بعد میں بڑھ کر مکہ کے عرب پر قبضہ کر لیا۔ یہ ملک تین حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ شمر

ب۔ قصیم اور

ج۔ عارض۔ داما حکومت دیا من ہے۔

۳۔ یمن

بحیرہ عرب اور بحرِ قرظم کے کناروں پر واقع ہے اور عرب کا سب سے زیادہ شاداب، سب سے زیادہ پھل و دھن، سب سے زیادہ وسیع، سب سے زیادہ آباد اور سب سے زیادہ مذہب علاقہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ عربوں کا ملک کہلاتا ہے۔ یہی دو تاریخی ملک ہے جہاں قدیم زمانے میں مخالفہ، اہل معین، عاتق، سبا اور حمیر کی حکیم اشراف سلطنتیں قائم ہوئیں، جن کی عظمت و شوکت کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں اور جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: "لم یخلق مثلہا فی البلاد" اس ملک کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تین دن سفر میں

یہ ۸۴ صوبوں پر مشتمل تھا۔ صنفاء دار الحکومت ہے۔ قدیم شہور مقامات یہ تھے،
 معین، مآرب، ظفار، اوزال، شیدیان، براش، نشق، خولان، قرن،
 شبوہ اور عمران وغیرہ۔

حک کے بڑے بڑے حصے حسب ذیل ہیں :

(۱) حضرموت (۲) احتاف (۳) صنعائے یمن (۴) بخران (۵) عیسر
 اس ملکی تقسیم کے علاوہ یمن کے ساحلی مقامات اور جزائر میں سے بعض کے

نام یہ ہیں :
 اشعر، ہمد، مربط، المکلمہ، الحورہ، الحوطہ، جزیرہ بریم، الحج، عدن،
 الحدید، قرآن۔

مشہور عاشق رسول صلعم، حضرت اویس قرنیؓ اسی علاقے کے ایک گاؤں
 قرنی کے رہنے والے تھے۔

۴۔ حجاز

حجاز عرب کا وہ خطہ پاک ہے جس سے نور اسلام کی کرنیں تمام دنیا میں
 پھیلیں۔ یہی وہ ارض مقدس ہے جہاں خدائے واحد کی عبادت کے لئے حضرت
 ابراہیمؑ نے سب سے پہلے گھر بنایا۔ یہی وہ سرزمین مقدس ہے۔ جہاں خدا کی آخری
 شریعت نازل ہوئی۔ حضور رحمتہ للعالمین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا مزار پر اوزار اسی حجاز میں واقع ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں دنیا بھر کے مسلمان
 دیوانہ وار ہر سال حج کے لئے چلے آتے ہیں۔

پچ پچھنے تو حجاز کی بزرگی و بڑی شہرت اور مقبولیت صرف مکہ معظمہ اور

مدینہ منورہ کی وجہ سے ہی ہے۔ ورنہ ان کے سوا اس میں اور کیا رکھا ہے۔ سارا علاقہ رگستان اور کوہستان ہے۔

صوبہ حجاز کا طول ۲۱۱ میل اور عرض ۸۶ میل ہے۔ مکہ اور مدینہ کے علاوہ اس کا تیسرا مشہور شہر طائف ہے جو اپنی شادابی اور سرسبزی کے لحاظ سے گویا حجاز کی جنت ہے۔

حائن صالح، تیمار، بتوک، خیبر، مدین مشہور بستیاں ہیں۔ جدہ، رابع اور یثیع بندر گاہیں ہیں جو بحیرہ تنزم پر واقع ہیں۔

حجاز سے ملتی تھامہ کا علاقہ ہے۔ جس کا مستقر شہر قفزہ ہے۔ یہ علاقہ ساحل بحر کے قریب نشیبی ہے۔ عرب میں تھامے تین ہیں (۱) تھامہ حجاز (۲) تھامہ یمن اور (۳) تھامہ عسیر۔

ان چاروں صوبوں کے علاوہ عرب کے دو حصے اور ہیں، ایک عرب الشام کہلاتا ہے دوسرا عرب العراق۔

۵۔ عرب الشام

یہ حصہ ملک شام و فلسطین سے ملا ہوا عرب کا علاقہ ہے۔ یہاں قدیم زمانے میں مالک کی زبردست سلطنت قائم تھی۔ غسانیوں نے بھی یہاں بڑی شان سے حکومت کی ہے۔ یہی وہ قطعہ زمین ہے جس میں کونہ طور واقع ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کو نبوت ملی تھی۔

۶۔ عرب العراق

آج کل اس علاقے کو عراق عرب کہتے ہیں۔ بصرہ اور کوفہ اس میں پر مشہور

خاروق اعظم کے زمانے میں آباد ہوئے تھے، جو خالص عربی تمدن کے مظہر اور حصہ
اول کے علماء کے مستقر رہے ہیں۔

۲۔ فلسطین و شام

عرب کے شمال میں واقع یہ ممالک یاروق الرشید کے زمانے میں سات
صوبوں پر منقسم تھے :
۱۔ جند فلسطین

یہ صوبہ ولایات شام میں سب سے زیادہ زرخیز تھا۔ دارالحکومت کا نام ریدہ
تھا جو اُس وقت بیت المقدس سے بھی زیادہ پر رونق شہر تھا۔ اسی علاقے میں وہ
بیابان شامل تھا جو 'بنی اسرائیل' کہلاتا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
نافرمانی کی وجہ سے بنی اسرائیل چالیس سال تک جھگٹے پھرے تھے۔ یہ ۵۲ میل
لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا فلسطین کا ایک ضلع 'ابحناؤ' کے نام سے موسوم تھا جس میں
جانبِ افغانستان اور تدرقی چشمے بہتے تھے۔ فلسطین و شام ہی وہ ممبرک اور مقدس
مرزمین ہے جہاں بنی اسرائیل کے سینکڑوں نبی مدفون ہیں۔ بیت المقدس (یروشلم)
کا شہر فلسطین میں ہے۔ جہاں کی مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ۱۸۰۰
برس قبل مسیح میں بنوائی تھی اور جو آج تک یہودیوں اور عیسائیوں کا قبلہ ہے۔ اور
بیت المقدس حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ اسے واپس لینے
کے لئے یورپ کی متعدد طاقتوں نے سات مرتبہ مسلمانوں پر حملے کئے مگر وہ کامیاب
نہ ہو سکے۔ بیت المقدس، ریدہ، بیت اللحم، یافا، اور بیلا، غزہ، شرہ و غیرہ فلسطین

کے مشہور مقامات تھے جن میں سے بعض اب بھی باقی ہیں۔

۲۔ جند الارون (ولایت اردن)

اس سوئے میں ایک ترعوز کا ضلع، دوسرے دریائے اردن کا کنارہ، تیسرے بحر لوط کا علاقہ شامل تھا۔ دارالحفاظ طبریہ (طبرياس) تھا۔ میان، فحل، عکر اور صور اس کے بڑے بڑے مقامات تھے۔ عکر اب بھی آباد اور باہریوں کا قید ہے۔ بحر لوط کو بحر حفوت، بحیل مردار اور بحر میت وغیرہ مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بحیل دنیا کی بڑی عجیب اور ہولناک بحیل ہے جس کا طول ۶۰ میل اور عرض ۴۰ میل ہے۔ عظیم زمانے میں اس مقام پر مسند رکاوٹی فظان نہ تھا۔ بلکہ اس تمام علاقے میں گنجان آباد اور پر رونق شہر آباد تھے۔ جن کے نام سدوم، عمورہ، غومرہ، اور اصاصورہ اور ضبوئیم تھے۔ جب ان بستیوں کے باشندوں کی بداحمالیاں مدسے پر مشتمل گئیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے کھانسنے کے لیے بھیجا۔ مگر ان بد بختوں نے ان کا کنار مانا اور اسی طرح فسق و فجور میں مبتلا رہے بالآخر خدا کا عذاب ان پر بھرا۔ رات کے آخری حصے میں ایک صیبت ناک چرخ سے، جو زمین کے اندر بلند ہوئی، ان بستیوں کے باشندے ہلاک ہو گئے۔ جو باقی بچے۔ ان پر آسمان سے پتھر برسے اور ان سب کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر سخت زلزلہ آیا جس سے زمین کا تختہ الٹ گیا۔ بستیوں کی زمین ڈھائی سرفٹ نیچے چلی گئی اور یہ نشیب پانی سے بھر گیا۔

اس واقعے کو اگرچہ چار ہزار برس گزر چکے ہیں مگر آج بھی خدا کا غضب اس جگہ برس رہا ہے۔ بحیل کا پانی سخت بدبودار اور متعفن ہے۔ اس پر سے جو ہوا اُگرتی

ہے وہ اتنی ذہربلی ہو جاتی ہے کہ آس پاس کے باشندوں کے لئے نہایت مضر ہوتی ہے۔ جھیل کے پانی میں پھلی یا کوئی اور جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسان اس میں گر پڑے تو نہ ڈوب سکتا ہے نہ باہر نکل سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دم نکل جاتا ہے۔ اس کے پانی میں یہاں تک سمیت گھٹی ہوئی ہے کہ اگر لکڑی اس میں ڈالی جائے تو ایسی بھسم ہو جاتی ہے کہ جلانے کے قابل بھی نہیں رہتی۔

کچھ جھیل پر ہی موتوں نہیں، اس کے آس پاس کا علاقہ بھی اس وقت تک غضب خداوندی میں مبتلا ہے اور سرزمین طعون کے نام سے مشہور ہے۔ اس سارے قطعہ زمین میں نہ کسی قسم کا بیج پھل لاسکتا ہے، نہ کسی قسم کی نباتات پیدا ہوتی ہے، نہ وہ درخت دینے والے سریشی اس علاقہ میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ ایک سیاہ رنگ کا میدان ہے جو دوڑ تک چلا گیا ہے۔ مشہور سیاح مقدسی دسویں صدی میں اس کے متعلق لکھتا ہے :

”جس شخص کو یہ محسوس ہو کہ ملک الموت اس کے پاس آئے ہیں وہ پر لگا رہا ہے وہ یہاں آجائے۔ میں نے دنیا بھر میں اس سے بدتر مقام آب و ہوا کے لحاظ سے کوئی نہیں دیکھا۔“

۲۔ جند دمشق

ولایت دمشق کے اضلاع یہ تھے :-

نخلستان غوطہ، جبلیک، البقاع، لبنان، جزیرہ، حولہ، طرابلس، جبیل، بیروت، صیدا البشیہ، حوران، جولان، البقاع، جبرین، خور، ماب، عمان، الشراہ، البصری اور حابہ۔

خود باغوں اور گھٹانوں سے بھرا ہوا ایک نہایت سرسبز و شاداب میدان ہے۔ یہ میدان ۳۰ میل لمبا چوڑا ہے اور بے حد نشاط انگیز اور فرحت افزا ہے عرب اسے جنت الارض کہتے ہیں۔

البشیرہ وہ مقام ہے جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ حوران میں ایک آلاب تھا جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا تھا۔

۴۔ جند حمص

اس علاقے میں حسب ذیل اضلاع شامل تھے،
سلیہ، تدمر (پامیرا)۔ الخناصر، کفر تاب، لازقیہ، جلداء، الطرطوس اور حصن الخوابی۔

۵۔ جند قنسرین

پہلے اس علاقہ میں متعدد اضلاع شامل تھے۔ لیکن جب دارون الرشید کے عہد میں ملک کی نئی تقسیم شروع ہوئی اور حواصم کا علیحدہ صوبہ بنایا گیا تو قنسرین کے ضلع میں صرف شہر قنسرین، حلب، لیسرین، معرة النعمان اور سرہین کے اضلاع رہ گئے۔

۶۔ جند الحواصم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے زمانہ خلافت میں سرحدوں پر نہایت مضبوط قلعے بنوائے تھے تاکہ سرحد کی حفاظت ہو سکے۔ ان جنگی قلعوں کو دارون الرشید نے حواصم کے نام سے ایک جداگانہ ولایت بنایا اور ان کو

حسب ذیل اصطلاح میں تقسیم کر دیا۔ تورس، الحب، منج، انطاکیہ، توزیں پاس،
رصافہ، شام، دلوک اور دلبان۔ دارالحکومت منج تھا۔

۷۔ جند الشور

یہ بھی سرحدی قلعے تھے۔ جو یارون کی سلطنت کی شمالی سرحد پر شام میں واقع تھے۔
ان میں بہت مضبوط اور مسلح فوج ہر وقت دشمن کے مقابلے کے لئے تیار رہتی تھی
ان قلعوں کے نام یہ تھے:

(۱) طرطوس۔ جو تمام سرحدی قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ یارون
نے اسے اور زیادہ مستحکم کیا تھا۔

(۲) اذنہ۔ اس قلعے کو خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۱ھ - ۷۸ھ میں بہت
مستحکم طور پر دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔

(۳) المصیصہ۔ اس قلعے کو بھی یارون نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔

(۴) یارونہ اسے یارون الرشید نے ۱۸۳ھ - ۹۵ھ میں تعمیر کرایا تھا۔

ثغور کے دو حصے تھے ثغور الشام اور ثغور العراق۔ ثغور الشام کے قلعے
اور پر بیان ہو چکے ہیں۔ ثغور العراق کے قلعے الجزیرہ اور فارس سے ملتی تھے۔ ان
کے نام حسب ذیل ہیں۔۔ عطیہ، کاماخ، شمشاط، البیرو، حصن منصور، حدث الحمراء،
مرعش۔ آخر الذکر کے گرد یارون الرشید نے ایک بہت مضبوط اور دھڑیل
بنوائی تھی اور چاروں طرف خندق کھدوائی تھی۔ عین زربہ کے قلعے کو بھی یارون نے
۱۸۰ھ - ۹۶ھ میں دوبارہ تعمیر کر کے زیادہ مضبوط بنایا تھا۔

۳۔ بحر فارس

بحر فارس سے عرب جزائیں کے نزدیک وہ دریا مراد ہیں جو ملک عراق میں
 بننے والے دریائے دجلہ کے دبانے سے ایلاہ تک ملک عرب کو محیط کئے ہوئے
 ہیں۔ اس میں خلیج فارس، بحیرہ عرب، خلیج عمان، بحر احمر اور خلیج عقبہ سب
 شامل ہیں۔

۴۔ الجزیرہ

دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان کے علاقے کو الجزیرہ کہتے ہیں۔
 ارض التہرین بھی اس کا نام ہے۔ مارون الرشید کے زمانے میں الجزیرہ کا سارا
 ملک نہایت مسر سبز و شاداب تھا مشہور شہر حب ذیل تھے، مائل جو باغات
 کے لئے مشہور تھا۔ سنجا، اہماں، سلازوں کے منتخب مہنیں اور مند سہیں نے جمع
 ہو کر کوہ ارض کی پیمائش کی تھی۔ نصیبیں، الجزیرہ کا سب سے زیادہ پُر رونق
 شہر تھا۔ اس بالین بھی بہت خوش فاشہ تھا۔ آمد، رنہ، قرقیبا، الحمدیشہ،
 حمان، الرطہ اور سرودج بھی اہم بستیاں تھیں۔

الجزیرہ میں چند صحرا بھی تھے جن میں ربیعہ اور مصر کے بانی قبائل بدو بائش رکھتے تھے۔

۵۔ جزائر بحر روم

ان سے عرب جزائیں نویسوں کی مراد وہ جزائر ہوتے ہیں جو بحیرہ شام یا بحر روم

میں واقع ہیں مثلاً قبرص، روڈس، کریٹ، سسلی، کارسیکا، سارڈینیا، مینیکا اور
جزیرہ وغیرہ۔ عربی جہازران اور عباسی خلفاء ہمیشہ ان جزیروں پر حملے کرتے رہتے
تھے اور ان میں سے بعض ان کے باجگزار بھی تھے۔

۶۔ مصر

مصر دنیا کے مشہور ترین اور قدیم ترین ملکوں میں سے ایک ہے۔ تہذیب و
شائستگی اور علوم و فنون میں قدیم زمانے میں مصریوں نے حیرت انگیز ترقی کی تھی۔
اتنی حیرت انگیز ترقی کہ اور کوئی قوم اس خصوصیت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انھوں
نے لاشوں کو نمی کرنے کا طریقہ نکالا جس سے لاشیں سینکڑوں، ہزاروں برس تک
جوں کی توں محفوظ رہتی ہیں۔ انھوں نے ابراہیم بنائے جو ہزاروں برس بوڑھے ہونے
کے باوجود سو اوثاب زمانہ کا منہ چڑا رہے ہیں اور دنیا کے سات قدیم عجائبات
میں سے شمار ہوتے ہیں۔ دنیا کے مردود مشاہیر میں سب سے زیادہ شہرت بھی
مصر ہی کے 'فرعون' کے حصے میں آئی، جس کی مٹی شدہ لاش آج تا ہر کے عجائبات
میں پڑی ہر ملکیت اور مغرور کو درس عبرت دے رہی ہے۔

مصر عہد فاروقی میں فتح ہوا۔ دولت عباسیہ کا بے عدا ہم صوبہ تھا۔ اس کا
حدود دار بعد جو مارون الرشید کے وقت میں تھا آج بھی وہی ہے۔

شمال میں بحیرہ روم، مشرق میں بحیرہ طوزم، جنوب میں نوبہ اور سوڈان، مغرب
میں صحرائے لیبیا اور صحرائے اعظم۔

اس کی وسعت ۳ لاکھ ۸۵ ہزار مربع میل ہے اور آبادی پرنے دو کروڑ

کے قریب۔

مصر کے دو بڑے حصے ہیں۔ 'مصر صعیہ' اور 'مصر السفلی' یعنی شمالی اور جنوبی مصر۔

(الف) مصر صعیہ آٹھ صوبوں پر منقسم ہے، جن کے نام یہ ہیں :
جزیرہ، فیوم، بنی سوئیٹ، مینا، اسکیوط، جرجا، قنا، اصران۔
(ب) مصر السفلی کے چھ صوبے ہیں :
شرقیہ، دہلیہ، غریبہ، بحیرہ، منوفیہ، قلیوبیہ۔
مصر کے جنوب میں فوبہ، کامک، می مارون کے زیر حکومت تھا۔

۷۔ بلاد المغرب

عرب ان تمام ممالک کو جو مصر سے مغرب کی طرف بحر اوقیانوس سے او
شمالاً جزیرہ بحیرہ روم سے سمراٹے اعظم تک پھیلے ہوئے تھے۔ بلاد المغرب کے
نام سے پکارتے تھے۔ یہ ممالک چار تھے۔

- (۱) طرابلس۔ مصر کے جنوب کی طرف
- (ب) تونس۔ طرابلس کے شمال مغرب کی جانب
- (ج) الجزائر۔ تونس کے مغرب میں۔
- (د) مراکش۔ الجزائر کی مغربی سمت میں۔

یہ چاروں ممالک مارون الرشید کی سلطنت میں شامل تھے۔ اس وقت ان
چاروں ملکوں کی تقسیم بغداد سے نزدیک و دور ہونے کے لحاظ سے تین حصوں میں

کی باقی تھی۔

۱۔ مغرب الادنیٰ جسے افریقیہ بھی کہتے تھے۔ اس میں طرابلس (ٹریپول) اور تونس (ٹونس) دونوں شامل تھے۔ قیروان ان کا پایہ تخت تھا۔ عباسیہ، ہمدیہ، منصوریہ، قرطاجہ اور سلقویہ مشہور شہر تھے۔

۲۔ مغرب الاوسط۔ یہ علاقہ الجزائر اور جزیرہ مرعش پر مشتمل تھا جس کا دار الخلافہ تلمسان تھا۔ تلمسان اور موطا مشہور شہر تھے۔

۳۔ مغرب الاقصیٰ یعنی مراکش (مراکو) جس کا دار الحکومت سلجماس تھا۔ مشہور شہروں کے نام یہ ہیں۔ سبتہ، طنجہ، العریش، کناسہ اور دیبل۔
مراکش کے شہروں میں سے شرفاس کو علمی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل تھی۔ فرانسیسی مؤرخ مبدیو کے الفاظ اس شہر کے متعلق یہ ہیں: "فاس مشرقی علوم و معارف کا آخری عجائب گھر و مائتہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہاں ایشیا اور اندلس کی عربی حکومتوں کی تباہی کے بعد نادرہ و نادرہ علمی کتابوں اور عالموں نے پناہ لی تھی۔ اس شہر میں بہت سے مدارس قائم تھے اور ایک عظیم الشان کتب خانہ تعلیمی عربی کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔"

(ب) مشرقی ممالک

۱۔ عراق عجم

عراق عجم وہ ملک ہے جسے آج کل مینو پوریاہ کہتے ہیں۔ جہنداروں میں اس کا طول شہر نکریت سے شہر عبادان تک تھا۔ نکریت دریائے دجلہ کے کنارے پر تھا۔

اور عبادان خلیج فارس کے کنارے پر۔ عرض قاصد سید سے حلو ان تک تھا عراق
عجم و اہل دریا سے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ کے جنوبی حصہ کا نام تھا جسے
عرب جزیرافین نے سواہ کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ یہ نام اس ملک کو حضرت عمرؓ
کے زمانے میں دیا گیا تھا جب اسلامی فوجوں نے اسے فتح کیا تھا۔

عراق عجم کی حدود جو اوپر بیان کی گئی ہیں دارون الرشید کے زمانے کی ہیں لیکن
یہ حدود بہت کچھ بدل گئی ہیں۔

عراق کا سب سے زیادہ مشہور، سب سے زیادہ عالی شان اور سب سے زیادہ
وسیع شہر دارالسلام بغداد تھا۔ یہ شہر عباسیوں کا دارالحکومت تھا اور اسلامی علم و فن
اور مسلم تہذیب و فاضلگی کا مرکز۔ سینکڑوں بڑے بڑے فضلا، ادیب اور شاعر
اس کی خاک سے پیدا ہوئے اور یہیں دفن ہو گئے۔ اس کی وسعت کا اندازہ یوں
لگائیے کہ اس میں ۶۵ ہزار حمام تھے، مسجدوں کی تعداد تین لاکھ تھی۔ یہ اتنی بڑی
تعداد ہے کہ آج کل کے زمانے میں کسی طرح بھی قیاس میں نہیں آسکتی۔ بغداد اپنے
عروج کے زمانے میں چالیس بڑی بڑی بستیوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا۔
زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ سابق کا بغداد آج کل ایک معمولی شہر ہے اور اس کی
شان و شوکت اٹل یلہ کا ایک قصہ بن کر رہ گئی ہے جس پر شاید کوئی شخص یقین
کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔

بصرہ کی بنیاد حمید فاروقی میں ۱۷۰ھ - ۷۸۰ء میں پڑی اور بہت جلد یہ علم و دانش
کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ عباسیوں کے زمانے میں یہاں کی تجارت بڑے عروج پر تھی جو
ایک طرف ہندوستان اور چین سے جرتی تھی تو دوسری طرف بحر اوقیانوس تک یہاں کے

تاجر پہنچتے تھے۔ اس وقت بصرے کا ساحل سینکڑوں تجارتی جہازوں کا پڑاؤ بنا رہتا تھا۔ یہاں کے تاجر اتنے مالدار تھے کہ ایک ایک لاکھ روپیہ سالانہ حکومت کو ٹیکس کا ادا کرتے تھے۔ جنگ جمل ۳۶ھ - ۶۵۶ء میں یہیں جوئی مٹی خواجہ حسن بصریؒ یہاں کے مشہور صوفی بزرگ ہوئے ہیں۔ کوثر کو عہد خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بسایا تھا۔ حضرت علیؓ کا دار الخلافہ بھی شہر تھا۔ اہل سنت والجماعت کے امام حضرت ابو حنیفہؒ یہیں کے رہنے والے تھے۔

واسطہ کو حجاج بن یوسف نے ۷۸۴ھ - ۷۹۰ء میں بسایا تھا۔ حلوان ملک عراق کا آخری سرحدی شہر تھا۔ یہ نہایت پُر رونق تھا۔ حبرہ شاہان عراق کا قدیم مستقر تھا۔ یہ کوفہ کے قریب واقع تھا۔ وائیں بڑا عظیم الشان شہر تھا جو سات صدیوں کا مجموعہ تھا۔ ساسانی بادشاہوں کا دارالحکومت بھی شہر تھا جن کے عالی شان محل کھنڈروں کی صورت میں اس وقت بھی موجود ہیں۔

آبلہ یہ شہر دریائے ابلہ کے دبانے کے قریب واقع تھا۔ جس مقام پر ابلہ کا پانی دریائے دجلہ میں داخل ہوتا تھا۔ وہاں ایک خطرناک بھنور تھیں جس سے پڑتا تھا اکثر جہاز جو وہاں سے گزرتے۔ اس گرجاب میں پھنس کر ڈوب جایا کرتے تھے۔ فاروق المرشید کی بیوی زبیدہ نے کئی جہازوں میں پھنس کر ڈوب کر اس مقام پر پھینکوائے جس کے بعد وہ بھنور بند ہو گیا اور خلیفہ خدا کو اس مصیبت سے نجات ملی۔

نہروان کا شہر نہایت سرسبز تھا۔ چیلوں کی یہاں نہایت افزائش تھی۔ یہ باغوں اور نخلستانوں کے لئے سارے عراق میں مشہور تھا۔ یہاں کی کھجوریں اور نارنگیاں نہایت

لذیہ اور خوش ذائقہ ہوتی تھیں زمانے کے باقوں اب یہ شہر مٹ چکا ہے۔
 سامرا۔ عراق کا یہ مشہور شہر عبد کے سات عباسی فرمانرواؤں کا دارالسلطنت
 رہا ہے۔ "سرمین رٹے" بھی اسے ہی کہتے ہیں۔ اس شہر کی بڑی شہرت اس وجہ سے
 ہے کہ شیعہ صاحبان کے عقیدے کے موافق ان کے "بارہویں" ام حضرت حجتہ الثانیہ
 ابوالقاسم محمد ہدی ۲۶۴ھ - ۸۷۷ء میں اس کے ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے
 جہاں وہ زندہ ہیں اور قیامت کے قریب ظہور فرما کر دنیا کو عدل و انصاف سے
 بھر دیں گے۔ "اسی لئے ان کا نام امام غائب اور امام منتظر بھی ہے۔
 سکریٹ۔ سامرا سے ۲۰ میل شمال میں عراق کا آخری شہر تھا۔ مسیح
 بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی یہیں پیدا ہوا تھا۔

جنف اشرف۔ اس قبضے کی خاص شہرت اس لئے ہے کہ یہاں حضرت علی
 کو م اللہ دہرہ کا مزار واقع ہے جس کی زیارت کے لئے ہر سال ہزاروں لوگ وہاں
 جاتے رہتے ہیں۔ مشہد مقدس بھی اسے ہی کہتے ہیں۔

اسی عراق میں دریائے فرات کے کنارے شہر بابل کے کھنڈوات تھے۔
 جو زمانہ سابق میں نہایت عظیم الشان شہر تھا اور یہاں کے معلق باغات عجائبات
 عالم میں شمار ہوتے تھے۔ سکندر اعظم کا ہندوستان سے لوٹتے ہوئے یہیں اختلال
 ہوا تھا۔

۲۔ کوہستان یا الجبال

اس سے ملک فارس کے کوہستانی مقامات مراد ہیں جن کی تقسیم اردن الرشید

کے زلٹنے میں کئی حصوں میں ختمی۔ اس ملک کا سب سے بڑا شہر ہمدان تھا۔ اس کے علاوہ مشہور شہر یہ تھے۔ دیور، مامیدان، اصفہان، قم، قاشانی، تہانہ، اللو، الکرج، قزوین، زور، حلوان، قاشانی۔

۳۔ خوزستان

خوزستان عراق کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت امواز تھا جو اپنے زمانہ موجود میں تجارت کی بڑی بھاری منڈی تھا اور تجارتی مال جمع کرنے کے یہاں بڑے بڑے گودام تھے۔ یہ ملک کئی حصوں میں شاہزادہ تھا جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) امواز (۲) جندی سابور (۳) سوس (۴) کسرو (۵) دامہر مز (۶) سرق (۷) عسکر (۸) مکرم۔ ہر صوبے کا صدر مقام وہی شہر تھا جس کے نام پر صوبے کا نام رکھا گیا تھا۔ جندی سابور حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوا تھا اور قیسری صوبہ عیسوی میں بسایا گیا تھا۔ یہ شہر قرون وسطیٰ کے بہت بڑے علمی مراکز میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی خاک سے بڑے بڑے علماء اور فضلاء پیدا ہوئے۔ سوس میں حضرت وائسال علیہ السلام کا مزار ہے۔ زمانہ قدیم میں یہی شہر فارس کا دارالحکومت تھا۔

۴۔ یلم

یہ ملک بحیرہ خزر کے کنارے پرآباد ہے۔ پورا ملک کو ہستانی ہے۔ اس کے مشہور شہر یہ ہیں :

رے، اہر، زنجان، طالقان اور دیوان تھے۔

۵۔ بلاد فارس

یہ ملک مغرب میں خوزستان اور مشرق میں صوبہ کرمان کے مابین تھا۔ اس کی سرحد شمال میں اصفہان سے اور جنوب میں دریائے فارس سے ملتی تھیں۔ یہ ملک پانچ بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم تھا۔ جس میں سب سے بڑا اصطخر کا صوبہ تھا۔ و مرا صوبہ اور شیراز کا صوبہ تھا جس کا صدر مقام شہر جوہر تھا۔ اسی صوبے میں شیراز کا قدیم تاریخی شہر تھا جو سعدی کا وطن ہونے کے لحاظ سے ساری علمی دنیا میں مشہور ہو گیا۔ ملک فارس کا دار الحکومت یہی شہر تھا۔ تیسرا صوبہ دارا بکرہ جو تھا ارہبان اور پانچواں ساہور تھا۔ ساہور اس ملک کا سب سے چھوٹا صوبہ تھا۔ اس ملک میں لاکھوں خانہ بدوش کرد آباد تھے جن کے صرف مردوں کی مجموعی تعداد ۲۵ لاکھ تھی۔

۶۔ طبرستان

یہ ملک بھی بحیرہ خزر کے ساحل پر آباد تھا۔ آج کل اسے مازندران کہتے ہیں۔ آمل کا مشہور شہر اس کا صدر مقام تھا۔ جو مشہور مورخ ابن جریر طبری کا وطن ہے۔ یہ سلطنت علویہ کا پایہ تخت بھی رہا ہے اور اب بھی آباد ہے۔ مگر بہت معمولی سا منصب ہے جس کی آبادی صرف دس ہزار نفوس ہے۔

۷۔ کرمان

اس ملک کی مشرق میں کرمان سہارہ مغربی حد فارس سے ملتی تھی شمالی طرف

خراسانی کا رگستان اور جنوب میں بحر فارس تھا۔ مشہور شہر شیرجان، بجم، جیرفت اور ہرمز تھے۔

۸۔ جرجان

نارون کے عہد میں اس ملک کی حدود یہ تھیں۔ شمال میں ترکستان۔ جنوب میں قومس۔ مشرق میں خراسان اور مغرب میں بحیرہ خزر۔ اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر جرجان تھا۔ استراکباد دوسرا بڑا شہر تھا۔

۹۔ کرمان

اس کا محل وقوع کرمان کے شرقی سمت ہے۔ حدود اربعہ یہ ہے: مشرق میں طوران اور مندو۔ شمال میں بختان۔ جنوب میں بحر فارس۔ اس وقت مشہور شہر یہ تھے۔ ہنز۔ کیز۔ درک اور ملک۔

۱۰۔ قومس

یہ ملک جرجان اور طبرستان کے جنوب میں واقع تھا۔ صدر مقام دامغان تھا۔ اسی شہر میں سکندریہ اعظم کے عہد کا آخری ایرانی بادشاہ دارا قتل کیا گیا تھا۔

۱۱۔ طوران

یہ طول اور عرض کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا ملک تھا جو مغرب کی طرف سے

کمران اور چترنی جانب سے بحر خادس سے محدود تھا۔ اُس کے مشہور شہر شمالی اور کیرنگانان تھے۔ قصد اودارا حکومت تھا جو دریا کے دونوں طرف آباد تھا اور بڑا اندخیز علاقہ تھا۔

۱۲۔ صحرائے خراسان

اس پٹیل اور بے آب و گیاہ میدان کے شمال میں قوس و جنوب میں بلاد فارس مشرق میں بختانی اور مغرب میں الجبال کے علاقے تھے۔ اس بیابان میں وحشی اور خانہ بدوش قبائل عرب کے صحرائیوں کی طرح خیموں میں رہتے تھے اور پانی، چارے اور برسرے کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ یہ خاص رگستانی علاقہ بہت دشوار گزار اور خشک تھا۔

۱۳۔ سندھ

سندھ آج کل پاکستان کا ایک صوبہ ہے مگر اس کی موجودہ حدود ہارون الرشید کے زمانے کے سندھ سے بالکل مختلف ہیں۔ اس وقت کے جغرافیہ میں سندھ کو کمران کے مشرق سے شروع کرتے تھے اور موجودہ بلوچستان اور مال کے پورے صوبہ سندھ کو شامل کرتے ہوئے عمان پر اس ملک کی حد کو ختم کرتے تھے۔ قدیم سندھ کے مشہور شہر یہ تھے۔

میرپل - یہ سندھ کی نہایت مشہور بندرگاہ تھی جس سے لاکھوں ڈھپے کا مال عرب تاجرانہا کے مختلف ملکوں میں خلیج فارس کی راہ سے بے جابجا کرتے تھے۔ اس کا عمل بدقوع موجودہ کراچی کے قریب تھا۔

لار، ایک دوسری تدیم بندرگاہ تھی۔

عہد بنو امیہ میں محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تھا۔ اس کے واپس جانے کے بعد یہاں کے گورنر نے برہمن آباد کو منصورہ کا نام دے کر سندھ کا دارالسلطنت بنایا تھا۔ اب اس شہر کا نام و نشان باقی نہیں۔

ایک شہر، اور تھا جو بے حد دولت مند اور آباد شہر تھا۔

بیرون، ارمائیل، قنبل بھی سندھ کے شہر تھے جو اب معدوم ہو چکے ہیں۔ محفوظہ ایک اور شہر تھا جو اسلامی عہد کا سب سے پہلا سندھ کا صدر مقام بنا۔ حتمی ایک وقت سندھ کی آخری حد تھی۔ مگر اب یہ پنجاب میں شامل ہے۔

۱۴۔ بھتان

یہ علاقہ کمران کے شمال میں تھا۔ دارالحکومت کا نام زریج تھا جسے تیمور نے برباد کر دیا۔ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر شہر الطاق آباد تھا۔ بہت ہی نہایت آباد شہر تھا۔ ہندوستان سے بکثرت تجارت ہوتی تھی۔

۱۵۔ آرمینیا

یہ ملک یارون الرشید کی سلطنت کے شمالی علاقے میں تھا۔ اس کے مشرق میں آذربائیجان، جنوب میں ایشیائے کوچک، شمال میں کوہستان، قفق اور جنوب میں البحرزہ تھا۔ صدر مقام کا نام دیمل تھا۔ مشہور شہر غلاط، ارزن اور تالیق تھے۔

۱۶۔ خراسان

ہارون الرشید کے وقت میں اس کی تمام مملکت میں خراسانی کا ملک نہایت مسکون و شاداب، وسیع اور درخیز تھا۔ اس کے شمال مشرقی گوشے میں ماوراءالنہر، جنوب مغربی گوشے میں سندھ اور بھتان، شمال کی طرف خوارزم اور ترکستان کے شہر اور مغرب میں توس تھا یہ ملک کئی صوبوں اور علاقوں میں تقسیم تھا اور پھر ہر علاقہ متعدد اضلاع میں بنا ہوا تھا۔ طوس، نسا، ایورد، سرخس، استخرانہ، بوشیخ، جوزجان، طمارستان، نیشاپور، ہرات اور بلخ وغیرہ خراسان کے اضلاع تھے۔ جن میں سے اکثر اب برباد ہو چکے ہیں۔

۱۷۔ آذربائیجان

ہارون الرشید کی سلطنت کا یہ علاقہ الجزائر کے خرقہ میں تھا اس کا صدر مقام اور بل تھا جس کی حیثیت ایک مضبوط چھاؤنی کی تھی۔ مراخہ اس لئے مشہور تھا کہ مسرور کے جتنے حکیم انسان دھخت یہاں ہوتے تھے۔ اتنے طویل دھخت دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں پائے جاتے تھے۔ ارمیہ، سلماس، مرند، شیراز، آذربائیجان کے دوسرے نمایاں شہر تھے۔

۱۸۔ ماوراءالنہر

ہارون الرشید کی سلطنت کے شمال مشرقی گوشے میں یہ سب سے آخری اور

سرحدی ملک تھا۔ اس ملک کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ بڑا زمیندار اور سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ بخارا، سمرقند، کش، خشتاب، فرغانہ، اشروسنہ اور خجندہ اس کے مشہور شہر تھے۔

۱۹۔ بلادالران

یہ ملک آذربائیجان کے شمال میں تھا۔ نمایاں اور بڑے بڑے شہر برد، تغیس، باب بلیقان اور شانوران تھے۔

۲۰۔ خوارزم

یہ ملک دریائے جیوں کے کنارے پر آباد تھا۔ اس کے شمال میں بحر خوارزم جنوب میں خراسان کا علاقہ، اور مشرق و مغرب کی سرحدیں رگیتاؤں سے گھری ہوئی تھیں۔ صدر مقام خوارزم تھا جو نہایت آباد اور پُر رونق شہر تھا۔ کاش، جرجانیہ، ارگنچ، خیرہ اور ہزار سب اس کے مشہور شہر تھے۔

ان تمام ممالک کی مجموعی مساحت ۲۳ لاکھ ۲۸ ہزار ۴۴ مربع میل تھی۔ یہ پیدائش بڑے عظیم یورپ کے تمام ملکوں کے مجموعے سے دوگنی ہے۔ مطلب یہ جو اکبر اور ان کے قبیلے میں اتنی بڑی سلطنت تھی جو مساحت میں یورپ بھر کے ملکوں سے دوگنی تھی۔ جو مختلف قومیں اس عظیم اٹلانٹک سلطنت کے زیر سایہ آباد تھیں۔ جرجانیہ، ایدیشیا، مصر نے ان کے یہ سولہ نام گناے ہیں،

”عرب، اہل فارس، ترک، ہنغل، کرد، تاتاری، افغان، ہندو، ارمن، سریانی
کلدانی، رومی، گائتھ، قبطی، فونی اور بربری۔“

جو زبانیں ان ممالک میں بولی جاتی تھیں۔ جرجی زیدان کے بیان کے مطابق
یہ تھیں :

”عربی، فارسی، پہلوی، ہندی، رومی، سریانی، ترکی، کردی، ارمنی، قبطی
اور بربری۔“

مگر اس کے ساتھ ہی جرجی زیدان یہ بھی لکھتا ہے کہ ان باشندوں میں بعض
اس قسم کے تھے کہ ان کی اپنی اصلی زبان بالکل نیست و نابود ہو گئی اور اس کے بجائے
عربی ان کی مادری زبان بن گئی تھی جیسے شام، مصر، طرابلس، طبرستان، الجیریا، مراکش
اور عراق عجم کے باشندوں کے ساتھ ہوا تھا اور بعض ایسے تھے کہ ان کی اصلی زبانوں
میں عربی زبان کے الفاظ کثرت کے ساتھ نل جمل گئے۔ مثلاً فارس، ملے، ترکستانی،
ہندوستانی اور افغان وغیرہ آج تک ایسا کی بہت سی قومیں اسی عظیم الشان تمدن کے
اثر سے اپنی مادری زبانوں کو عربی رسم الخط میں لکھتی ہیں۔ (تاریخ التمدن الاسلامی
جلد اول صفحہ ۱۰۹)

حیات اور سوانح کا مختصر جائزہ

۱۔ خاندان اور سلسلہ نسب : ہارون الرشید آنحضرت صلعم کے چچا حضرت عباسؓ کی نسل سے تھا اور بنو عباس کا پانچواں فرزند تھا۔ شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب (المتوفی ۳۲ھ - ۶۵۳ھ)

عبدالله (المتوفی ۶ھ - ۶۸ھ)

علی سجاد (المتوفی ۱۱۹ھ - ۴۳ھ)

ابو ابراہیم محمد (المتوفی ۱۲۵ھ - ۷۳ھ)

ابو عباس عبد اللہ الملقب بے صفاح

پہلا عباسی خلیفہ

(۱۳۲ھ - ۱۳۶ھ تا ۱۵۴ھ)

ابو ابراہیم
(المتوفی)

(۱۳۲ھ - ۱۵۵ھ)

ابو جعفر
عبد اللہ الملقب
دوسرا خلیفہ

(۱۳۶ھ - ۱۵۸ھ تا ۱۷۵ھ - ۱۷۷ھ)

ابو عبد اللہ محمد مہدی

تیسرا عباسی خلیفہ (۱۵۸ھ - ۱۷۷ھ تا ۱۷۹ھ - ۱۸۵ھ)

ابو محمد موسیٰ ہادی

چوتھا خلیفہ

(۱۷۹ھ - ۱۸۵ھ تا ۱۸۶ھ - ۱۸۶ھ)

ہارون الرشید

پانچواں عباسی خلیفہ

(۱۸۰ھ - ۱۹۳ھ تا ۱۹۹ھ - ۲۱۰ھ)

۲۔ ولادت : ہمدون الرشید حکیم محرم الحرام ۱۳۹۹ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۶۶ء کو قندھار کے دیہی مقام سے پیدا ہوا جو صوبہ الجبال کا مشہور شہر اور قدیم شہر تھا۔ اس کے کھنڈر تہران، وادار السلطنت ایران کے قریب پائے جاتے ہیں مشہور طبیب محمد بن ابوبکر یارازی اور امام غزالی دین رازی مولف تفسیر کبیر اسی شہر کے رہنے والے تھے۔

۳۔ والدین : ہمدون کا باپ ہمدی نہایت نرم مزاج، فیاض طبع، شرم جیا کا پسلا، حق اور درگزر کرنے والا۔ حلیم، طبع، فصیح اور خوش بیان، عابد اور زاہد شخص تھا۔ جب حج کو گیا تو وہاں تین کروڑ روپے خیرات کئے اور ڈیڑھ لاکھ کپڑے تقسیم کئے حکیم المتقن کا ختمہ اسی کے زمانے میں اٹھا تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور چاہے نجیب سے ایک مسوچی چاند نکالنا تھا جس کی روشنی چھریل تک جاتی تھی۔ اس نے سب سے پہلے کھانے کے دو میں کتاب لکھوائی یہی ابی خالد کی نے اسی کے دربار میں تھی کہ نہیں ملے کئی شہر کی تھیں اس نے دس سال اور ڈیڑھ ماہ سلطنت کرنے کے بعد ۲۲ محرم الحرام ۱۶۹۹ء مطابق ۳۱ اگست ۱۸۸۵ء کو انتقال کیا۔

ہمدون کی ماں کا نام خیر زمان تھا جو ایک بربری خاتون تھی۔ بچپن میں بروہ فروش سے پکڑ لائے چھوٹے نہایت حسین و جمیل اور صاحب عقل و تیز بخی۔ اس نے بغداد میں لاکر ہمدی کے ہاتھ ایک لاکھ روپے میں فروخت کر ڈالا۔ جو ہر قابل دیکھ کر ہمدی نے اسے بہترین استادوں سے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ خود سے ہی دونوں میں اس نے حدیث، روایات اور روایات میں کمال حاصل کر لیا۔ شعر بھی بہت عمدہ کہتی تھی۔ نہایت عاقلہ، مذکی و نہیم، دربار اور خستہ عورت تھی۔ اس کی سخاوت مغرب الملش بن گئی تھی۔ ہمدی کوئی

کام اس کے مشورے کے بغیر نہیں کرتا تھا اور باوی کے زمانے میں تو یہ گویا خود حکمران ہی تھی جب تک زندہ رہی یارون بھی اس کے سامنے برائے نام خلیفہ تھا۔ اس کی ذاتی آمدنی ۱۶ کروڑ درہم سالانہ تھی۔ ۲۱۰ ہجری باوی اثنی ۳۰۰ ہجری مطابق ۲۶ اکتوبر ۷۹۹ء تک اس نے وفات پائی۔

۴۔ تعلیم و تربیت : یارون الرشید کی تعلیم و تربیت دادا کے زندہ رہنے اور باپ کی موجودگی کے باعث حمایتِ حمد کی اور خولہ سے ہوئی۔ اموی اور عباسی خلفاء میں سے کسی ایک کی بھی تعلیم اور اخلاقی نگہداشت اس احتیاط سے نہیں ہوئی جیسی یارون کی ہوئی۔ اسی نگہداشت کا نتیجہ تھا کہ جیسی عمدہ قابلیت اور حتمی بہترین لیاقت یارون الرشید میں تھی۔ وہ کسی دوسرے عباسی فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئی۔ ہر فی کے کالمین اور ہر علم کے ماہرین اسے جدا جدا تعلیم دیتے تھے۔ دادا اور باپ کو ملٹی انی کہتے تھے۔ بھی برکی جیسا فاضل، عالم، تدبر، ادیب، انشا پرداز، فصیح البیان، عقل و فہم اور سیاست مکی کا ماہر اس کا تالیق تھا۔ شیخ الحدیث مبارک بن فضالہ اور حضرت امام مالک جیسے لیگانہ روزگار عالم اس کے استاد تھے۔ ان بزرگوں کے فیضانِ صحبت سے یارون اپنے وقت کے تمام مروجہ علوم و فنون میں کامل ہو گیا۔ مذہبی تعلیم اس کو امیری پختہ ملی کہ دین کی محبت اس کی رگ رگ میں سرایت کر گئی۔ فی شہ میں ایسی رنگارنگ رکھتا تھا کہ شعراء کو ان کی غلطیاں بتا دیا کرتا تھا۔ عقد الفرید اور غانی اس کے شاندار خطبوں، دانشدادِ مقبول اور بلند پایہ اشعار سے بھری پڑی ہیں۔

۵۔ محلات مکی میں و خل : بچپن سے ہی عقل و فراست اور بیدار مغزی کے

ہزار ہاروں الرشید کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے تھے۔ ابھی بالکل نو عمر تھا کہ یکم رجب ۶۳ھ مطابق ۱۲ مارچ ۷۸۰ء کو اس کے باپ نے روم پر حملہ کرنے کے لئے ایک لاکھ فوج بھیجی اور اس کا سپہ سالار ہارون الرشید کو بنایا۔ ہارون نے اس جنگ میں اپنی بہادری و شجاعت اور مردانہ عزم و استقلال کا بے نظیر مظاہرہ کیا اور باوجود اپنی کم سنی کے روم سے مظفر و منصور واپس آیا۔

اس کے بعد جب باپ نے اس کو حدود مغرب، آذربائیجان، اور آرمینیا کا گورنر مقرر کیا تو اس نے وہاں پہنچ کر اور ملک کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کر کے اپنے بہترین دستہ ہونے کا ثبوت دیا۔ ہارون الرشید کی ذات میں شروعات ہی سے اقدت نے وہ تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں جو ایک اولوالعزم، بیدار مغز اور لائق حکمران میں ہونی چاہئیں۔

۴۔ تخت نشینی ۱۶ ربیع الاول ۷۸۰ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۷۸۶ء
وہ تارخ تھی۔ جب شبے کی رات کو، بقیام عیسائی آباد، ہارون الرشید اس سلطنت کا وارث ہوا جس کے برابر اس وقت دنیا میں کوئی اور سلطنت نہ تھی۔ تاریخ اسلام میں یہ رات بڑی نمایاں اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ایک رات میں ایک خلیفہ (ہادی کا انتقال ہوا۔ دوسرا خلیفہ (ہارون الرشید) تخت پر جلوہ افروز ہوا اور خلیفہ ماسون الرشید پیدا ہوا۔ اسلام کی چند سو سالہ تاریخ میں ایسی دلچسپ رات اور کوئی نہیں گزری۔ ہارون الرشید کے زمانہ حکومت میں جو جو واقعات پیش آئے۔ ان کا ایک ہمت ہی مختصر مگر جامع خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ خلاصہ میسوں کا بارل کے ہزار صفحات کی مدق گردانی کے بعد پیش کیا جا رہا ہے اور کشش کی گئی ہے

کہ زمانہ ہارون میں پیش آمدہ ہر واقعے کا اشارہ اس میں آجائے۔ واقعات کے اندراج کی ترتیب سن کے لحاظ سے رکھی گئی ہے جو عرب مؤرخین کا قدیم طریقہ ہے :

۱۷۰ھ - ۷۸۶ء (۱) تخت پر بیٹھے ہی ہارون الرشید نے کھلی بکری کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔

(۲) ہارون الرشید نے بلا وسرحد کو الجریہ اور ضریح سے علیحدہ کر کے، ایک جداگانہ صوبہ جو اہم کے نام سے بنایا۔

(۳) شہر طوس کی بنیاد ڈانی، شہر حصیصہ بسایا اور شہر عرش کی تعمیر شروع کی۔

(۴) سلیمان بن عبد اللہ کو روم پر جہاد کرنے کے لئے فوج دے کر بھیجا۔

(۵) گورنر خراسان جعفر کے فرزند عباس نے ہارون کے حکم کا بل اور مبارک کے علاقے فتح کئے۔

(۶) بادشاہ بننے کے بعد پہلی مرتبہ ہارون الرشید نے حج بیت اللہ کیا اور باشندگان حجاز پر انعام و اکرام کی بارش کی۔

(۷) اہل بیت جو قید و بند کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ ان کو اس مصیبت سے نجات دی۔

۱۷۱ھ - ۷۸۷ء

بنی تغلب نے روح بن صالح ہمدانی کو شب خون مار کر ہلاک کر دیا جسے ہارون الرشید نے ان کے علاقے میں مددگار اور زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا تھا۔

۱۷۲ھ - ۸۸ھ (۱) ہارون الرشید نے اسحاق بن سلیمان کو روم پر جہاد کے لئے روانہ کیا جس نے بڑی زبردست کامیابی حاصل کی جسے تمام مال غنیمت اور بہت سے قیدی لے کر بغداد واپس آیا۔
 (۲) ادریس بن عبد اللہ علوی نے مصر پہنچ کر مغرب الاقصیٰ (مراکش) کے شہر دلیلی (علاقہ طنجہ) میں اپنی امامت کا دعویٰ کر کے پہلی علوی خلافت یعنی ادریسی سلطنت قائم کی اور ۱۷۷ھ - ۷۹۲ھ تک حکومت کی۔ یہ سلطنت ۲۹۳ سال تک قائم رہی۔

۱۷۳ھ - ۷۸ھ (۱) ہارون الرشید کی والدہ ملکہ خیزران کا انتقال ہو گیا۔
 (۲) ہارون نے عبد الملک بن صالح کو تمام سرحدی افواج کا سپہ سالار بنا کر روم بھیجا۔ جس نے وہاں پہنچ کر لوگوں کو ایمان قورس، انطاکیہ اور تیزی میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور ہر مقام پر نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کئے۔
 ۱۷۴ھ - ۷۹ھ (۱) اسحاق بن سلیمان کو سندھ اور کرمان کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔

(۲) امام یوسف ابن امام ابو یوسف کی تعیناتی عمدہ تھا پر برقی۔
 (۳) عبد الرحمن بن عبد الملک کو روم پر جہاد کے لئے روانہ کیا۔

۱۷۵ھ - ۷۹۱ھ (۱) مشہور علوی نعیم بن میسر کا انتقال ہو گیا۔

(۲) مارون نے اپنے بیٹے امین الرشید کو اپنا ولی عہد بنانے

کا اعلان کیا۔ اس وقت امین الرشید کی عمر چوبیس تھی۔

(۳) یحییٰ بن عبداللہ بن حسن نے ولیم میں مارون الرشید کے
خلاف علم بلند کیا۔

(۴) موسیٰ بن عیسیٰ گوزر مصر سے ناراض ہو کر مارون الرشید نے

مصر کی امامت ایک نہایت بد شکل، بد سیرت، روجیب الخاقیت

اور کم حیثیت شخص عمر بن مہران کے سپرد کی۔

۱۷۷-۷۹۲ء (۱) دمشق میں ملی اور عسری قبائل کے درمیان سخت کشت و خون
ہوا۔

(۲) عبدالرحمن بن عبدالملک نے شہر دیر فتح کیا۔

(۳) یحییٰ بن عبداللہ نے ولیم میں بغاوت کی۔ مارون نے

فضل بن یحییٰ کو بھیجا۔ جس نے جنگ کئے بغیر بغاوت فرو
کر دی۔

(۴) مارون نے یونان کے جزایروں اور بحیرہ روم کے

ساحلی شہروں پر حملہ کرنے کے لئے جہاز بھیجے جنہوں

نے جزائر ایجن اور صوبہ جات افریقیہ، وقینہ اور ولیدہ

کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ جزیرہ روٹوس پر حملہ کیا۔

صوبہ جات سفیلیہ، سیرہ اور لیدیہ کو زیر کیا۔ جتنے دومی جہاز

مقابلے پر آئے سب کو غرق کر دیا گیا۔

۱۷۱۰ھ - ۷۹۳ھ (۱) عبد الرزاق بن حمید ثعلبی کو ہارون نے دوم پر جہاد کے لئے روانہ کیا۔

(۲) موصل میں ایک شخص حفاظ نامی نے علم بغاوت بلند کیا۔ جس کے مقابلے کے لئے ہارون الرشید خود گیا اور اسے شکست دے کر موصل کی شہر چاہ منہدم کر دی۔

(۳) ازبغہ میں بغاوت رونما ہوئی جس کا سلسلہ چار سال تک چلتا رہا۔

۱۷۱۸ھ - ۷۹۴ھ (۱) مصر میں قیس اور قضاہ کے قبائلی نے بغاوت کی۔ ہرث بن صہب نے ان کو مطیع کیا۔

(۲) سلیمان بن راشد نے ہارون کے ایک بیٹے کے ساتھ بحیرہ روم کے بعض یرہیں ممالک کو تاخت و تاراج کیا۔

(۳) ولید بن طریف نامی ایک خارجی نے الجوزیہ میں غارتگری کر کے آرمینیا اور حلوان پر قبضہ کر لیا مگر آخر مارا گیا یہ

بغاوت اتنی زبردست تھی کہ ہارون نے ہار باراس کی سرکوبی کے لئے زمینیں بھیجیں مگر ہر مرتبہ ولید نے ان کو

شکست دی۔ آخر ہارون نے ۱۷۱۹ھ - ۷۹۵ھ میں یزید بن یزید شیبانی کو ایک لشکر کثیر کے ساتھ روانہ کیا

(۴) ہارون نے دفر بن حاصم کو روم پر جہاد کے لئے روانہ کیا۔

(۵) آئے دن کے فسادات سے تنگ اگر ہارون الرشید نے فضل بن یحییٰ برکی کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے بھیجا جس نے وہاں پہنچ کر تمام بغاوتوں کو فرو کیا، تمام شہر و علاقوں کو رنج کیا اور خوزے ہی دنوں میں تمام ملک میں پورا امن قائم کر دیا۔ ہر شہر میں مہمان خانہ بنائے اور مسجدیں بنائیں اور تنگ کے اختتام کے لئے ۵ لاکھ فوج بھرتی کی تاکہ آئندہ کوئی باغی سر نہ اٹھا سکے۔

۱۷۹ھ - ۷۹۵ء (۱) ہارون نے فضل بن یحییٰ کو خراسان کی گورنری سے واپس بلا لیا اور جب وہ نہایت شان و شوکت سے ۲۰ ہزار فوج کے ساتھ بغداد کیا تو خود ہارون نے مع امرائے سلطنت شہر سے باہر آکر اس کا پرچم استقبال کیا اور اس کو اپنا وزیر بنایا۔

(۲) ہارون کے استاد حدیث حضرت امام مالکؒ نے انتقال فرمایا۔ مسلم بن خالد زنگی اور حمیری شاعر کی وفات بھی اسی سن میں ہوئی۔

(۳) ایک نہایت برونک اور خون ریز جنگ کے بعد باغی ولید بن یسک کے ہاتھوں مارا گیا اور الجزیرہ کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۸۰ھ - ۷۹۶ء (۱) امام فخر سیوریہ کا انتقال ہوا۔

(۲) مامونؒ کے علاقے پر جہاد کرنے کے لئے ہارون الرشید

نے فوج بھیجی۔

۱۸۱ء-۷۹۷ء (۱) خود ہارون الرشید نے روم پر فوج کشی کی اور تلع صغیر کو فتح کیا۔

(۲) عبدالملک بن صالح نے رومی تلعے مظلومہ کو فتح کیا اور انقرہ تک بڑھا دیا گیا۔

(۳) شارلمین شاہ فرانس نے ہارون کے دربار میں اپنا پہلا وفد بھیجا۔

(۴) قبروان میں بغاوت ہوئی جسے کچل دیا گیا۔

(۵) عبداللہ بن مبارک مروزی، مروان بن ابی حفصہ شاعر اور حضرت امام ابو یوسف کا انتقال ہوا۔

۱۸۲ء-۷۹۸ء (۱) حضرت امام ابو جعفر طایسی محدث اور حضرت ابن سناک کی وفات ہوئی۔

(۲) ہارون الرشید نے امین الرشید کے بعد ہارون الرشید کی خلافت کے متعلق لوگوں سے بیعت لی۔

(۳) ابو خسیب و صہب بن عبداللہ زہری نے خراسان میں بغاوت کی جس کا سلسلہ پانچ سال تک چلتا رہا۔

(۴) ہارون کے حکم سے عبدالرحمان بن عبدالملک نے روم پر جہاد کیا۔

۱۸۳ء-۷۹۹ء (۱) حضرت امام موسیٰ کاظم اور یونس بخری کی وفات ہوئی۔

(۲) طونس میں تمام بن قسیم نے بناوٹ کی جو جلد و باری لگی۔
 (۳) یونانیوں کی سازش سے در بند کے خورمی آرمینیا پر چڑھ
 آئے اور ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ ساروں ارشید
 نے دو جہز نیلوں کو فوج کثیر کے ساتھ فوراً بھیجا۔ جنہوں نے
 جا کر ان کا سفر اڑ کر دیا اور لوگوں کو ان کے مظالم سے
 نجات دلائی۔

۸۴۳ھ - ۸۰۰ء (۱) یارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو تمام افریقی علاقے
 کا مستقل اور موروثی گورنر بنا کر افریقہ بھیجا۔ اس نے طونس
 پہنچ کر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ملک کی موجودہ بد نظمی
 اور بنیاد توں کو دور کیا اور اس علاقہ میں اپنی خود مختار
 حکومت قائم کر لی۔ ابراہیم کا ۱۹۶ھ - ۸۱۲ء میں انتقال
 ہو گیا۔ مگر اس کی تعلیم کی ہوئی سلطنت اس کی اولاد میں
 ۱۱۲ سال تک باقی رہی۔

(۲) سندھ میں یمنی اور مصری قبائل کی شدید جنگ ہوئی جسے
 روکنے کے لئے یارون نے واو دین حاتم مہلبی کو بھیجا
 جس نے مصریوں کو بے دریغ قتل کر کے ان سے
 منصورہ چھین لیا جو اس وقت سندھ کا اسلامی دار الخلافہ
 تھا۔

شارلمین شاہ فرانس نے دوبارہ ایک سفارت

ہارون الرشید کی خدمت میں بھیجی۔

۱۸۶ھ - ۲۰۲ھ (۱) ابو نعیم، خراسان کا مشہور باغی ہارون الرشید کے جرنیل علی بن عیسیٰ کے مقابلے میں مارا گیا۔ جس کے بعد خراسان کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔

(۲) ادیس بن ادیس علوی نے مغرب الاقصیٰ میں خروج کیا مگر شکست کھائی۔

(۳) طلحہ بن عیدس نے بغاوت کی مگر ابراہیم بن اغلب نے عمران کو بھیج کر اسے شکست دی۔

(۴) ہارون اپنے تین بیٹوں امین، مامون اور تاسم کے ساتھ حج کو گیا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر پہلے ایک معاہدہ کھیا۔ جس کی رو سے اپنے بعد امین کے لئے وصیت کی، پھر مامون کے لئے پھر تاسم کے لئے۔ اس معاہدے پر تینوں بیٹوں کے دستخط لئے اور اس تحریر کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔

۱۸۷ھ - ۳۰۳ھ (۱) ہارون نے اپنے لڑکے تاسم کو صوبہ طہم کا گورنر مقرر کر کے رومی سلطنت پر حملے کا حکم دیا جس نے اشرقو کو فتح کیا۔

(۲) عباس بن جعفر کو ہارون نے رومیوں پر جہاد کے لئے روانہ کیا۔ جس نے سنان کا قلعہ فتح کیا۔

(۳) جعفر پر کی دزدی ہارون الرشید بمصر ۳۶ سال قتل کروادیا گیا۔

(۴) ہارون نے قیصر روم کے خود سرانہ خط سے مشتعل ہو کر بذاتِ خود روم پر حملہ کیا۔ قیصر نے مقابلہ کیا مگر اپنی چالیس ہزار سپاہ کو ہلاک کروانے کے بعد عاجزی کے ساتھ صلح کی التجا کی جو جزیرہ ادا کرنے کی شرط پر قبول ہوئی۔

(۵) حضرت فضیل بن عیاض اور ابو سلمہ معاذ نخوی کی وفات ہوئی۔

۱۸۸ھ - ۸۰۴ھ (۱) عباس بن احنف شاعر کی وفات ہوئی۔

(۲) ہارون کے حکم سے ابراہیم بن جبریل نے روم پر حملہ کیا اور ہزاروں رومی سپاہی مار ڈالے۔

۱۸۹ھ - ۸۰۵ھ (۱) روم پر جہاد کے لئے ہارون نے فوج بھیجی۔

(۲) طرابلس میں بغاوت ہوئی لیکن ابراہیم بن اغلب نے فوج بھیج کر اسے فوراً ختم کر دیا۔

(۳) مشہور قاری اور عالم خود لعنت امام کسائی اور محمد بن یشبانی کی وفات ہوئی۔

(۴) گورنر خراسان علی بن عیسیٰ کے ظلم و ستم کی تحقیقات کے لئے خود ہارون خراسان گیا۔

۱۹۰ھ - ۸۰۶ھ (۱) راضی بن لیث نے سمرقند میں بغاوت کی جو فوراً فرو کر دی گئی۔

(۲) اسد بن عرکوفی اور شفیق بن ابراہیم طبری کی وفات ہوئی۔

(۳) باربار کی بدھدیوں سے تنگ آکر ہارون نے ایک لاکھ

۳۵ ہزار فوج کے ساتھ روم پر چڑھائی کی اور ولایت

ہرملی (ہرملہ) کو فتح کر کے برباد کر ڈالا۔ آخر مجبور ہو کر

قیصر نے تین لاکھ دینار سالانہ ادا کرنے کے وعدے پر

صلح کی۔

(۴) یحییٰ برکی وزیر ہارون الرشید نے قید کی حالت میں

بصرہ ۷۰ سال وفات ہوئی۔

(۵) صحن بن زائدہ نے روم پر حملہ کر کے تلخہ صفایہ کو او

یزید بن مخلد نے خلقوینہ کو فتح کیا۔

(۶) حمید بن محیوف نے بحیرہ روم کے جزیرہ قبرص پر حملہ کر کے

اُسے آجاڑ ڈالا اور وہاں کے ۱۶ ہزار آدمی گرفتار

کر کے لایا۔

(۷) یزید بن محمد نے قونیہ فتح کیا۔

۱۹۱ء - ۸۰۷ء یزید بن محمد، سبیری نے روم پر حملہ کیا مگر شکست کھا کر

مارا گیا۔

۱۹۲ء - ۸۰۸ء (۱) شہر طوس کی تعمیر اختتام کو پہنچی۔

(۲) ہارون الرشید نے شارلمین شاہ فرانس کے پاس ایک

وفد بھیجا جس کے ساتھ بعض عجیب تحائف بھی شارلمین کے لئے

روانہ کئے ۔

(۳) خراسان میں بغاوت ہو گئی جسے فرو کرنے کے لئے ہارون
خود خراسان گیا ۔

۱۹۳ھ - ۸۰۹ء (۱) فضل بن یحییٰ برکی وزیر ہارون الرشید کا بحالت قید انتقال
ہوا ۔

(۲) بشیر بن لیث ، خراسان کا مشہور باغی ، گرفتار ہو کر آیا اور
ہارون کے حکم سے بُری طرح قتل کیا گیا ۔

۸ - ہارون کا انتقال : ہارون الرشید کو اطلاع ملی کہ رافع بن لیث نے خراسان
میں طہم بغاوت بلند کیا ہے ۔ وہ اس کی سرکوبی کے لئے ایک جرار فوج لے کر
۱۹۲ھ - ۸۰۸ء میں خراسان روانہ ہو گیا ۔ طوس پہنچا تو بیمار ہو گیا ۔ ہر چند
علاج کئے گئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ اسی حالت میں ۲۳ برس ۲ مہینے اور
۸ یوم حکومت کرنے کے بعد ۷۴ سال ۵ ماہ کی عمر پا کر ہفتے کے دن
۳ جمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۴ مارچ ۸۰۹ء کو مشرق کے اس
عظیم الشان شہنشاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور طوس کی سرزمین میں وطن
ہوا ۔

باقیات ہارونی

الف : مال و منال اور اسلحہ : ہارون اپنے پیچھے کچھ اٹھارہ نقد روپے خزانے میں چھوڑ گیا۔ ۵۰ کروڑ دینار کے جواہرات تھے۔ نیز خزانہ السلحہ (جنگی گوداموں) میں ساٹھ ہزار تنواریں، ڈیڑھ لاکھ نیزے، ایک لاکھ کمانیں، نو ہزار زرہیں، چونتیس ہزار زمیںیں، بیس ہزار خود اور ڈیڑھ لاکھ ڈھالیں موجود تھیں۔ فوج کے پاس سامان اس کے علاوہ تھا۔ جائداد، عمارت اور لونڈی غلام جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑے ان کا تو کچھ شمار ہی تھا

ب :- بیویاں - ہارون الرشید نے اپنی عمر میں کل چھ بیویاں کیں جن میں سے اس کی وفات کے وقت چار زندہ تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں :

- (۱) امۃ العزیز جو تاتاریں میں زبیدہ کے نام سے مشہور ہے۔
- (۲) ام محمد بنت صالح المسکین
- (۳) عباسہ بنت سلیمان بن منصور
- (۴) جوشیہ بنت عبداللہ الشامیہ۔

ان سب بیویوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور سب سے زیادہ محبوب زبیدہ خاتون تھی۔ تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ شہرت اور عزت بھی اسی کو حاصل ہوئی۔ باقی بیویوں کے کوئی نام ہی نہیں جانتا۔ زبیدہ خاتون ہارون الرشید

کے چچا کی بیٹی تھی۔ اور بڑی حاتک، فہیمہ، مدبر اور ذریک تھی۔ ۱۶۶ھ - ۸۲ھ میں دارون الرشید سے نکاح ہوا۔ تمام مورخ لکھتے ہیں کہ زبیدہ، نہایت عابدہ، زاہدہ، مذہب کی دلاوہ اور قرآن کی عاشق تھی۔ اس کے محل میں ایک کنیزیں حافظہ قرآن تھیں۔ جن کا کام صرف یہ تھا کہ ہر وقت قرآن کریم پڑھتی رہتی تھیں۔ مسجدیں اور مہمان سراہیں اس نے بے شمار تعمیر کرائیں۔ بغداد اسے جو راستہ کہ معطرہ اور مدینہ منورہ کو آتا تھا۔ اس پر بکثرت کنوئیں اور اماست لگائیں مسافروں کے لئے بنوائیں۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہندوستان کی تعمیر ہے جس کی تیاری پر اس شہنشاہ بگم نے ۸۵ لاکھ روپے خرچ کئے۔ بدخشاں اور ترمذ اسی کے بنائے ہوئے شہر ہیں۔ اس نے اپنے شوہر کے ۲۲ سال بعد ۲۲۶ھ - ۸۴۱ھ میں انتقال کیا۔

ج : اولاد - دارون الرشید کی اولاد زبیدہ کی تعداد بارہ تھی،

(۱) محمد امین - زبیدہ بنت جعفر بن ابی جعفر کے بطن سے۔

(۲) عبداللہ المامون - راجل نامی کنیز سے۔

باقی دس لکے مختلف کنیزوں سے پیدا ہوئے، جن کے نام یہ ہیں :

(۳) تاسم المومنین (۴) ابوالسحاق محمد المصطفیٰ (۵) صالح (۶) ابوالحسن محمد

(۷) ابولعبتوب محمد (۸) ابوالعباس محمد (۹) ابوسلیمان محمد (۱۰)

ابوعلی محمد (۱۱) ابو محمد (۱۲) ابوالحسن محمد۔

لڑکیاں پندرہ تھیں۔ جو سب کی سب لڑکیوں سے پیدا ہوئی

تھیں۔

- (۱) سکینه (۲) ام حبیب (۳) اردی (۴) ام حسن (۵) ام محمد
 (۶) حمدوش (۷) فاطمه (۸) ام سلمه (۹) خدیجہ (۱۰) ام فاسم
 (۱۱) رملہ (۱۲) ام جعفر (۱۳) ام علی (۱۴) عالیہ (۱۵) رطلہ -

دورِ مارٹنی میں علوم و فنون کی ترقی

بارون الرشید چونکہ خود عالم و فاضل اور علم کا تہذیبان تھا اس لئے اس کے
 ہمد میں علوم و فنون کی بے حد ترقی ہوئی۔ ہر علم اور ہر فن کے علماء اور فضلا ساری دنیا
 سے سمٹ کر بعد اویں جمع ہو گئے اور جلد ہی بعد اوقام دنیا کا مرکز بن گیا۔ جہاں سبوں میں
 بارون الرشید پہلا بادشاہ ہے جس نے ملک میں علوم و فنون کی ترقی اور اشاعت
 کے لئے ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا جس کا نام "بیت الحکمہ" تھا۔

اس عظیم الشان دارالعلم کے دو حصے تھے، ایک صیغہ لائبریری پر مشتمل تھا اور
 دوسرا حصہ تراجم کے لئے وقف تھا۔

(۱) لائبریری کے حصے میں ہر علم، ہر فن اور ہر زبان کی تعلیمی کتابیں کثرت سے
 جمع کی گئی تھیں۔ کتابوں کا یہ ذخیرہ بارون الرشید نے دنیا کے ہر ملک سے اپنے
 نمائندے بھیج کر فراجم کرایا تھا۔ کتابوں کی اس فراجمی میں بارون نے پورے ذوق و
 شوق اور حدودِ جبرائے تعلیمی سے کام لیا۔ عربی زبان کے ہزار ہا ناوہ علمی نسخوں کے
 علاوہ سنسکرت، ماژند، فارسی، سریانی، قبطی اور کانڈی وغیرہ زبانوں کی بے شمار
 کتابیں نہایت تماش سے ہتیا کرائیں اور ان کو بڑی حفاظت کے ساتھ کتب خانے
 میں رکھا۔ ان کتابوں کے جمع کرنے میں کسی مذہب، کسی علم اور کسی ملک کی تخصیص نہ
 تھی۔ دنیا کے ہر کونے سے اور زمین کے ہر گوشے سے اس نے کتابیں منگوائیں۔

اور کتب خانے کو ایک علی گائب خانہ بنا دیا۔ ہندوستان کا صدر عجیب کو وہاں کے طلباء، ہندو اور عیسیت کی کتابیں لائیں۔ یونان اور روم کے ممالک میں تلاش کی کہ خطہ، طلب اور منطق کی کتابیں ہاتھ آئیں۔ رومی ممالک فتح کئے تو یہی شوق رہا کہ مالی غنیمت میں کتابیں ہاتھ آئیں۔ چنانچہ جب انگوریہ اور محمودیہ فتح ہونے کے بعد وہاں سے بکثرت یونانی کتابیں دستیاب ہوئیں تو یارون الرشید نے حد خوش ہوا اور انہیں بڑی حفاظت سے بغداد لایا اور یوحنا بن ماسویہ کو ان کے ترجمے پر مامور کیا۔ حالی نے اسی زمانے کے متعلق کہا ہے :

حیرم خلافت میں انڈوں پر لہ کر
چلے آتے تھے مصر و یونان کے دفتر

(۲) بیت الکلمۃ نامہ دوسرا صیغہ واسا ترجمہ تھا جس میں گویا اچان سے بڑے

بڑے فاضل مصنف اور مترجم پیش قرار تھا ہر ل پر ہلکا کر ذکر رکھے تھے جو دن رات دنیا کی مختلف زبانوں کے ہر علم اور ہر فن کی اعلیٰ ترین اور بہترین کتابوں کے ترجمے کرتے رہتے تھے۔ ہندو پنڈت ہوں یا یہودی قسین، عیسائی راہب ہوں یا پارسی مرید، سب کی یکساں قدر و منزلت کی جاتی اور سب کو پیش قرار شاہی ملتے تھے۔ حاجی خلیفہ نے 'کشف الظنون' میں اور ابن ندیم نے 'الفہرست' میں ان کتابوں کی بڑی لمبی فہرستیں دی ہیں جو عبد مارونی میں ژند، یونانی، پہلوی، فارسی، رشتی اور سنسکرت زبانوں سے عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ جو مترجمین ان علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرنے پر مامور تھے۔ ان کے نام بھی حاجی خلیفہ اور ابن ندیم نے بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔

ہارون کے علمی شوق نے گھر گھر علم و فنون کے چمٹے بہاوتے تھے اور
 سندھ سے لے کر مراکش اور بصرہ سے لے کر ترکستان اور ایشیائے کوچک تک
 علم کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ ہزار ہا عالم اور فاضل شہسوار کی کمال دکھا رہے تھے۔
 ہر علم اور ہر فن کے ماہر ملک میں بھرے پڑے تھے۔ علم حدیث کے عالم، اسلامیات
 کے فاضل، الہیات کے کامل، فقہ اور علم الکلام کے واقف چہر چہر پر موجود تھے۔
 اور اپنی لیاقت اور علمیت سے ایک دنیا کو فیض پہنچا رہے تھے۔

عہدِ فارسی کے صاحبانِ علم و فضل

عہدِ فارسی کے باکمال اور صاحبانِ علم و فضل میں سے جن علماء، ادباء، شعراء اور تخریقین کا انتقال فاروقِ الرشید کے زمانے میں ہوا۔ ان میں سے چند کے نام مولانا جلال الدین سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء میں درج کئے ہیں۔ ہم انہیں یہاں نقل کرتے ہیں۔ حضرت مالک بن انسؒ، یث بن سعد، قاضی ابو یوسف شاکر و رشید امام ابو حنیفہؒ، تاسم بن محمد، مسلم بن خالد زنجی، روح الجامع، حافظ ابو حنیفہ شکاری، ابراہیم بن سعد زہری، ابو اسحاق قراری، ابراہیم بن ابی یحییٰ، شیخ اشاعی، اسد کوئی جراح صاحب ابو حنیفہؒ میں سے تھے، اسماعیل بن عیاش، بشیر بن مفضل ہجری بن عبد الحمید زیاد بکائی، سلیم مرقی صاحب حزمہ، سیبویہ امام مصریہ، ضعیف زائد، عبد اللہ عمری ثناء، عبد اللہ بن مبارک، عبد اللہ بن ادریس کوئی، عبد العزیز بن ابی سائیم، ہوداوردی، کسائی، شیخ القوار محمد بن حسن صاحب ابو حنیفہؒ، علی بن مسہر، غفار، عیسیٰ بن یونس، سلیم بن فضل بن عیاض، ابن الساک، داغظ، مردان بن ابی حفصہ شاعر، معانی بن عمر بن مرسل، معتز بن سلیمان، مفضل بن فضالہ قاضی مصر، موسیٰ بن ربیعہ، ابو الحکم مصری جو ادبیات میں سے تھے، نعمان بن عبد السلام صفحانی، بشیم، یحییٰ بن ابی زائد، یزید بن زریع، یونس بن حبیب نخوی، یحییٰ بن عبد الرحمن قاری مدینہ، عبد الرحمن بن تاسم، عباس بن احف، شاعر، ابو یحییٰ عیاش مرقی، یوسف بن ماجشون، وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ جمعہم۔

بارون الرشید کی بے تخصیصی اور رواداری

بارون الرشید کی پرورش اور تعلیم و تربیت خالص مذہبی ماحول میں ہوئی تھی اور وہ نہایت درجہ راسخ العقیدہ اور مذہب کا دلدادہ تھا۔ خالص عربی خون اس کی رگ رگ میں دوڑ رہا تھا اور وہ بجا طور پر اپنے آپ کو دنیا سے معلومہ کا سب سے طاقت ور اور سب سے زیادہ پُر شوکت سلطان سمجھتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ 'امیر المومنین' بیسے پُر شکوہ اور مقدس ترین لقب کا اپنے آپ کو جائز وارث جانتا تھا۔ مگر ان سب فضائل و امتیازات کی موجودگی کے باوجود دوسری اقوام یا دوسرے مذاہب سے تعصب اور عدم رواداری کی اس کی تمام زندگی میں ایک بھی مثال نہیں ملتی۔ شام، مصر اور روم کے تمام علاقوں میں عیسائیوں کو گر جانے، کلیساؤں میں عبادت کرنے اور صلیب کا جھنڈا لٹکانے کی عام اجازت تھی۔ یہودیوں کو کلیساؤں میں عبادت کرنے کی کھلی چھٹی تھی۔ عجمی بلاد کو ترک آتشکدے روختی کر سکتے اور آگ کی پوجا کر سکتے تھے۔ سندھ میں ہندوؤں کو مندروں میں پوجا کرنے اور بتوں کی لگائے سجدے کرنے میں کوئی روک نہ تھی۔ غرض مذہب کے لئے کسی پر کوئی جبر نہ تھا اس کا اپنا طبیب جبریل بن بختیشوع مذہباً عیسائی تھا جسے بیس قرآنمات و احادیث کے علاوہ ۴۹ لاکھ درہم سالانہ ملتے تھے۔ ۲۳ سال ہارون نے حکومت کی ہے۔ اس کی تنخواہ اسے ۱۱ کروڑ ۲۷ لاکھ درہم ملی۔ ایک مرتبہ حنکہ نامی ایک وید کو

بارون الارشید نے ہندوستان سے اپنے علاج کے لئے بلوایا۔ ہندوؤں کے شفا خانے کا افسر اعلیٰ بھی ایک ہندو طبیب ابن وہب نامی تھا۔ ترجمین میں متعدد عیسائی فرہودی اور جو کسی فاضل ملازم تھے۔ جن میں فضل بن نو بخت جبرسی اور بو حنا بن ماسویہ عیسائی تھے۔ طور پر مشہور ہیں۔ ہندوستان سے سالی، منکہ، سنجلی، شاناق اور جودہ کو سنسکرت کتابوں کے عربی ترجموں کے لئے بلایا گیا تھا۔ علامہ ابن اسبیعہ نے اپنی کتاب "عیون الانامی طبقات الاطباء" میں ان تمام ہندی طبیبوں کے حالات اور ان کتابوں کی مکمل تفصیلات لکھی ہیں جو انہوں نے بارون کے لئے سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیں۔

اس ضمن میں ایک سہنت منقصب عیسائی جرجی زیدان ایڈیٹر الملل مصر کی گواہی خاص وقعت رکھتی ہے۔ وہ اپنی کتاب "تاریخ التمدن الاسلامی" جلد ۳ - صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے:

"مسلمانوں کے نہایت تیزی کے ساتھ علمی ترقی کرنے کا ایک مذہب سبب رہی تھا کہ خلفاء اسلام ہر قوم اور ہر مذہب کے علماء کے بہت بڑے توددان تھے اور ہمیشہ ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتے رہتے تھے۔ ان کے مذہب، ان کی قومیت اور ان کے نسب کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے۔ ان میں نصرانی، یہودی، صابی، سامری اور مجوسی غرض ہر ملت کے لوگ تھے۔ خلفاء ان کے ساتھ نہایت عزت اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ غیر مسلموں کو دینی آزادی اور ہر ماصل تھا جو مسلمان لہرادی احکام کو حاصل ہوتا تھا۔"

علامہ ازہبی اسی کتاب میں صفحہ ۱۶۶ پر جرجی زیدان رقمطراز ہے :
 "چونکہ فسخ ہوتا تھا اس کا کتب خانہ پایہ تخت بغداد میں منگوا دیا جاتا
 تھا اور ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ کروایا جاتا تھا۔ چنانچہ ہارون الرشید نے
 بلاؤ دوم کے شہزادوں الفراء اور محمودیہ کی فسخ کے موقع پر ایسا ہی کیا۔ کیونکہ
 ان دونوں مقامات میں اس کو کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ملتا تھا۔
 اس نے اپنے عیسائی معالج یوحنا کو ان کتابوں کو ترجمہ کرنے کا
 حکم دیا۔"

خلیفہ کی بے تعصبی اور رواداری کی ایک بہت دلچسپ حکایت مسٹر پارنہ
 اپنی کتاب ہارون الرشید میں بیان کی ہے جسے ہم اختصار کے ساتھ ذیل میں درج
 کرتے ہیں :-

← "فن موسیقی کا ماہر ابواسحاق بن ابراہیم موصلی دربار ہارون کا مشہور مفتی تھا۔
 وہ راوی ہے کہ ایک روز ہارون الرشید شکار کو گیا اور مجھے بھی اپنے ہمراہ
 لے گیا۔ خلیفہ تو شکار کے قنائب میں آگے بڑھ گیا مگر میں مکان کے باعث پیچھے
 رہ گیا۔ اتفاقاً سامنے ایک گر جانظر آیا۔ میں تھکا ہوا تھا ہی، خیال کیا کہ شاید یہاں
 غنڈڑی دیرستانے کا موقع مل جائے۔ اس خیال سے میں گر جا کے احاطے میں نکل
 بر گیا۔ جب گر جا کے بوڑھے پادری نے مجھے دیکھا تو بہت خوش اخلاقی کے ساتھ
 میرے پاس آیا اور میری بڑی خاطر عارات کی۔ نرم بستر میرے لئے بچھا دیا اور کچا جھلے
 کے لئے ایک خادمہ کو میرے پاس بھیج دیا۔ پھر نورانیہ میرے لئے بہت اچھے اچھے
 کھانے پہنچائے۔ اس دوران میں مجھے اپنی عمر کے عجیب عجیب واقعات اور حالات

منامارا۔ کمانے کے بعد الجھناہٹ عزت اور احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ جب میں وہاں سے چل کر ڈھونڈتا ڈھونڈتا خلیفہ کے کیسپ میں پہنچا تو خلیفہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے ساری کیفیت بیان کی اور پادری کی مہمان نوازی کی تعریف کی جس پر خلیفہ کو بھی شوق پیدا ہوا کہ ایسے خوش اخلاق، لطیف اور مہمان نواز انسان سے ضرور ملنا چاہئے۔ چنانچہ خلیفہ نے اپنی واپسی کا ارادہ اس رات طعنی کر دیا۔ اور میرے ساتھ تنہا پادری سے ملاقات کے لئے چل کھڑا ہوا۔

گرچہ پہنچ کر جب پادری کو معلوم ہوا کہ دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ اُس کی حالت کو آیا ہے تو وہ بے انتہا خوش ہوا۔ ظاہر ہے کہ اُس کے لئے اس سے زیادہ فخر اور کیا ہو سکتا تھا۔ گرجا کے سامنے آدمی خلیفہ کی خدمت اور خاطر مدارات میں لگ گئے۔ بڑی پر خلعت و محبت برائی اور جنگل میں امیر المؤمنین کو محل کا مزا آگیا۔

خلیفہ پادری کی آؤ جگت اور مہمان نوازی سے بے حد خوش ہوا اور چلتے وقت ایک ہزار دینار (۵۰۰ پونڈ) اسے رحمت فرماتے اور حکمرانوں سے دیا کہ گرجا سے متعلق جس قدر ضرورہ زمینیں اور باغات ہیں سات سال تک اُن کا مالیہ وصول نہ کیا جائے۔

پادری گرجا کے احاطے کے دروازے تک خلیفہ کو چھوڑنے آیا۔ رخصت کے وقت خلیفہ نے بڑی گرم چوٹی کے ساتھ پادری سے مصافحہ کیا اور کہنے لگا: میں آپ سے مل کر نہایت خوش ہوا اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میری رعایا میں ایسے مہمان نواز اور خوش اخلاق بزرگ موجود ہیں۔

اس واقعے سے جو ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ

دارون الرشید کا سلوک عیسائی رعایا کے ساتھ کیسی رعاداری کا تھا۔

یہ رعاداری اتنی پختہ تھی کہ جب قیصر روم کی بار بار عہد شکنی، سرکشی اور سرحد پر قتل و غارت سے دارون شک آپگیا تو ایک روز نہایت غصے سے اس نے قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف سے پوچھا کہ عہد اسلامی میں عیسائیوں کے گرجا کیوں محفوظ رہے اور کس نے ان کو اس بات کی اجازت دی کہ مشروں میں حلانہ جلوس نکالیں ؟

اس پر حضرت امام ابو یوسف نے بڑی جرات سے جواب دیا : حضرت عمرؓ کے عہد میں جب رومی ممالک فتح ہوئے تو عیسائیوں کو یہ کھکر دے دیا گیا تھا کہ تمہارے گرجا محفوظ رہیں گے اور تمہیں اپنے مذہبی اعمال بجالانے اور صلیب نکالنے میں پوری آزادی ہوگی۔ پس اب کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ اس حکم کو فروخ کر دے۔

یہ سن کر دارون الرشید چپ ہو گیا اور پھر ساری عمر کبھی عیسائیوں کے مذہبی نو میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ اگر وہ ظالم اور جابر ہوتا تو عیسائی حکومت سے بار بار سخت تکلیف اور پریشانی اٹھانے کے بعد غصے میں آکر اپنے ملک میں عیسائیوں کا قتل عام کوادیتا اور سارے گرجاؤں کو کھدوا دیتا مگر رعاداری کی انتہائی کہ جب ایک مرتبہ قیصر روم کی بدعہدی سے سخت طیش میں آکر اس نے دارالسلطنت ہرکلی (ہرقلہ) پر حملہ کیا اور ہرقلہ اجاڑ ڈالنے کے بعد وٹان سے بہت سے آدمیوں کو پکڑ لایا تو بعد میں قیصر نے کھاکہ کہ جن آدمیوں کو آپ قید کر کے لے گئے ہیں ان میں میرے لڑکے کی میگزین بھی چلی گئی ہے حالانکہ اس کی شادی تیار تھی۔ اگر آپ اس لڑکی

کو واپس کر دیں تو اس کے بدلے میں جس قدر روپیہ آپ چاہیں میں بلا عذر بھی دوں گا۔
 اس پر قیصر سے انتہائی نفرت کے باوجود بارون الرشید نے لوہکی کو
 جوایا اعدا سے نہایت ہوگی کے ساتھ بھا کر واپس بنایا۔ پھر کچھ تھلٹ اس کے ساتھ
 گئے اور یہ کہہ کر اسے واپس بھجوا دیا کہ تمہاری بہو کو میچ رہا ہوں اور اپنی طرف سے
 شادی کے تحفہ کے طور پر کچھ چیزیں بھی اس کے ساتھ کر رہا ہوں۔ انہیں میری طرف
 سے قبول فرمائیں اور لوہکی کے معاوضے کا کوئی خیال دل میں نہ لائیں۔“

ایک مرتبہ ج کے موافقہ پر بارون الرشید نے میدان عرفات میں کھڑے ہو کر
 اپنے عیسائی جلیب جبریل کی صحت و عافیت کے لئے نہایت خشوع و خضوع کے
 ساتھ دین تک دُعا کی اور جب ایک مصاحب نے کہا کہ آپ ایک کافر کے لئے
 دُعا کر رہے ہیں تو اس نے اُسے جھڑک دیا۔

دورِ ہارونی میں سلطنت کی خوشحالی اور انتظامِ ملکی و مالی

کسی ملک کی خوشحالی اس امر پر موقوف ہے کہ وہاں کے باشندے اس اور چین کی زندگی گزارتے ہوں۔ رعایا پر نا واجب اور نامناسب ٹیکسوں کا بار نہ ہو۔ لوگ تجارت، ملازمت اور زراعت میں مشغول ہوں۔ روزگار اور ذرائع آمدنی وسیع ہوں۔ خوش قسمتی سے یہ ساری باتیں ہارون الرشید کے زمانہ میں لوگوں کو حاصل تھیں۔ اسی لئے سارا ملک خوشحال تھا۔ ذرا بھی کسی ملک میں شورش یا بغاوت مٹانی تھی تو اکثر اوقات ہارون خود اس کو فرو کرنے کے لئے موقع پر پہنچتا تھا ورنہ اپنے جرنیوں کو بھیج کر فتنے کو کھتی کے ساتھ کھیل دیتا تھا۔ ہارون دل سے چاہتا تھا کہ رعایا کا ہر فرد پورے طور پر خوش و خرم اور مطمئن رہے۔ ذرا بھی کسی حاکم یا گورنر کے ظلم کی شکایت سُنا تو فوراً اس کی باز پرس کرتا اور اگر جرم ثابت ہو جاتا تو حاکم اور عامل کی ذرا رعایت نہ کرتا۔ اپنی غیر مسلم رعایا سے بھی ویسے ہی خشن سلوک سے پیش آتا جیسے اپنے آدمیوں سے۔ راتوں کو بھیس بدل کر تنہا اپنے غلام یا وزیر کے ساتھ بغداد کے محلوں اور گلیوں کا گشت لگاتا اور رعایا کا حال و ریافت کرتا۔ اس عدالت کی بدولت وہ اکثر سخت خطروں میں بھی پڑ گیا مگر اپنے معمول میں فرق نہ آئے۔ ہر معمولی سے معمولی شخص کو دنیا کے اس سب سے بڑے بادشاہ تک آسانی سے پہنچ سکتا اور اپنی منظوری کی کوافی بیان کر کے انصاف حاصل کر سکتا تھا۔ رفاہ عام کے

جتے جیتے تھے ہارون مسب میں نوابی پچھی لیتا اور ملک کے سارے انتظام سے باخبر رہتا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بیان شاید طرفدار اور جنبہ داری پر محمول سمجھا جائے لہذا اس کی کیفیت فرانس کے مشہور تشریق ڈاکٹر لی بان کی زبان سے سنئے۔ وہ فرماتے ہیں :

”ہارون الرشید نے تمام ملک میں سرکس بنوائیں اور ان پر ڈاک قائم کی ، جس کے ذریعے سے قاصد اور ناسر بردور دودر کے فاصلے تک پاسبانی اور برکعت پہنچنے لگے۔ ناسر برکتروں کی ڈاک بھی قائم کی گئی۔ اس کا انتظام بالکل دیباہی تھا جیسا یورپ کے بعض شہروں میں ہے۔ خط و رسائی کا سلسلہ ہارون نے دیا ہی جاری کیا جیسا آج ہمارے ہاں رائج ہے۔ کل کی طرح یہ محکمہ ہارون کے وقت میں بھی ایک بڑا اہم اور ضروری صیغہ سمجھا جاتا تھا۔“

ہر ایک صوبے میں ہارون الرشید کی طرف سے ایک گورنر مقرر ہوتا تھا۔ جس کے ماتحت میں تمام صوبے کی باگ ہوتی تھی۔ ملک کا مالی انتظام نہایت ہی باہم اند تھا۔ اس وقت آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے :

اول : ذاتی اور شخصی ٹیکس جو آمدنی پر لیا جاتا تھا۔

دوم : مقبوضہ اور مزدور و عمارتیں کا لگان۔

سوم : جنگی کی آمدنی

چہارم : غیر مزدور و عمارت و فسادہ زمین کا محصول (جو بہت ہی کم اور برائے

نام ہوتا تھا)

پنجم : معدنیات اور کانوں کے ٹیکے۔

حرب کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہارون الرشید کی مجموعی آمدنی دس کروڑ روپے سالانہ تھی (جو آج کل کی کم قدرتی زر کے مقابلے میں ایک نہایت ہی خطیر رقم ہے)

اس مال گزاری کی نگرانی ایک مجلس وزراء کے سپرد تھی۔ اپنی خلدوں نے اپنی تاریخ میں اس کی تفصیل دی ہے۔

ملک کا انتظام چار صیغوں پر منقسم تھا جو ہمارے دور کی موجودہ وزارتوں کے پورے طور پر مطابقت رکھتا ہے۔

پہلا صیغہ جنگ (جس پر بہت معقول رقم سالانہ خرچ ہوتی تھی) نئے فوجی قلعوں کی تعمیر، پرانے قلعوں کی مرمت، فوج کی تنخواہیں، اسلحہ اور گھوڑوں کا انتظام اس صیغے کے سپرد تھا۔

دوسرا صیغہ مال گزاری۔ جس کا کام مختلف اشیاء پر محصولات کی تشخیص تھا۔ تیسرا صیغہ شخصی۔ اس صیغے کے سپرد محصول، جنگی، لگان اور ٹھیکوں کی وصولی تھی۔

چوتھا صیغہ انتظامی۔ اس صیغے کا کام داخل و خارج کی نگرانی اور انتظام تھا۔

خیفہ کے کل احکام نہایت باتامدہ لکھے جاتے تھے جو پورے انتظام کے ساتھ ریکارڈ کے طور پر دفتر میں محفوظ رہتے تھے۔

تمام شہروں میں پولیس کا انتظام ایسی ہی عمدگی اور قابل اطمینان طور پر تھا جیسا ڈاک اور داخل و خارج کا۔

ساجروں اور سردارگوں کی انتظامی مجالس بھی دارون الرشید نے قائم کر دی تھیں جو اس امر کی نگرانی کی ذمہ دار تھیں کہ ان کے علاقے میں کہیں معاملات تجارت میں بددیانتی، دغا بازی یا قریب دیکھا جائے۔ اگر اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی تو اس کی بازپرس نہایت سختی کے ساتھ کی جاتی تھی، بددیانت رکنا خوار کرنا یا جبرت سزا دی جاتی تھی، کسی کی مجال نہ تھی کہ کم تو لے، منگائیے یا خراب ٹال ٹالاک کر دے۔

بکثرت آمدنی اور باقاعدہ خرچ کے اعلیٰ انتظام کے باعث دارون الرشید کو موقع ملا کہ نالوں روپے سے رنہا عام کے بڑے بڑے کام کر سکے۔ اس نے ملک میں لمبی سڑکیں بنوائیں، جگہ جگہ کارواں سرائیں، کنوئیں اور مسجدیں تعمیر کیں، مختلف قائم کئے اور مدارس کا جال تمام ملک میں پھیلا دیا۔

دارون کے زمانے میں نہایت اور صنعت و حرفت نے بھی بڑی ترقی پزیری کی۔ عمدہ سے عمدہ باریک اور نفیس ترین پکڑے بننے کے کارخانے اہل اپیانے پر مصل، حلب، دمشق اور بغداد میں قائم کئے۔

نک، گندھک، سنگ مرمر، رے اور سیسے کی کانیں ماہرین کی نگرانی میں تلاش کروائی گئیں اور ان کو باقاعدہ کھدوانے کا بہت معتدل انتظام کیا گیا۔

مدرستہ تعلیم نہایت وسیع پیمانے پر قائم کیا گیا۔ تمام ممالک سے بزرگ اور زبان کے مشہور فضلا اور اساتذہ بغداد بٹلائے گئے، جو ایک طرف طلباء کو بالکل مفت تعلیم دیتے اور دوسری طرف مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے تراجم کرتے تھے۔

بارون کے زمانے میں علم ہیئت کو اس درجہ ترقی ہوئی کہ وہ کام جسے یورپ نے بالکل ناممکن سمجھا تھا، اس وقت ہو چکا تھا۔

حکمائے یونان اور قدیمے روم کی تصنیفات اور تالیفات فلسفہ اور ریاضیات کے متعلق، اُس نے عربی میں ترجمہ کروائیں اور اپنے مدارس میں جاری کیا۔

اس نے جگہ جگہ مدخانے، لائبریریاں، مدارس علمیہ اور سائنسیات تحقیقات کے لئے تجربہ گاہیں قائم کیں، جہاں میں دن رات مہندس، سائنس دان اور کیمیاء کے ہر نئے نئے تجربات اور جدید تحقیقات میں بہترین مصروف رہتے تھے۔

(قدن عرب مصنفہ ڈاکٹر گستاوی بان سترجمہ شمس العلماء مولوی سید علی

بلگرامی صفحہ ۱۶۷-۱۷۰)

اسی خوشحالی کا نتیجہ تھا کہ ملک میں دولت کا دریا بہہ رہا تھا۔ جرجی زیدان اپنی کتاب 'تاریخ التمدن الاسلامی' کی دوسری جلد میں لکھتا ہے کہ 'بارون الرشید کا دربار دغدغہ سے اور اس کا بیت المال زرد و سیاہ اور نقدیات سے بھرا ہوا تھا۔ اس زمانے کے سوداگروں کی حالت یہ تھی کہ مملہ کرخ (مغربی حصہ ہندو) کے ایک جوہری حون نامی کی دوکان پر ایک روز کھینچی برکی (دو ذیر بارون الرشید) گیا اور ایک در لگا رکشتی کی قیمت ستر لاکھ درہم لگا دی مگر سوداگر نے اسے اس قیمت پر فروخت کرنا منظور نہیں کیا۔ یہ اس کی دکان کی صرف ایک چیز تھی۔ ساری دوکان کے مال کی قیمت نو کروڑوں درہم ہو گئی۔ ایک تاجر کی جائداد کا کہ ایک کروڑ درہم سالانہ وصول ہوا کرتا تھا۔ ایک دوسرے سوداگر کا اکٹم نکستیس میں لاکھ درہم تھا۔ ایک تاجر کا سرمایہ جو عود، کاغذ، حبشہ، پاشمی دانت، آبنوس اور سیاہ و سرخ کی تجارت کرتا تھا

چھ کوڑورہم تھا۔“

اس زمانے میں دولت کی فراوانی کی یہ ایسی داستانیں ہیں جن پر مشکل ہی سے یقین آتا ہے اور کمال یہ ہے کہ یہ داستانیں دشمنوں اور مخالفوں کے قلم سے بیان ہوئی ہیں ذکر تاحول اور محبت کی زبان سے۔

ہارون کی عسکری طاقت

براعظم ہائے ایشیا و افریقہ کے ان کثیر ممالک پر جو ہارون الرشید کے قبضے میں تھے مضبوطی کے ساتھ اسی وقت حکومت ہو سکتی تھی جب خلیفہ کی فوجی قوت نہایت زبردست ہوتی۔ چنانچہ اس زمانے کے لحاظ سے ہارون الرشید اتنی تربیت یافتہ فوج کا مالک تھا کہ تمام دنیا کے حکمران اُس سے خوف کھاتے تھے۔ بادشاہ جتنے ہی اُس نے شام کی سرحد پر، جو رومی سلطنت سے ملتی تھی نہایت مضبوط فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور بڑے مستحکم قلعے مناسب مقامات پر تعمیر کئے، جن میں فوج کی معقول تعداد ہر وقت تیار اور مستعد رہتی تھی۔

ہارون الرشید کی بری فوج کی تعداد مؤرخین نے دو لاکھ لکھی ہے، مگر اس بات کو نہ بھولنا چاہئے کہ یہ تعداد وہ تھی جو تنخواہ دار اور باقاعدہ ملازم تھی۔ ضرورت پڑنے پر ملک کا ہر مسلمان نوجوان گھر سے نکل کر خلیفہ کے جھنڈے تلے جمع ہو سکتا تھا۔ کیونکہ فتویٰ جنگ کی تعلیم ہر مسلمان کو بچپن ہی سے دی جاتی تھی اور ہتھیاروں پر کسی قسم کی کوئی پابندی اور لائسنس نہیں تھا۔ اسی بنا پر اسلامی فوج کے دو حصے تھے۔

(۱) تنخواہ دار۔ یعنی وہ سپاہی جو چومیس گھنٹے اپنے کام پر مستعد رہتے اور باقاعدہ ملازم تھے۔ اس میں مذہب کی کوئی تخصیص نہ تھی۔

(۲) اپنی خوشی سے اور رضا کارانہ طور پر فوجی خدمت انجام دینے والے۔ اس

حصہ فوج کا نام 'منظومہ' تھا۔

اشد ضرورت پڑنے پر عام مسلمان باشندوں پر فوجی خدمت لازمی ہو جاتی تھی مگر غیر مسلم رعایا کو کسی حالت میں بھی فوجی خدمت کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سواروں اور پیادوں کے علاوہ فوج میں مندرجہ ذیل لوگوں کی بھی ایک معقول تعداد لازماً ہوتی تھی :

- (۱) لفظ پیسٹک کر دشمن کی فوج اور قلعوں میں آگ لگا دینے والے۔
- (۲) مخفی چلا کر مخالفت کے قلعوں کو سہارا کرنے والے۔
- (۳) حصار صینی گوپن کے ذریعے دشمن پر روڑوں اور پتھروں کے ٹکڑوں کی بارش کرنے والے۔

(۴) تیر انداز۔ یہ لوگ نشانہ باندھ کر تیر مارنے کے فن میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ جرجی زید ان لکھتا ہے : "اگر کوئی عرب تیر انداز اس بات کا ارادہ کرتا کہ بھاگے ہوئے ہرن کی صرف ایک آنکھ کو نشانہ بنائے تو وہ اس ارادے میں نہایت آسانی کا مایاب ہو جاتا تھا۔ اُن میں جو تیر انداز اپنے فن میں نہایت درجہ کامل ہوتا تھا اُسے 'مرامۃ الحدق' کہتے تھے۔" (تاریخ الامتدلی الاسلامی جلد ۱ صفحہ ۱۰۸)

(۵) مرہمچی کا اختتام کرنے والے۔ یعنی ایک مکمل فوجی ہسپتال ہر لشکر کے ساتھ ضرور ہوتا تھا۔ میدانِ لڑائی میں اسلامی فوج تیرکمان، تنوار، نیزوں، بجاوں اور پیش قبضوں وغیرہ معمولی آلات جنگ کے کام لیتی تھی۔ لیکن جب اسے ایسے شہر کا محاصرہ کرنا ہوتا جس کی شہر شاہ مضبوط پتھروں کی بنی ہوئی ہوئی یا کسی سنگین اور مضبوط قلعے پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو اس وقت اہل عرب مخفییت، دبابہ، کبش اور نبط سے

کام جیسے تھے۔ محاصرے کے ان عہدیت تاک آلات کی بہت ہی مختصر کیفیت ذیل میں نقلی جاتی ہے۔

(۱) منجنیق : اس آلے کو اس زمانہ کی توپ سمجھنا چاہئے۔ اس کی کئی قسمیں ہوتی

تھیں۔ بڑی، چھوٹی، بلبلیوں اور کمانیوں کے ذریعے سے چلنے والی یا گوجن کی طرح چکر سے گھومنے والی۔ بالعموم منجنیق بڑے بڑے شہر و قلعہ کے قلعوں کو ہمار کرنے کے کام آتی تھی مگر بعض اوقات زبردست سانپ، بھجڑاؤ، گنگھوڑے بھی چھوٹی منجنیق کے ذریعے مخالف فوج پر پھینکے جاتے تھے۔

(۲) دبابہ : یہ پہیوں پر چلنے والے مکڑی کے نہایت اُد پنے اُد پنے چوتھے ہوتے تھے جن پر چاروں کھیلوں پر حملہ کیا جاتا تھا۔ خیلوں پر چڑھ کر شہر کے اندر کو دہڑنے میں بھی دبابہ کو استعمال میں لاتے تھے۔

(۳) کبش : یہ بھی دبابہ کی شکل کا ایک آلہ جنگ ہوتا تھا جو قلعہ یا شہر چاکی دیوار پر منہدم کرنے کے کام آتا تھا۔

(۴) قلعہ : اگر ایک خارجی آتش یونان کا نام عربوں نے لفظ رکھا تھا۔ یہ ایک

سیال مادہ ہوتا تھا جو گندھک، تیل اور بعض دوسری آتش گیر اشیاء سے ملا کر بنایا جاتا تھا۔ اسے تیروں پر لپیٹ کر، رستوں پر ڈال کر، پستھروں پر چھڑک کر یا روٹی میں حرک کے دشمن پر پھینکا کرتے تھے۔ یہ مادہ ہر ایک کو خوفناک آگ کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور جس چیز پر پڑتا اسے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالتا تھا اگر یا یہ آتشیں بم تھے جو دشمن کی صفوں میں جا کر پھٹا کرتے تھے۔

بارون الرشید کی عسکری قوت کتنی زبردست تھی، اس کے لئے یہ درہمیں شروع

ڈاکٹر لیبان کا یہ بیان پڑھئے :

”خلیفہ ہارون الرشید کی فوجی قوت بھی اس کی شان حکومت کے مطابق تھی۔ اس فوجی عظمت کا رعب اور دبدبہ بیرونی ممالک میں اس درجہ شدید اور سخت تھا کہ قسطنطنیہ کے شہنشاہ، جو سلاطین یونان و روم کے ہانشین تھے، خلیفہ کو خراج دینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ انھوں نے اس وقت سے پہلے کی بڑی کوششیں کیں مگر عرب کے اس بادشاہ کے آگے ان کی کچھ نہ چلی۔ ایک مرتبہ عیسیٰ خود (نقفور) نے جو ہلکاری نیکی کے بعد روم کے تخت پر بیٹھا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کو لکھا کہ میں آئندہ تم کو خراج نہ دوں گا۔ اس کے جواب میں ہارون کا جواب مختصر اور زبردست خط گیا۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہان یونان و روم کی یہ اولاد عربوں کی نظر میں کس درجہ ذلیل اور خوار تھی۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہارون الرشید امیر المومنین کی طرف سے رومی کہتے نقفور کے نام۔ میرا جواب تو خود دیکھ لے گا کہ کیا ہوتا ہے۔“

اس خط کا مضمون نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے :

”ادنیٰ الواقع اس رومی کہنے نے دیکھ بھی لیا جو کچھ ہوا۔ ہارون نے فوراً اس کے تمام ملک کو زیر و زبر کر ڈالا اور بالآخر اس عیسائی شہنشاہ قسطنطنیہ کو خلیفہ اسلام کی بارگاہ میں خراج ادا کرنا ہی پڑا۔“ (تقدیر عرب مترجم ڈاکٹر سیدتی بنگرامی، صفحہ ۱۴۲-۱۴۳)

یہ بیانی تو خلیفہ ہارون الرشید کی بڑی فوج کا تھا۔ اب اس کی بحری فوج کا بھی

تھوڑا سا حال سُنے ،

جنوبی سمندر یعنی بھرہند کی طرف سے ہارون کو کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ تمام
بھرہند میں ہندوستانی ہی ایک نمایاں ملک تھا اور وہ اس وقت سینکڑوں چھوٹے
بڑے حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ شمال میں ملتان تک کا علاقہ خود ہارون کے
پاس تھا۔ باقی حصہ ملک پر الگ الگ، راجے اور سردار حکومت کرتے تھے۔
ان میں سے کسی ایک میں بھی اتنی بہت نہ تھی کہ ہارون کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے
بلکہ وہ ہمیشہ اس کی عنایت اور چشم التفات کے منتظر رہتے تھے۔ بھرہند سے
اس وقت سب سے زیادہ نفع حرب تاجراٹھاتے تھے۔ وہ جہازوں میں بصرہ
سے چل کر شمالی ہند کی بندرگاہ ویسل اور جنوبی ہند کی بندرگاہ کالی کٹ تک پہنچتے۔
اور وہاں سے سرانڈیپ اور ملائیسے جوتے ہوئے چین تک اپنی اشیاء
نیچھنے جایا کرتے تھے۔ انہی تاجروں کی بدولت دارالاسلام ہندو کے بازاروں
میں دنیا بھر کی چیزیں مل جاتی تھیں۔ ہارون ان بھری تاجروں کی پوری بہت افزائی
کرتا تھا۔

جنوب کی طرف سے تو بے گدری تھی لیکن شمالی سمندر یعنی بحیرہ روم میں ہارون
اپنے جنگی جہازوں کا بیڑا رکھنے پر مجبور تھا تاکہ قسطنطنیہ، ایران، اٹلی اور فرانس
کے کسی فرمانروا کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اندلس کے انوی بادشاہوں
کو ہارون اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔ اس لئے اندلس سے بھی اسے ہوشیار
رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ اُس نے جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا تھا۔ جس کا کام ہی یہ تھا
کہ وہ بحیرہ روم میں گشت لگاتا رہے اور دشمنوں کی ہر سرگرمی سے باخبر رہے

جب ایک مرتبہ ملکہ ایرینی قیصرۃ روم نے خراج ادا کرنے میں تاخیر سے کام لیا۔ تو ہارون کے اسی جنگی بیڑے نے اس کے تمام ساحلی علاقے کو زیر و زبر کر ڈالا۔ تھا۔ جس سے گجرات ملکہ نے فی الفور خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے اس مصیبت سے نجات پائی تھی۔

ایک مرتبہ ہارون کے اسی جنگی بیڑے نے قبرص پر حملہ کیا اور وہاں سے مال غنیمت کے علاوہ سولہ ہزار آدمی گرفتار کر کے بغداد بھیجے۔

۱۷۸ھ - ۷۹۴ء میں ہارون کے محکمہ خراج کے افسر اعلیٰ سلیمان بن راشد نے اس جنگی بیڑے کے ذریعے یورپ کے اکثر ساحلی مقامات پر حملے کئے۔ اور کامیاب واپس آیا۔

جب ۱۸۴ھ - ۸۰۰ء میں ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو افریقہ کا والی مقرر کر کے بھیجا تو اس نے جی دیا اور پہنچ کر جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا۔ یہ نیا بیڑہ تمام بحیرہ روم پر حکومت کرتا تھا۔ ہارون الرشید کے یہ دونوں بیڑے تمام بحیرہ روم میں گشت لگاتے پھرتے تھے اور بعض ساحلی شہروں کے علاوہ بحیرہ روم میں واقع جزائر پر بھی حملے کرتے تھے۔ بحیرہ روم میں جو جزیرے تھے ان کے نام اور سی نے زبیر المثنیٰ میں، باقت حموی نے معجم البلدان میں اور ابو الفدا نے تقویم البلدان میں مندرجہ ذیل لکھے ہیں :

- (۱) قبرص (۲) رہوڈس (۳) کریٹ (۴) جزیرہ ایجن -
- (۵) قرض (کورفو) (۶) مالطہ (مالٹا) (۷) کونہ (کومینیو) -
- (۸) خورش (گوزد) (۹) منوشہ (لیمنسا) (۱۰) الکتاب -

- (۱۱) قوسره (نیٹیلیا) (۱۲) الاسب (آفاوگینا) (۱۳) طیطه (مرثیہ)
 (۱۴) صقلیہ (سحلی) (۱۵) البہ (۱۶) بانوسہ (پیانکس) (۱۷) قبریا
 (کیپ رجبا) (۱۸) لبر (بیاری) (۱۹) الفیطہ (۲۰) البحر (۲۱)
 المنزوسہ (۲۲) قرققہ (کارسیکا) (۲۳) مردانیہ (مارٹونیا) (۲۴)
 منورکا (۲۵) مجورکا۔

ہارون الرشید کے ہم عصر سلاطین

ہارون الرشید کے زمانے میں شان و شوکت، عظمت و ہیبت اور وسعت سلطنت کے لحاظ سے دُنیا کا کوئی بادشاہ اس کا قدرِ مقابل نہیں تھا۔ باقی کے ممالک میں جو بادشاہ اس وقت حکومت کرتے تھے۔ ان کا نہایت مختصر حال ذیل میں لکھا جاتا ہے :-

اس سلسلہ میں ہم بڑے عظیم ایشیا سے انتہائی مشرقی ملک یعنی چین سے شروع کرتے ہیں اور بڑے عظیم یورپ کے انتہائی مغربی ملک یعنی انگلستان پر اس بیان کو ختم کریں گے۔

ہارون الرشید نے ۷۸۶ء سے ۸۰۹ء تک سلطنت کی ہے۔ لہذا اس ضمن میں دُنیا کے صرف ان بادشاہوں کا حال بیان کیا جائے گا جو ان سالوں میں حکمران رہے ہیں۔

۱۔ چین :-

ہارون الرشید کے زمانے میں چین کا بادشاہ ٹی سنگ تھا جس نے ۷۸۰ء سے ۸۰۵ء تک بادشاہی کی ہے۔ ہارون الرشید کے اس بادشاہ سے دستِ ابرام تھے۔ اس نے چند چینی تحائف اپنے سفیر کے ساتھ ہندو بھیجے تھے۔ ہارون نے بھی اسے ہدیے کے طور پر چند نفیس اشیاء روانہ کی تھیں (تاریخ ممالک چین

جلد دوم مصنف حمیز کارکن شائع کردہ، مطبع نو لکشر مطبوعہ ۸۶۴ء ۱ صفحہ ۸۶

۲۔ ہندوستان

ہارون الرشید کے زمانے میں ہندوستان عجیب افزا تفری میں مبتلا تھا سینکڑوں چھوٹے نوٹے راجے ہمارا جے ملک کے چھوٹے چھوٹے قطعات پر قبضہ چلائے بیٹھے تھے۔ یہ راجے یا تو اپنے ذاتی جھگڑوں میں الجھے رہتے یا پھر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے۔ ان راجاؤں میں شمالی ہند کے فرما رواؤں سے ہارون الرشید کے بہت اچھے اور نہایت خوشگوار تعلقات تھے۔ بخرم، مہبت اور طلب وغیرہ علوم کی کتابیں ہارون اکثر ہندوستان کے راجاؤں سے منگواتا رہتا تھا۔ من جلد ان کے شہرت کی مشہور کتاب ہارون الرشید نے ہندوستان سے منگوائی اور محکمہ ہندی سے اس کا عربی میں ترجمہ کروا کر ملک کے تمام سرکاری شفا خانوں میں اس کی ایک ایک نقل بھجوا دی اور حکم دے دیا کہ بطور قرابادین اس کا استعمال کیا جائے۔

کتابوں کے علاوہ یہاں کے ہندو راجاؤں سے ہارون الرشید نے پانچ چھ کے قریب سنسکرت کے بڑے بڑے فاضل بھی منگوائے۔

ہارون کے زمانے کے ہندوستانی راجاؤں میں سے صرف دو کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

ایک دہلی کا راجہ اوسے راج ولد راجہ ہریپال، جس نے ۷۸۹ء سے ۸۱۶ء تک حکومت کی۔ دوسرا کشمیر کا راجہ جیا پٹہ جس نے ۷۷۱ء سے ۸۰۱ء تک بادشاہت کی۔

۲۔ روم

جس وقت یارون الرشید تخت پر بیٹھا اس وقت قسطنطین ششم روم کا شہنشاہ تھا۔ جس نے ۷۸۰ء سے ۷۹۷ء تک حکومت کی۔ پھر اسے اندھا کر دیا۔ اس کی ماں ملکہ ایرینی نے ۷۹۷ء سے ۸۰۲ء تک حکومت کی۔ ۸۰۲ء میں نائسفورس (نقفور) نے اسے معزول کر کے جزیرو میں قید کر دیا۔ نقفور نہایت معزور حکمران اور ظالم شخص تھا۔ ۸۱۱ء میں (یعنی یارون الرشید کی وفات کے دو برس بعد) اسے بلغاریوں نے موتی پا کر قتل کر ڈالا۔

روم کے یہ تین بادشاہ شہنشاہ یارون الرشید کے ہم عصر تھے۔ یارون الرشید کی سب سے زیادہ جنگ انہی بادشاہوں سے رہی۔ جب موتی ہوتا یہ سرحد کی اپنے جرنیلوں کو بھیج دیتے جو لوٹ مار کر کے اور کچھ مسلمانوں کو گرفتار کر کے چلی دیتے پھر یارون کو ان کے خلاف فوج بھیجی جیتی۔ روزمرہ بھی مصیبت جیتی تھی۔

ان رومی شہنشاہوں کی وجہ سے شاہزادگی کے نہانے سے بے کوفات تک یارون کو ان کی آئے دن کی غارت گری اور ترقی سے نجات نہ ملی۔ جب بھی ان کا ان کی بھیدیوں کے باعث ان پر حملہ کرتا تو یہ نہایت عاجزی کے ساتھ صلح کی درخواست کرتے اور خراج ادا کرنے کے وعدے پر غلطی پاتے لیکن جو نئی بار بار پیٹھ پھیرتا یہ سب عہد و پیمان توڑ کر بدستور لوٹ مار میں مصروف ہو جاتے۔ آخر روزمرہ کی جہد و کوششوں، بھیدیوں اور لوٹ مار سے تنگ آکر یارون الرشید نے روم کو قرار واقعی سزا دینے کا ارادہ کر لیا اور ایک لاکھ بیستیس ہزار سپاہ کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ نائسفورس (نقفور) اس وقت رومی سلطنت کا بادشاہ تھا۔

ہارون کی فرجیں ایشیائے کوچک کے شمال میں تھیں، ہمک اور مغرب میں عیشیا اور کاریہ تک پھیل گئیں اور جلد ترانہوں نے قونیر، افسوس، متالہ، دوس، میکوپیا، مائڈرہ پولس، انطرسوس، اور نیقیہ کو فتح کرنے کے بعد تمام شہر کو کھدوا کر پینکوا دیا۔ کیونکہ سار کا آڈا بھی تھا۔ یہ واقعہ شمال ۱۹۰ مطابق اگست ۸۰۶ء میں پیش آیا۔

اسی بادشاہ ثانی کی فرس کو ایک مرتبہ ہارون الرشید نے 'رومی کتے' اور کافر کے بچے کا خطاب کھڑکھڑایا تھا۔

۴۔ پاپائے روما :

اٹلی کے پوپ اس زمانے میں عیسائیوں کے نزدیک خدا کے نائب اور بے پناہ قوت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ یورپ کے عیسائی بادشاہوں کا عزل و نصب ان کے حکم سے ہوتا تھا۔ یورپ میں بادشاہوں کی شادی بیاء کے معاملات میں بھی ان کا فیصلہ حتمی آخر کبھا ہوتا تھا۔ محمد ہارون کے پاپائے روما کا نام میڈرین تھا جس نے ۷۲ء سے ۹۵ء تک پوپ کا عہدہ سنبھالے رکھا۔

۵۔ فرانس، اٹلی اور جرمنی -

فرانس کا بادشاہ اور اٹلی، آسٹریا اور جرمنی کا تاج چارلس دی گریٹ (شارلمین) وہ خوش نصیب فرمانروا ہے جس کے ہارون الرشید سے نہایت گہرے دوستاں تعلقات تھے۔ یہ بادشاہ علم و درست، بہادر اور نہایت بااقتدار شخصیت کا مالک تھا اور اپنے آپ کو یورپ کا عظمیٰ رکھتا تھا۔ شارلمین کی شخصیت جرمنی، رومی اور مسیحی فرمانرواؤں کا دلچسپ مجموعہ تھی۔ وہ اپنی عادات و اطوار میں جرمن بحیثیت

فرما نرواردی اور خیالات و عقائد کے لحاظ سے عیسائی تھا۔ اس کے مقبرہ نما ملک بہت وسیع اور اس کی طاقت بڑی زبردست تھی۔ اس وقت سارے یورپ میں ممالک میں اس کی شرکت اور عظمت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ علوم و فنون کی ترقی اور مذہب کی اشاعت میں بھی اُس نے بڑی سرگرمی دکھائی تھی۔

شارلمین ایک طرف تو یورپ میں سپین کے اموی خلفاء کا بڑھتا ہوا زور توڑنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اپنے عیسائی رقیب شہنشاہ روم کو شکست دے کر اس کے مقبرہ نما ملک پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ تیسری طرف اس کی زبردست خواہش تھی کہ بیت المقدس کی زیارت کو جانے والے عیسائیوں کا دنیا بھر میں وہی اکیلا نمائندہ ہو۔ چوتھی طرف اس نے یہ بھی چاہا کہ مختلف علوم و فنون کا جو دریا اس وقت بغداد میں بہہ رہا تھا۔ اس سے وہ بھی مستفید ہو اور اپنے ملک کے فاضل لوگوں کو بغداد بھیج کر تعلیم دوائے تاکہ وہ وہاں سے خارج التحصیل ہو کر اپنے ملک کی بہالت کا کچھ عطا کر سکیں اور سلطنت فرانسیس کے اصول سلطنت کو دولت جہاں کے اصول پر ترتیب دیں۔

ان چھار گانہ اغراض کے حصول کے لئے شارلمین نے ہارون الرشید کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور بہت سے مخالف کے ساتھ ایک وفد فرانسیس سے ہارون کی خدمت میں بھیجا جس میں ایک یہودی اسحاق نامی بھی تھا جسے شارلمین نے بغداد میں اصول سلطنت کی تربیت کے لئے روانہ کیا تھا۔

ادھر ہارون الرشید بھی اموی خلفائے اندلس کی مخالفت پر اوجھار کھائے بیٹھا تھا کیونکہ وہ انھیں دولت جہاں کا باغی سمجھتا تھا۔ چہرہ دم کے حکمران تو اس کے سخت دشمن سمجھتے

لہذا اس نے بڑی غوشی کے ساتھ شارلین کے وفد کا استقبال کیا۔ شارلین کو بیت المقدس کے عیسائی زائرین کا قائد تسلیم کر لیا اور کھڑے بیچ دیا کہ پہلے جی ہم عیسائی زائرین کو زیارت بیت المقدس کے لئے ہر قسم کی آسانیاں بہم پہنچاتے رہے ہیں۔ آئندہ جی ہماری طرف سے انہیں کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ وہ صرف زیارات کے لئے نہیں اور نقد و خداد کے لئے نہ آئیں۔ باقی رہا اسحاق کی تربیت کا معاملہ تو اس طرف سے تم بالکل خاطر جمع رکھو وہ یہاں اپنے گھر میں ہوگا اور جب اس کی تربیت مکمل ہو جائے گی تو تمہارے پاس واپس پہنچ جائے گا۔

چار سال کی تربیت کے بعد جب اسحاق ایک دوسرے فرانسیسی وفد کے ساتھ واپس جانے لگا تو یاروں نے اس کے ہمراہ شارلین کو چند تحائف بھی بھیجے، جن میں ایک ارغوانی، ایک ہاتھی اور بہت سے نہایت بیش قیمت کپڑے تھے۔ مگر ان سب تحفوں سے بڑھ کر ایک بہت ہی عجیب و غریب گھڑی تھی جس سے فرانس کے مشہور موثر سیدیو نے اس امر کا استدلال کیا ہے کہ ہندوستانی کے سائنس دان اور صنعت کار اپنے فن میں کس قدر کامل تھے۔

یہ گھڑی ایک مختصر سے مکان کی صورت میں تھی جس میں چھوٹے چھوٹے ہارہ و دھار بنے ہوئے تھے۔ جب ایک بجاتا تھا تو ایک دروازہ کھلتا تھا اور ایک سوار اس میں سے نمودار ہوتا تھا جو تانبے کی ایک گول، لوہے کے ایک توسے پر زور سے مارتا تھا جس سے بڑے زور کی آواز پیدا ہوتی تھی اور شہر کے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اب ایک بجا ہے۔ پھر دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ جب دوبارے کا وقت ہوتا تو وہ دروازے کھلتے اور دوسرا نکل کر دو گویاں توسے پر مارتے تو لوگ جابجائی لیتے

کہ دو بیگے ہیں۔ اس طرح گھنٹوں کی تعداد کے موافق دروازے کھلتے رہتے۔ اس میں سے اتنے ہی سوار نکلتے رہتے اور اتنی ہی گولیاں وہ تو سے پر مارتے۔

جب یہ گھڑی فرائض پہنچی تو شارلمین اور اس کے درباری اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اسے ایک طلسم سمجھا اور یہ خیال کیا کہ اس میں بارہ جن قید ہیں جو باری باری باہر نکل کر گھنٹہ بجاتے ہیں۔ درباریوں نے اسے توڑ کر اصل حقیقت معلوم کرنی چاہی مگر شارلمین نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ فرائض کا فاضل مستشرق ڈاکٹر لی بان اس گھڑی کے متعلق لکھتا ہے: "اس گھڑی نے شارلمین اور اس کے نیم چشمی مساجدین کو نہایت چکرتی ڈالا۔ اس کے دربار کا کوئی شخص بھی اس قابل نہ تھا جو گھڑی کے کل پڑزوں کو سمجھ سکتا۔" (تقدیر عرب) مولانا شبلی ان تحائف کے متعلق لکھتے ہیں: "جو تحفے ہارون الرشید نے شارلمین کو بھیجے تھے۔ وہ اب تک فرائض کے گرجا پانیستون میں موجود ہیں لیکن گھڑی کا پتہ نہیں (غالباً تحقیقات کے شوق میں کسی 'فاضل' نے اسے کھول کر دیکھا ہے اور ستیا ناس کر کے ڈال دیا) احمد ذکی مصری نے ۱۸۹۲ء میں یورپ کا سفر کیا تھا۔ وہ اس گرجا کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں ایک سیاح کے لئے جو چمچ سے زیادہ دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے وہ کمرہ ہے جس کی دیواروں پر شارلمین کی تصویر اس بیٹ کے ساتھ بنی ہوئی ہے کہ شہنشاہ فرائض خلیفہ بغداد کی سفارت کا استقبال کر رہا ہے اور سفارت کے ہاتھ میں بیت المقدس کی کتبیاں ہیں جو ہارون الرشید نے شارلمین کو تحفہ بھیجی ہیں۔ اس گرجا کی دیواروں پر دو دلچسپی پر مبنی چٹے ہوئے ہیں جن کی قیمت ۶۴ ہزار روپے اندازہ کی گئی ہے۔" (میکلس اور مسلمان

(صفحہ ۴۲)

شارلمین ۷۴۲ء میں پیدا ہوا۔ ۷۶۷ء میں بادشاہ بنا اور ۷۸۸ء جنوری ۸۱۴ء کو بمقام آگن اس کا انتقال ہوا۔

۴۔ اندلس :

ہارون الرشید تخت بند اور پہنکے ہوا تو اس وقت اندلس میں بنو عباس کے ہاتھوں سے بچ کر نکلا ہوا ایک اموی شہزادہ عبدالرحمن اول حکومت کر رہا تھا جس کا انتقال ۳۱ سال سلطنت کرنے کے بعد ۷۸۸ء میں ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالرحمن کا لڑکا ہشام اول تخت نشین ہوا جس نے ۷۷۹ء میں حکومت کی۔ جب اس کی جی وفات ہو گئی تو ہشام کا فرزند حکم اول ۷۹۶ء میں اندلس کے تخت کا ماتک ہوا۔ اس کی مدت سلطنت ۲۷ سال تھی۔ گویا اندلس میں ہارون الرشید کے ہم عصر تین بادشاہ گزرے ہیں (۱) عبدالرحمن (۲) ہشام اول (۳) حکم۔ اتنی مدت تک حکومت کرنے کے بعد اندلس میں بنی امیہ کے قدم بڑی مضبوطی سے جم گئے تھے اور انہوں نے قوت اور عظمت حاصل کر لی تھی مگر ہارون کی شارلمین شاہ فرانس سے دوستی کاٹنے کی ایک بڑی وجہ شاہان اندلس سے عداوت بھی تھی۔ لیکن اس عرصے میں بنو امیہ کی فوجی طاقت اور ملکی شان اس قدر بڑھ چکی تھی کہ ہارون الرشید اور شارلمین کی دوستی ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی۔

۵۔ انگلستان :

جس زمانے میں بند و خلیفہ ہارون الرشید کی زیر قیادت سیاسی شوکت، علمی حیرت، تمدنی تفصیلت میں باقی سب دنیا سے آگے تھا اس وقت انگلستان اپنے تاریخی

دودھ کے بدترین خمد سے گزر رہا تھا۔ یہ بہت ہی چھوٹا سا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں
میں بنا ہوا تھا جو حسب ذیل تھیں :

(۱) نارنمبریا

(۲) مرشیا

(۳) ویسکیس

(۴) ایسٹ انگلیا

(۵) کیکنٹ

(۶) سسکس

(۷) ویسٹ سیٹ

یہ سب ریاستیں بڑی سرگرمی کے ساتھ آپس میں سرچشموں کرتی رہتی تھیں۔ ہر ریاست
کی یہ خواہش تھی کہ باقی سب کو فنا کر کے میں ہی انگلستان کی تہا مالک بن جاؤں۔
باشنہے سارے کے سارے مجلس اور تمدنی زندگی سے یکسر نا آشنا تھے۔
ان میں جو بھی خوش نصیب کچھ نہ کچھ طاقت اور اقتدار حاصل کر لیتا تھا وہ کسی نہ کسی
ریاست کا تختہ اُٹھنے کی فکر میں رہتا تھا۔

”ان کے گرجا بدکاری کے اڈے اور ان کے کلیسا فواحشات کا گھر تھے۔“
(نامہ ویسائی مصنف سر چارلس آرنلڈ کی کتاب ”انگلینڈ بھڑادی نارمن کانکسٹ“
میں سے)۔

انگلستان کی ریاستوں میں سے ریاست مرشیا کا حکمران اوناٹیلینڈ ہارون تھا
کاہنم عصر تھا جو اس تمام دودھ کا قابل ذکر بادشاہ گزرا ہے۔ اُس نے گرد و پیش

کی ریاستوں پر حملے کر کے اپنی مملکت کو بہت بڑھایا تھا اور خاص طاققت حاصل
 کر لی تھی۔ عباسی خلیفہ کی شوکت اور طاقت کے آگے اُس نے بھی سرباطاعت
 بھجکا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنے سکے پر جس کا نام مکیس تھا، عربی زبان میں
 عبارت اور اپنا نام کندہ کرایا تھا۔ یہ سکے آج بھی لندن کے عجائب خانے میں بکھیرا
 جاسکتا ہے۔ ادفا کا انتقال ۷۹۶ء میں ہوا جبکہ یارون کو سلطنت کرتے دس
 برس ہو چکے تھے۔

ہارون الرشید کے بارے میں مؤرخین اور مصنفین عالم کی کچھ تحریرات

بعض مسلمان اور یورپی مؤرخین نے مختلف زبانوں، مختلف زمانوں اور مختلف
حکمران ہیں ہارون الرشید کے حالات و واقعات لکھتے ہوئے ہارون الرشید کے
متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے :

۱۔ ابن خلدون

”بڑا اولوالعزم، علم و ہنر کا قدردان اور فہم و فراست، عزم و ثبات، فیاضی و
شجاعت میں ممتاز تھا۔ خلفائے عباسیہ میں سب سے پہلے اسی نے علم و ہنر کی
سرپرستی کا بیڑا اٹھایا۔ نہایت ذہنی علم تھا۔ فقہ، حدیث، ادب اور ایام العرب
سے خوب واقف تھا۔ مذہبی عقائد کا سختی سے پابند تھا۔ زندہ تھا اور الحاد سے
سخت نفرت رکھتا تھا۔ بزرگان دین سے معتقدانہ تھا۔ علماء و فضلاء کی نصائح
کو قہر سے سنتا تھا اور بعض اوقات نصیحت شن کر مٹنے لگتا تھا۔ سیاست مکی
میں نہایت بیدار مغز تھا۔ ہارون سے پہلے کوئی خلیفہ اس سے زیادہ مکی جہاد
سے مدد لینے والی کا خرچ کرنے والا نہیں گزرا۔“

(تاریخ ابن خلدون مترجم مولوی حکیم احمد حسین الدہلوی جلد ۱، صفحہ ۳۱، ۳۲)

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی

”یادوں الرشید حسین، دراز قد، فصیح البیان، عالم اور ادیب شخص تھا۔ ہر روز ایک سو رکعت نفل نماز ادا کرتا اور روزانہ ہزار درہم خیرات کرتا تھا۔ اہل علم کو دوست رکھتا، حرمت کی عزت کرتا، ریاکاروں اور بد دینوں سے نفرت کرتا، اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے اکثر روپا کرتا تھا۔“ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵)

۳۔ علامہ طقطقی

”یادوں الرشید کا دور حکومت بہترین تھا۔ اس کے زمانے میں سلطنت کا بڑا وقار تھا۔ اس کی مقبوضات کا رقبہ نہایت وسیع تھا۔ یونان کے بڑے حصے سے اس کے پاس خراج آتا تھا۔ اس کے دیار میں جتنے علماء، شعراء، فقہاء، حضات کاتب، ندیم اور دشمنی جمع تھے اتنے کسی خلیفہ کے دربار میں نہیں ہوئے۔ دوحہ بھی بڑا فاضل، شاعر، اخبار و آثار اور اشعار عرب کا حافظ تھا۔ خواص و عام سب کے دلوں میں اس کی ہیبت تھی۔“ (الفخری۔ صفحہ ۱۷۷)

۴۔ خطیب بغدادی

”یادوں جہاد کا نہایت شوق اور شہادت کی بڑی آرزو رکھتا تھا۔ حج میں نہایت الحاج وزاری سے دعائیں مانگتا اور مناسک حج ادا کرتے وقت اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبت رکھتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبارک اس کے سامنے لیا جاتا تو فوراً صلی اللہ علیہ وسلم کی سید کھتا۔“ (تاریخ خطیب۔ جلد ۱ صفحہ ۸)

۵۔ علامہ خضریٰ مصری

۱۰ ہارون کا زمانہ دولت عباسیہ کا زریں عہد تھا۔ اس کے دور حکومت میں ہنوجاں کی حکومت شان و شوکت، غلبہ و ثروت اور علوم و فنون کے لحاظ سے اپنے ادب و کمال کو پہنچ گئی تھی۔ علوم و ادب نے اس کے زمانے میں ایسی ترقی کی کہ جیوگر حیرت ہوتی ہے۔ اس کے وقت میں ہرق کے جہننے وائے ایسے ایسے کامل آدمی موجود تھے کہ دوسرے تمام ممالک اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز تھے۔ اس کا دعب، دبدبہ اور ہیبت نہ صرف اندرون ملک میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی قائم تھی۔ (معارف تاریخ الاسلام الاسلامیہ (عہد عباسیہ)

۶۔ جرجی زیدان ایڈیٹر اہلال بصرہ۔

۱۰ ہارون الرشید ایسا کریم النفس تھا کہ مال کی اس کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے محل میں تین سو لونڈیاں تھیں۔ جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار دینار سے ۱۰ ہزار دینار، بلکہ ایک لاکھ دینار تک تھی۔ ان کے لئے لباس اور زین و آلات پر بے شمار دوسرے خرچ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہارون نے ایک انگوٹھی ایک لاکھ دینار میں خریدی تھی۔ ہارون الرشید کے افسر باڈی گارڈ کی سالانہ تنخواہ تین لاکھ، پولیس کسٹرن کی ۵ لاکھ اور حاجب کی دس لاکھ درہم تھی۔ ہارون الرشید کا سفنی ابراہیم موصیٰ مراکو اس نے دو کروڑ چالیس لاکھ درہم ترکے میں چھوڑے اس کا طیب جبریل کا انتقال ہوا تو اس کا ترکہ نو کروڑ درہم تھا۔ (تاریخ المتمدن الاسلامی جلد ۲)

۱۰ ہارون اپنی عظمت کے لحاظ سے نہایت رحم دل، نیاز، منصف اور مستقل مزاج

تھا، لیکن علویین سے سخت برہم تھا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ لوگ آل عباس کے سخت دشمن ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہارون آل برمک کا خاتمہ نہ کر دیتا تو بالکل ممکن تھا کہ خلافت و سلطنت ایک دن علویین کے ہاتھ میں پہنچ جاتی۔

(تاریخ المتمدن الاسلامی جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)

۷۔ مسٹر یامر، پروفیسر عربی، کیسبرج یونیورسٹی۔

”خلیفہ ہارون الرشید میں وہ تمام یا قتیں جمع تھیں جو ایک قابل فرمانروا میں ہونی چاہئیں۔ وہ بڑا ہوشیار، عقل مند، تیز فہم اور عیان جمیع صفات تھا۔ اس کا ارادہ مضبوط اور اس کا عزم بڑا مستقل ہوتا تھا۔ وہ اگرچہ ایک نہایت عظیم الشان بادشاہ تھا، لیکن وہ معمولی شخص بھی ہوتا تب بھی اپنی تیزی، عقل اور اعلیٰ درجے کی فہم و فراست سے بڑے زبردست کارنامے سرانجام دے جاتا اور اپنے زور بازو سے بہت بڑا رتبہ اور مرتبہ حاصل کر لیتا۔ اس کی گفتگو میں نہایت درجے کی فصاحت و بلاغت اور بلا کا حکم ہوتا تھا۔ آج بھی اس کی تقریریں موجود ہیں جن سے طلاقِ لسانی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔“

خلیفہ ہارون الرشید کے مزاج میں بڑا خلق اور محبت و تواضع تھی جس وقت کی تمام مہذب دنیا اس کے زیر نگین اور اس کی سلطنت میں داخل تھی۔ وہ زمین پرندہ اس کے نائب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رشتے دار اور مذہب اسلام کا پیشوا تھا۔ تمام دنیا میں اس سے زیادہ کوئی شخص صاحبِ عظمت و اقتدار صاحبِ شان و شوکت، قابلِ تعلیم اور دھار یا کا خیر خواہ نہ تھا۔ وہ بہت مضبوط اور مستقل مزاج اور اولوالعزم شخص تھا۔ اپنے مذہبی فرائض نہایت تندہی اور

عاجزی سے اور کرتا تھا اور ہجو عظیم اٹھان سلطنت سے داشت میں پہنچی تھی اس کو
وسعت دینے کی پوری کوشش کرتا رہتا تھا۔

(خلیفہ ہارون الرشید - صفحہ ۲۲۵ - ۲۲۷)

۸۔ ڈاکٹر لیوان ، فرانسیسی مشرق -

ہارون الرشید کے عہد میں بغداد نے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی اور سرسبزی حاصل کی اور
مشرق کے تمام شہروں میں سب سے نامور ہو گیا۔ اس وقت ہارون الرشید کا نام
ربیع مکوں میں مشہور ہو گیا تھا۔ چینی ، تاتار اور ہندوستان سے سفیر اس کے پاس
آتے تھے۔ شارلمین شہنشاہ فرانٹس نے بھی ، جو حقیقت میں تمام یورپ کا مالک
تھا اس کے پاس سفیر بھیجے اور نہایت ادب سے درخواست کی کہ ڈاکٹر
بیت المقدس کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ خلیفہ نے اس درخواست کو
قبول کر لیا۔ (تقدیر عرب ترجمہ شمس العلماء مولوی سید علی بگلہاری

صفحہ ۱۶۷ - ۱۷۰)

۹۔ موسیو سیدلو ، فرانسیسی مورخ -

ہارون کے سابق فرمانروایان خاندان عباسیہ کے محاسن کا ذکر کیا گیا ہے
اس کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے شجاعت و کرم کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ اسے
ملو فیض اور اتباع حق کا مادہ قدرت نے کافی عطا فرمایا تھا۔ جب کبھی وہ دیکھتا کہ
وہ غلطی پر ہے تو دراً اس کام کو چھوڑ دیتا۔ رعایا کی بھلائی اور بہتری کے لئے
معلوم کرنے میں ہمیشہ تکرر مند رہتا تھا۔ وہ ایسے شریف خصال کا حامل تھا جن کے
باعث اس وقت تک اس کا نام باقی ہے۔ (تاریخ عرب صفحہ ۱۸۲)

۱۰۔ ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو لیٹنر جسٹس اور پنجاب یونیورسٹی

۱۸۷۰ء - ۱۸۷۶ء میں بڑی دھرم و حرام سے بے پروا اور رشیدیہ کی خلافت کا نشان بلند ہوا۔ اس کو واسطۃ الخلافہ کہتے تھے۔ کیوں کہ واسطۃ عرب کے محاورہ میں اس قسمی اودیہ کو کہتے ہیں جو اجرات کے دائرہ میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اہل کمال نے اس کے عہد میں بڑی ترقی کی۔ علمی تصنیفات کا بڑا زور ہوا۔ الفیہ کی تصنیف اسی کے عہد میں شروع ہوئی اور تین سو سات تک پہنچی۔ بعد ازاں کوفہ اور بصرہ میں علوم و فنون کے مدارس قائم ہوئے۔ حقیقت میں اس کا عہد ولایت اسلامیہ کے بڑے عروج و اقبال کا وقت تھا۔ شاہان عالم سے اس کے تہمتی تعلق و وابستہ تعصبات تھے۔ یورپ کے بادشاہوں سے بھی اس کی شایانہ خط و کتابت تھی۔ یہودی، عیسائی، پارسی اور ہندو عالم اس کے دربار میں موجود تھے۔ تجارت کی آزادی کا اسے بڑا خیال رہتا تھا۔ ہندوستان کا خیال سب سے پہلے اسی کو آیا تھا اور اس نے چاہا تھا کہ بحیرہ ملزم اور بحیرہ روم کو اس نہر کے ذریعے سے ملا دے۔ مگر وزیر اسطفت جعفر کے متفقہ کر تے سے باز رہا۔“

(سین اسلام جلد اول - صفحہ ۵۶-۵۷)

۱۱۔ سید امیر علی

اس عظیم الشان خلیفہ کے نام کے ساتھ الفیل کی کہانیوں نے ایک خاص قسم کی جاؤمیت پیدا کر دی ہے۔ خلیفہ ہارون منکلوں کی حمایت اور اہل واد کے لئے راتوں کو بھیس بدل کر بغداد کی گلیوں میں چکر لگاتا رہتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہارون کا شمار بڑے بڑے حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ مغربی فرائض کی ادائیگی میں ہارون نے

کبھی سستی اور کوتاہی نہیں کی۔ وہ ایک پاکباز اور غیر انسان تھا۔ اُس نے اپنے گرد و پیش ایک پُر شکوہ ماحول قائم کیا۔ اس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ وہ فطری طور پر سپاہی واقع ہوا تھا۔ اُس نے کئی بازوؤں کی کمان خود کی۔ نظم و نسق کی خرابیاں دور کرنے، رعایا کا حال و دریافت کرنے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اس نے بار بار اپنی مملکت کا دورہ کیا۔ حالات سے آگاہ رہنے کے لئے کئی دفعہ اُس نے سرحدی مقامات کا معائنہ کیا۔ سلطنت کا کام خوش اسلوبی سے انجام دینے اور ملک کا انتظام حمدگی سے کرنے میں اُس نے کبھی تھکاوٹ محسوس نہیں کی۔ تاجر، طلبہ، حاجی اور نائرجس آغادہ اور امن کے ساتھ اس کی وسیع مملکت میں سفر کر سکتے تھے، اس سے اُس کے عہد حکومت کے پُر امن ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اُس نے مسجدوں، مدرسوں، کالجوں، سڑکوں، چرواں اور نہروں کی تعمیر میں بے اندازہ روپیہ خرچ کیا۔ اُس کی یہ تعمیرات اُس کے حمدی کی بہترین ضامی ہیں۔ کردار کی مضبوطی اور ادماک کی تیزی کے پیش نظر جاسیون میں اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس کا دیوار اپنے عہد میں سب سے زیادہ شاندار تھا جس میں دنیا بھر کے فاضل موجود تھے۔ امام ابو یوسفؒ نے اسی کے عہد میں نقد خضیہ کی تدوین کی۔ اُس کے دور حکومت میں مشرق اور مغرب کو جانے والی سڑکیں بڑائی گئیں پچنانچہ بغداد سے یورپ اور چین کو سڑکیں نکلتی تھیں۔ جو تحائف اُس نے شاعر بھی شاہِ خراسان کو بھیجے تھے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کا تمدن میں دنوں کتنی بلند یوں پر تھا۔

تاریخی تشبیہ کے کسی سیار پر بھی ہمدون کو پرکھیں تو وہ دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں

کی صف میں دکھائی دے گا۔ (شارٹ ہسٹری آف سامانیٹر)

۱۲۔ مولانا شبلی نعمانی

”ہارون الرشید بڑی عظمت و شان کا خلیفہ گزرا ہے۔ شاہزادگی کے زمانہ میں دم پر شکوکشی کی اور پے درپے فتوحات حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ سریر خلافت پر بیٹھا تو اس کے ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیئے کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔ قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا مگر اس نے ہر بار شکست دی۔ شاہ نرشان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے اس کی حکومت کو چار چاند لگا دیئے۔ اس کی قدروانی کی۔ اندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور مصلے پیدا کر دیئے کہ زمانہ بھر کے اہل کمال دربار میں کچھ آئے اور آستانہ خلافت علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔“ (الاصول صفحہ ۱۳۴)

”ہارون الرشید نے کتابوں کی فراہمی اور تدوین میں نہایت بے تعصبی سے کام لیا۔ جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ علامہ شعبی کو بیت الحکمۃ میں ترجمہ و کتابت کی خدمت پر مامور کیا۔ ممالک کے شخص ہمیشہ عرب کی جھگوڑی میں مصروف رہتا تھا اور قبائل عرب میں سے ہر قبیلے کے جیوب میں اس نے الگ الگ کتابیں لکھی ہیں۔“ (مضامین شبلی - مضمون اسلامی کتب خانے)

۱۳۔ مولانا محمد اسلم جمیراج پوری، پروفیسر تاریخ اسلام جامعہ ملیہ دہلی۔

”ہارون الرشید کا عہد، خلافت عباسیہ کا بہترین زمانہ شمار ہوتا ہے۔ اس عہد میں ثقافت، ثروت، علم، ادب، طاقت اور شوکت میں دولت عباسیہ انتہائی بلند اور ادنیٰ درجے پر پہنچ گئی تھی۔ ہر قسم کے بڑے بڑے لوگ فراہم ہو گئے تھے جن کی

بدولت ملک کی زینت میں زیادتی اور اس کے ہر شعبے میں ترقی ہوئی۔

اسی کے عہد میں بغداد اپنے پورے معراج کمال پر پہنچی گیا اور اس کی آبادی میں لاکھوں سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اس کے باغیچوں میں بھری اور بری دونوں راستوں سے سامان تجارت آتا تھا اور یہی وہند، افریقہ اور شام کے تاجروں میں موجود تھے۔

علمی لحاظ سے بغداد اس وقت قبلہ علوم تھا۔ عالم اسلام کے تمام ممتاز علماء اور فضلاء وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔ محدث، قاری، حافظ، مفسر، ادیب، مصنف امامانی، خواہ، فاضلان، صرف، مؤرخ، متکلم، عربی غرض ہر قسم کے اہل کمال درس تعلیم، تصنیف اور تالیف میں مشغول تھے اور ان کے دارالافتاء میں مساجد کے بھی تھے۔ اس زمانہ میں دنیا کے اسلام کا کوئی شخص اس وقت تک کسی جہ میں کامل نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک اس نے دارالسلام بغداد کے دارالعلوم میں تحصیل علم نہ کی ہو۔

کچھ اسلامی اور مذہبی علوم پر منحصر نہ تھا بلکہ طب، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ اور نجوم کے ماہرین بھی وہاں بکثرت موجود تھے جو ہر علم کو تیزی کے ساتھ عربی میں منتقل کر رہے تھے۔
(تاریخ الامت جلد ۴ - صفحہ ۱۰۰-۱۰۲)

۱۴۔ مولوی معین الدین ندوی

”دارون الرشید دولت عباسیہ کا کل سرسید اور اس کا عہد عباسی حکومت کا دورہ زریں تھا۔ اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی غرض ہر لحاظ سے اور بکمال پر پہنچ گئی تھی۔“

دارون میں تضاد و صفات جمع تھیں۔ ایک طرف تو اس کی زندگی بڑی پرسکون، رنگینی

اور عیش پرستانہ تھی۔ یہاں تک کہ اس کی رنگینیوں نے بعد اود کو تماشا گاہ عالم بنا دیا تھا۔ مگر دوسری طرف وہ نہایت دین دار اور بڑا پابند شریعت تھا۔
(تاریخ اسلام، شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڑھ۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۱۰)

۱۵۔ مولوی عبدالرزاق کانیپوری مصنف البراکہ۔

«خلیفہ ہادی الرشید میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں مجتمع تھیں جو ایک پاکباز اور دیندار بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ علامہ ذہبی اور جاحظ کا قول ہے کہ ہادی اشراف میں جس قدر خوبیاں جمع تھیں وہ کسی دوسرے فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئیں۔ علم و ہنر، تدبیر، مملکت، امانائی و فراست، عزم و ثبات، انصاف و شجاعت، بلند خیالی اور عالیٰ مصلکی میں وہ تمام خلفائے ہر عباس میں ممتاز خلیفہ تھا۔ علوم فلسفہ سے اگرچہ چنداں ذوق نہ رکھتا تھا لیکن فقہ، حدیث، ادب، شعر اور آیات العرب کا اچھا شناس تھا»
(البراکہ۔ صفحہ ۳۲۵)

ماخذ جن سے اختتامیہ مرتبہ کرنے میں مدد ملی گئی

- (۱) جزائیہ خلافت مشرق از بی لی سٹریٹج مترجمہ حبیل الرحمان ایم۔ اے
- (۲) جزائیہ بلاد فلسطین و شام الہجی لی سٹریٹج مترجمہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی۔
- (۳) ارض القرآن از مولانا سید سلیمان ندوی
- (۴) سبیل الرشاد (سفرنامہ حجاز) از ماضی محمد سلیمان منصور پوری
- (۵) سفرنامہ حکیم ناصر خسرو مترجمہ مولوی عبد الرزاق کاشپوری۔
- (۶) انگلینڈ بغوردی نادمی کانگرسٹ از سرچارلس اورن کسے بی ای۔
- (۷) اسلامی حکومتیں اور شفاخانے از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔
- (۸) کلینکس اور سلطان از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔
- (۹) تاریخ ابن خلدون جلد ۷ مترجمہ مولوی احمد حسین الدہ آبادی۔
- (۱۰) تاریخ ملت۔ جلد ۵ از مفتی اعظم امام اکبر آبادی۔
- (۱۱) حقوق الذمیین از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔
- (۱۲) تاریخ اسلام جلد ۳ از شاہ معین الدین احمد ندوی۔
- (۱۳) تاریخ ممالک چین از جمیز کارکرن مکتوبہ ۱۸۶۴ء۔
- (۱۴) تاریخ یورپ جلد اول از آلپورتچر مکتوبہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد۔
- (۱۵) تراجم از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔

(۱۶) اسلامی کتب خانے از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔

(۱۷) تاریخ الامت جلد ۴ از مولانا محمد اسلم جیراج پوری

(۱۸) تاریخ اسلام از سید امیر علی مترجمہ باری علیگ۔

(۱۹) قدح عرب از ڈاکٹر گستاؤ لیبان مترجمہ شمس العلماء مولوی سید علی جگرانی

(۲۰) تاریخ عرب از موسیو سید یوسف انیس مترجمہ مولوی محمد الغفور

(۲۱) المارون از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

(۲۲) سنن اسلام جلد اول از ڈاکٹر جی ڈیو لیٹنز۔

(۲۳) خلیفہ ہارون الرشید از ای ایچ پارس پر فیض عربی کیمبرج یونیورسٹی۔

(۲۴) تاریخ التمدن الاسلامی از جرجی زیدان ایڈیٹر الملال۔

(۲۵) تاریخ الدولتین از جرجی زیدان مترجمہ مولانا نیاز فتح پوری۔

(۲۶) تاریخ سندھ از مولانا سید ابو ظفر ندوی۔

(۲۷) البراکہ از مولوی عبدالرزاق کانپوری۔

(۲۸) ابیان المغرب جلد اول از علامہ ابن العزازی المراكشی مترجمہ محمد حنیف الرحمن

(۲۹) تاریخ اسلام جلد اول از سید ذاکر حسین جعفری۔

(۳۰) تاریخ گلہ دستہ کشمیر از پنڈت ہر گوپال خستہ۔

(۳۱) آثار الحسنائید از سر سید احمد خان مطبوعہ ۱۹۰۴ء۔

(۳۲) تاریخ فضلیہ جلد اول از سید ریاست علی نقوی۔

(۳۳) تاریخ الاطباء از ڈاکٹر غلام جیلانی۔

(۳۴) محاضرات تاریخ اللام الاسلامیہ (محمد عباسیہ) از علامہ خضری۔

- (۳۵) تادمج الخفاء از علامہ جلال الدین سیرطی مترجمہ مولیٰ محمد بشیر صدیقی۔
 (۳۶) سیرۃ آل عباس جلد دوم از مولیٰ حکیم فرید احمد عباسی۔
 (۳۷) تعلیم ہجری و عیسوی از ابراہیم محمد خالدی ایم۔ اے۔

۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء

سب کچھ ہنگامہ ہو گیا ————— کتابیں سستی ہو گئیں !

میری لاتبریری

آرڈو میں کم خرچ کاغذی کتابوں (پاکٹ بکس) کا پہلا سلسلہ

پاکستان کے مقتدر روزناموں کی چند رائیں ملاحظہ ہوں :

”ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے ہاں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کی اقتصادی حالت ایسی نہیں کہ وہ گران قیمت کتابیں خرید کر اپنی علمی و ادبی تشنگی شامیں یہی سبب ہے کہ ہماری کتابیں ایک محدود طبقے ہی تک پہنچ پاتی ہیں۔ حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ ہماری کتابیں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچیں یہی وہ جذبہ ہے جس کے پیش نظر نئے نئے تجربے کرنے والے اور نشر و اشاعت کو حق کا درجہ عطا کرنے والے ادارے مکتبہ جدید نے پہل کی ہے اور آرڈو میں گران قیمت کتابوں کے کم خرچ ایڈیشن شائع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے“ روزنامہ ”جنگ“ کراچی۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء

”آٹا ہنگامہ نہیں ہونا چاہیے تاکہ کم آمدنی والے بھی پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ کتاب ہنگامہ نہیں ہونی چاہیے۔ کتابوں کے ہنگامہ ہونے کا مطلب ہے کہ عوام آدمی کی رسائی میں نہیں رہا۔ کم خرچ کاغذی کتابوں کا یہ سلسلہ نہایت مفید ہے اور آرڈو نشر و اشاعت میں ایک انقلابی تجربے کی نوعیت رکھتا ہے“ روزنامہ ”آفاق“ لاہور، ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء

”مکتبہ جدید کی یہ کوشش قابل قدر ہے۔ یہ کتابیں سستی ہونے کے باوجود پائیدار ہیں۔ یہ خدشہ نہیں کہ دو چار بار پڑھنے کے بعد ان کے اوراق پریشان ہو جائیں گے“ روزنامہ ”امروز“ لاہور، ۱۷ دسمبر، ۱۹۷۱ء

میٹھے بول میں جادو ہے

دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کتاب کی پچاس لاکھ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں

HOW TO WIN FRIENDS + INFLUENCE PEOPLE

ڈیل کارسنگی کی مشہور زمانہ تصنیف کا ترجمہ

یہ کتاب آپ کی اس طرح مدد کرے گی کہ :-

- ۱۔ آپ کے ذہن کو جلا بخشنے کی آپ میں نئے خیالات، نئے دلوے موجزن ہو جائیں گے۔
- ۲۔ آپ کی شخصیت میں دلکشی آجائے گی لوگ پہلے کی نسبت آسانی سے آپ کے دوست بننے لگیں گے۔
- ۳۔ آپ کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ لوگ آپ سے پیار کریں گے۔
- ۴۔ آپ لوگوں کو حبش پٹ اپنا ہم خیال بنایا کریں گے اور لوگ آپ کی رائے قبول کر لیا کریں گے۔
- ۵۔ لوگوں سے کام لینے کی اہلیت بڑھ جائے گی اور آپ کی سلوک میں اضافہ ہو گا۔ آپ پر اعتماد کیا جائے گا۔
- ۶۔ آپ اپنے پرانے اور نئے خریداروں، ماتحتوں اور نصروں کے لیے باعث دلکشی بن جائیں گے۔
- ۷۔ آپ کی مالی پریشانیاں دور ہوئے لگیں گی۔ آپ کی آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا۔
- ۸۔ اگر آپ لوگوں کو کوئی شکایت پیدا بھی ہوگی تو آپ محبت بازی کے بجائے انہیں قائل کر لیا کریں گے۔
- ۹۔ آپ اپنے ساتھیوں میں نئے دلوے اور نئی انگلیں پیدا کرنے کا باعث بنیں گے۔
- ۱۰۔ اس آپ کو اطمینان ہو گا کہ آپ زندگی سے پورا پورا فائدہ اور لطف اٹھا رہے ہیں۔

تران اور بائبل کو چھوڑ کر میٹھے بول میں جادو ہے، دنیا کی سب سے مقبول کتاب ہے۔
تران اور بائبل کو چھوڑ کر اس کتاب نے لوگوں کو سب سے زیادہ کامیابی بخشی ہے۔

۵۰۲ صفحات، بہترین طباعت اور کتابت قیمت : تین روپے
(اس کے عام ادیشن کی قیمت سات روپے ہے)

پریشان ہونا چھوڑیے۔ جینا شروع کیجئے

محنت با نام کی زیادتی کے اتنے لوگ نہیں رہتے جتنے پریشان ہو چکے ہوں ان کے دن بلاک محنت ہوتے ہیں

HOW TO STOP WORRYING & START LIVING

’بیٹھے بول میں جاؤ‘ ہے، کے مصنف کے علم سے ایک اور لافانی کائنات

یہ کتاب آپ کی اس طرح مدد کرے گی — کہ

- ۱۔ اس کے عمل اور آزمودہ اصولوں کے ذریعے آپ کی پریشانیاں اور تفکرات ختم ہو جائیں گے۔
- ۲۔ آپ پر ایسے راستے کھل جائیں گے کہ آپ کی کاروباری پریشانیاں فی الفور آدمی رہ جائیں گی۔
- ۳۔ آپ ایسے طریقے جانیں گے کہ آپ کو سماجی اور ذہنی سکون و راحت میسر آئے گی۔
- ۴۔ آپ کی پریشانیوں میں سب سے بڑی پریشانی — مالی پریشانی ختم ہونی شروع ہو جائے گی۔
- ۵۔ خواتین کو ایسے اصولوں کا پتہ چلے گا کہ نکاح اور سستی کے بھائے سمت شباب قائم رکھیں گی۔
- ۶۔ آپ کو تنقید اور زکمت جیسی سب سے تکلیف کے بھائے غامدہ اٹھانے کا گرا آ جائے گا۔
- ۷۔ آپ کو رقم کے ساتھ ساتھ وقت بچانے کے طریقے معلوم ہو جائیں گے۔
- ۸۔ آپ جذباتی توازن کے درجہ پر ہم ہونے سے بچے رہیں گے، آپ کا مؤثر وقت اچھا ہوگا۔
- ۹۔ بیسیوں کامیاب اور خوش و خرم انسانوں کی مثالیں آپ کو بھی کامیابی اور خوشی کی دعوت دیں گی۔
- ۱۰۔ آپ پچھلے نقصانوں کو بھول کر آئندہ کے غامدوں کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں گے۔

اس کتاب نے کروڑوں یاروں و نامور انسانوں کو از سر نو زندگی کا آغاز کرنے
پر اکسایا ہے۔ پریشان ہونا چھوڑیے۔ جینا شروع کیجیے۔ ’ڈیلی کارڈنگ کی یہ جڑواں‘
اور رستہ آواز ملے جسے نہ سنیں اور نہ سمجھیں۔ اس کے لیے نئی زندگی کا پیغام بن جاتی ہے۔

۴۵۶ بھرپور صفحات ————— ششہ ترجمہ ————— قیمت: ۲۰ روپے

(اس کتاب کے عام آرڈرنگ کی قیمت چھ روپے ہے)

غبارِ خاطر

از: ابوالکلام آزاد

قلعہ احمد نگر کی اسیری ۱۹ اگست ۱۹۴۲ء تا ۱۵ جون ۱۹۴۴ء کے زمانے کی بعض تحریرات چونکہ قلعہ احمد نگر کی قید کے زمانے میں دو دنوں سے خطوط کتابت کی اجازت دہی اور مولانا کی کوئی تحریر باہر نہ جاسکتی تھی اس لیے یہ مکاتیب وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور ایک نمائیل میں جمع ہوتے جتے مولانا رہا ہوتے تو مشغوب الیت تک پہنچنے کی راہ باز ہوتی۔ ان خطوط میں مولانا نے شرمین شامی کی جدا و جدا سبب کو ادا کیا ہے اس طرح کیا ہے کہ حد تک نقش آرائی کر رہی ہے اور وسعت تخلیق رنگ و بو میں بھر رہی ہے اجتہاد و فکر اور تجدید اسلوب میں مولانا کی عام اور ہرگز نیم خصوصیت تھی کہ قلم اور زبان کے ہر گوشے میں وہ طرزِ عام سے اپنی روش الگ رکھتے تھے اور الفاظ و تراکیب کے کمر مطالب اور ادا کے مطالب کے طرز تک ہر بات میں تقلید عام سے گریزا اور اپنے اجتہاد و انداز میں بے پیل اور بے لچک نظر کرتے تھے۔ انھوں نے جب سے قلم سنبھالا۔ ہمیشہ پیش رو اور صاحب اسلوب ہے کبھی یہ گوارا نہ کیا کہ کسی دوسرے پیش رو کے نقش قدم پر چلیں۔ چنانچہ ان مکاتیب میں بھی ان کا مجتہدانہ انداز ہر جگہ نمایاں ہے جیل میں بغیر کسی استہام اور کاوش کے قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ لیکن قدرت بیان ہے کہ بے ساختگی میں انگریزی چلی آتی ہے اور کاوش نکلے ہے کہ آدمی بھی آدھ سے زیادہ ممتی اور شوق رتی ہے۔ غرضت ہے قلم وہ اپنی ہے داغ لطافت رکھتی ہے۔ واقعہ نگاری ہے تو اس کی نقش آرائی کا جواب نہیں نکلا کہ بیان ہر جگہ بلند اور نظر کا معیار ہر جگہ اور بلند ہے۔

غبارِ خاطر ایک عظیم انسان کی ذہنی زندگی کا سب سے روشن عکس ہے

بڑے سائز کے تین صفحات بہترین گھائی چھپائی قیمت: ۳ روپے

(اس کتاب کے عام ادیشن کی قیمت چھ روپے ہے)

تذکرہ

از: ابو الکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد کے خاندان کے بعض اکابر و شیوخ کے سوانح و حالات
 مصنف: فضل الدین احمد مرزا۔ بی۔ ایس۔ سی، اے ایف۔ جی۔ ایس (ریکر)،
 قوم کا سب سے محترم طبقہ علماء و شائخ کا ہوتا ہے لیکن اس جماعت کا یہ حال ہے گویا اس کو
 مسلمانوں کی مرثیہ و حیات کوئی واسطہ ہی نہیں قوم کا مہا بل سے جا بل اور ان کی سے ان کی طبقہ
 بھی دنیا کے حالات اور مسلمانوں کی قومی سہانگی کی جتنی خبر کتابت اتنی ہی مہلے ان پیشواؤں
 کو نہیں دینا میں کیا انقلابات ہو رہے ہیں مسلمانان عالم پر کیا گزر رہی ہے۔ ان کی قومی
 زندگی کو شانے کی کیا تدبیریں ہو رہی ہیں۔ اس گروہ کے نزدیک یہ سب کچھ دنیا داری کی
 باتیں ہیں اس گروہ کا اعتقاد یہ ہے کہ ہمارا کام صرف دین ہے اور دین کا مطلب یہ ہے
 روح کے مسائل تیار دینا۔ دین کو جیسی شکل میں خود دیکھتے ہیں، ویسی ہی شکل دوسروں کو
 بھی دکھلاتے ہیں۔ وہ شکل اس قابل تو ضرور ہے کہ قسمتی جزو دلوں میں پیٹ کر طاقتوں پر رکھ
 دی جائے مگر ایسی نہیں کہ ہمارے دلوں میں مگر کر کے اور خدا سے پھرے ہوئے سروں کو
 پھر خدا کے سامنے جھکا دے۔

یہ حالات اس تمام عرصے پر محیط ہیں جب عالم اسلام اپنے بروست و لا کی پیٹ میں تھا۔ تذکرہ مصلحتاً
 لے لیا گیا ہے۔ اندازہ مکتوب ہے جس قسم علما و دین کی دنیا و دین کا منظر چشم خود دیکھ سکتے ہیں۔ پھر اس گروہ
 اندیکھے میں وہ چند مغز ستیاں بھی مکتوب کی طرح چمکنی نظر آتی ہیں جن کو بجز حال میں تو کمال پر توجہ دی۔ یہ
 روشن شایں آج بھی جہاں سے ملوں کو گراتی ہیں اور یہیں مستقبل کی تعمیر کا راستہ دکھاتی ہیں۔

تذکرہ اہل کے خلاف ایک زبردست آواز ہے، ایک زبردست جہاد ہے

بڑا سا نز ۳۰۰ صفحات بہترین کھائی چھپائی قیمت: ۲ روپے

اس کتاب کے عام امین کی قیمت سات روپے ہے،

حمایتیں

از: شفیق الرحمن

”وہ جو اس قسم کی کتابوں کو پسند کرتے ہیں اس کتاب کو بالکل ایسی ہی پائیں گے جیسی کتابوں کو وہ پسند کرتے ہیں“
ابراہیم کلن

حمایتیں — شفیق الرحمن کے مزاحیہ افسانوں کا خوب صورت مجموعہ

”شفیق الرحمن موجودہ دور میں نگفٹہ اور صحت مند ادب کے بانی ہیں“

ماہ نامہ ادب لطیف لاہور

”شفیق الرحمن کے افسانے پڑھ کر شوح رنگوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے عرصہ خورشید نازکی، یاقوتی، زعفرانی۔“
کرشن چندر

”سارے نئے ادب میں میں نے اس کے ایک شفیق الرحمن میں جنہوں نے تفریحی ادب کی طرف توجہ کی ہے۔ یہ نگفٹگی، یہ لاابالی پن، یہ پختی ہوئی جگہ کا ہٹ میں انہیں کا حصہ ہے“
محمد حسن عسکری

حمایتیں کے افسانے

نیل جھیل — بے بی — تمہید — نناوے ناٹ آؤٹ
بلڈ پریشر کلب — ننا — حمایتیں — قصہ پرو خیر علی بابا کا

سڑھ سے تین سو سرت سے جگہ گاتے ہوئے صفات — بہترین سیار پیش کش قیمت ۳۰ روپے
اس کتاب کے عام آڈیشن کی قیمت پانچ روپے ہے

مزید حماقتیں

از: شفیق الرحمن

شفیق الرحمن ہی کو یہ عکد حاصل ہے کہ وہ ان کی غلطی بھرپور بھی ہے اور اس میں شائستگی کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ مزید حماقتیں ان کی تازہ ترین کتاب ہے۔ اس میں ان کا من پھلکی کو پہنچ چکا ہے۔

مزید حماقتیں کا دیباچہ

یہ دستور ہے کہ کتاب خراہ کہیں بھی لکھی گئی ہو مصنف اگر ایک مرتبہ بھی ولایت گیا ہے تو دیباچہ ضرور لندن کا لکھا ہوتا ہو گا۔ ان دنوں میں لندن میں ہوں اس لیے مجبور ہوں کہ اس روایت کو قائم رکھوں۔ ویسے میں کوئی خاص بات نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ یہ دیباچہ ہے جسے میں نے لندن میں لکھا ہے۔

شفیق الرحمن

مزید حماقتیں کی نہر س

تحرک ناوری عرف سیاحت نامہ ہند۔ یہ ریڈیو روم تھا۔ کلید کامیابی حمد مدم شیطان عینک اور موسم بہار۔ مکی پرند سے اور دوسرے جانور۔ سفر نامہ جہاز باز سندھی کا۔ دو نگلیں۔ ٹیکسٹ سے پہلے ٹیکسٹ کے بعد۔ زانا اردو خط و کتابت۔ برقی پرمسہ چار سو پینتے سکڑائے صفات۔ بہترین کتابت و طباعت۔ قیمت: ۲ روپے

(اس کتاب کے عام آرڈریشن کی قیمت چھ روپے ہے)

میری لائبریری میں شامل ہونے والی اگلی چھ کتابیں

ایک روپیہ آٹھ آنے

۱/۸ "محبین" مشہور عربی مؤرخ عماد النضر نے حضرت امام حسینؑ کے مستند ترین اور دلچسپ ترین سوانح حیات قلمبند کیے ہیں جسے قومی پریس نے حضرت حسینؑ کی زندگی اور واقعہ کربلا کی معنویت کے اعتبار سے خوب خوب سراہا ہے۔

۱/۸ زندگی اور عمل زندگی سب گزرتے ہیں اور زندگی بھر کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں لیکن کامیابی صرف چند لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ زندگی کو کامیابی سے گزارنے کے لیے ڈاکٹر اردن نے بڑے دلکش پیرائے میں مفید ترین باتیں کی ہیں۔

۱/۸ بہرین شفیق الرحمن کو اردو ادب میں جراتیاز حاصل ہے اس کی وجہ ان کا انتہائی خوب صورت طرز نگارش اور ان کی شوخی اور شگفتگی ہے۔ بہرین ان کے مزاحیہ مضامین اور افکاروں کا جیتا جاگتا مجموعہ ہے۔

دو روپے چار آنے

۲/۴ الہیارضیٰ عماد النضر کے نظم سے عظیم اشران مسلمان حلیفہ ہارن الرشید کے دلچسپ ترین حالات یہ کتاب ہارن اور اس کے عہد کے اوقات کو الف لیلہ کی ہی دھڑکی سے آپکے سامنے رکھ دے گی۔ المامون اور کے مشہور مؤرخ علامہ شبلی نے مسلمانوں کے اس شاہی بہرہ پر اپنے دل و زور مستند ۲/۴ انداز میں قلم اٹھایا ہے اور المامون الرشید اور اس کے عہد کو جیسے جیسے زندہ کر دیا ہے۔ روپ متی سرزمین ہند کی عظیم و قمر۔ روپ متی کی کہانی جسے فیاض حسین نے نظم نے اپنی تانتر ۲/۴ دہائی میں لکھی اور لاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ روپ متی کی شہرہ شہسخت پر لاریوں میں جلیج کی

میری لائبریری کی کتابیں مکتبہ جدید اردو - مجمع محمد رسول لاہور سے شائع ہوتی ہیں۔

آپ جہاں سے سہولت محسوس کریں وہیں سے حاصل فرمائیں

مکتبہ جدید (۴۰ - فتح محمد روڈ) لاہور، 7

” یہ واقعہ ہے کہ علم و ادب کی مکتبہ جدید سے زیادہ گراں قدر خدمات کرنے والا ادارہ اس وقت کوئی دوسرا نہیں۔“

علامہ نیاز فتح پوری

” کتابوں کی طبع و اشاعت بچانے خود ایک مقتدر فن ہے ، اس فن میں مکتبہ جدید کی دسترس اور مسارت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو۔“

فیض احمد فیض

اب اچھی کتابیں ، مطالعہ کرتے ہیں
مکتبہ جدید اچھی کتابیں شائع کرتا ہے

ہفت روزہ نصرت لاہور، 7

بکے از مطبوعات مکتبہ جدید ————— الیٹر : حنیف رائے

” انسانوں کے دلوں میں بہتر زندگی کے لیے آرزو پیدا کرنا اور اپنے ملک و ملت کے مسائل میں تعمیری جذبات کے ساتھ خود حصہ لینا اور دوسروں کو مائل کرنا نصرت کا مطمح نظر ہے ۔
ابوالاثر حفیظ جالندھری

” نصرت نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک صحت مند پیغام ہے اور اس میں بصیرت کی چمک ہے۔“

مصور مشرق ، عبدالرحمان چغتائی

ایک شمارہ : چھ آنے

سال بھر کے لیے : پندرہ روپے — دو سال کے لیے : پچیس روپے

مکتبہ جدید کے مشہور اشاعتی سلسلہ : سلسلہ تاریخ و سوانح میں مصر کے نامور محقق اور انشا پرداز : محمد حسین ہیکل کی دو مہم بالشان کتابیں اردو میں پیش کی گئی ہیں ۔

۱۔ عمر، فاروق اعظم

”محمد حسین ہیکل کی تصنیف عمر، فاروق اعظم کو جو مرتبہ فنِ سوانح نگاری اور اندازِ نگارش کے اعتبار سے عربی ادب میں حاصل ہے اس کا تقاضا تھا کہ اسے حبیب اشعر جیسا مترجم ملتا اور مکتبہ جدید جیسا ناشر۔“
علامہ نیاز فتح پوری
اعلیٰ ترین معیارِ پیش کش ۔ قیمت بیس روپے

۲۔ ابوبکر، صدیق اکبر

”اس شخص کے حالات پر غور کرو جو تمہارے پاس صدق و یقین سے بھرپور باتیں کرنے آیا ہے اور اسے بھی دیکھو جو ان باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔“

القرآن

یہ کتاب اسی حکم کے پیشِ نظر صدیق اکبر کی شایانِ شان سوانح عمری ہے ۔ اس میں حضرت ابوبکر رضہ کے مقام و مرتبہ ، عظمت و شوکت ، سوز و گداز اور یقین و امان کا موثر ترین نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ بہترین لکھائی چھپائی ، کاغذ اور جلد ۔ قیمت دس روپے

سویرا آرٹ پریس • لاہور